

ابن انشا

دُنیا گول ہے  
سفر نامہ

## ترتیب

### فلپائن

جانا ہمارا فلپائن ۱ ور ڈرنا بات بات پر ۱۵

ہم نے اپنے پرکرفیو لگایا، ۱۸

جیب کٹوانے کے لئے ہوٹل سے

باہر جانے کی ضرورت نہیں، ۲۳

ذکر جنپی کی سواری کا، ۲۹

متفرقات مینلا، ۳۵

### انڈونیشیا

ایرو فلورٹ کی سواری، ۴۴

ہم نے بارہ سو روپے کا کھانا کھایا، ۴۹

ایک دن بندونگ میں، ۵۶

باتیں اس کی یاد رہیں، ۶۳

متفرقات انڈونیشیا، ۷۲

### سنگاپور

سنگاپور میں قدم رنجہ، ۷۹

جو ہور اور وایسی، ۸۴

۱۹۶۷ء

ملائیشیا کراچی سے کوالا لپور تک ، ۹۱  
سنگا پور پھر وہی ، گلیاں پھر وہی ہم ، ۹۵  
۱۹۶۸ء تماشا گزری کا ، ۹۹

بنکاک ہائے راما کہاں آگئے ، ۱۰۴  
۱۹۶۸ء

ہانگ کانگ بعث چین کا نظر ہو ، ۱۱۰  
۱۹۶۶ء نمبر ۷ کی تلاش میں ، ۱۱۷

افغانستان ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے ۱۱۵  
۱۹۶۶ء ہاں کابل میں کدھے ہوتے ہیں ، ۱۲۹  
ریلوے ، کوئی ریلوے ؟ ۱۳۶

ست سری اکال ، ۱۴۳

آغا گپ بزیند ، ۱۴۸

متفرقات کا بل ، ۱۵۲

ایران اک ذرا تہران تک ، ۱۵۹

۱۹۶۸ء شب جائے کہ من بو دم ، ۱۶۴

کہ اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا ، ۱۶۸

ڈاک، لسی، قیلولہ ، ۱۷۲

ترکی

بیروت کی ایک رات ، ۱۷۸

۱۹۶۸ء

ازدردم واز یاران ردم ، ۱۸۴

احوال آفاق میاں کے گھر کا ، ۱۸۷

۱۹۶۸ء کا سفر

سنگا پور

کیا دنیا واقعی گول ہے ؟ ۱۹۵

ذکر چینی ۱ اور خوبان چینی ،

بوری ۱ اور باری کا ، ۱۹۹

ہانگ کانگ

تری گٹھڑی کولا گا چوررے ، ۲۰۵

ہانگ کانگ کے سوٹ بنانے والے ، ۲۱۰

جاپان

ایک خط چڑھتے سورج کی دھرتی سے ، ۲۱۶

جاپان میں چار دن ، ۲۱۹

انگریزی کے بغیر ترقی کرنے کا کیا فائدہ ؟ ۲۲۴

کوریا

آری گا تو سے خمسہ حمیدہ تک ، ۲۲۸

ہوائی

ہم دنیا کے دوسری طرف جا نکلے ، ۲۳۳

الوہا ہیا مسافر الوہا ، ۲۳۹

سام فرانسکو

ہم نے امریکہ کو ، امریکہ نے

ہمیں دریافت کرنا شروع کر دیا ، ۲۴۴

ہاں عشقوں کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو ۲۴۹

قصہ بریگیڈیر صاحب کی جادو شراب کا ، ۲۵۳

۱۹۷۰ء کا سفر

لندن

آوارہ گرد ڈائری ، ۲۶۱

لندن میں ہرے رام وغیرہ ، ۲۶۸

موم بتی کی تلاش میں ، ۲۷۲

حکیم جی لندن بھی پہنچ گئے ، ۲۷۷

متفرقات لندن ، ۲۸۱

شرک ہو مز کے کوچے میں ، ۲۸۶

گلغام کو مل گئی سبز پری ، ۲۹۱

ذکر برٹن صاحب کا ، ۲۹۶

پیرس

لندن کو ٹاٹا ، ۳۰۴

پیرس بھی کوئی شہر ہے ، ۳۰۸

فرانسیسوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ ، ۳۱۱

یونیکسو کی گیلری سے ، ۳۱۷

## آوارہ تر بادا

ہماری آوارہ گرد کی ڈاڑی ہماری اپنی ذات کے برعکس خاصی مقبول ثابت ہوئی پانچ مہینے میں پہلا ایڈیشن نکل گیا اس کا اثر مختلف لوگوں پر سخت؛ لف ہوا بعضوں نے اسے پڑھتے ہی رخت سفر باندھا ٹکٹ کٹایا بیوی بچوں کی بلائیں لیں اور آنسو پی کر یورپ روانہ ہو گئے کہ ادوائن کی رسی سے کھلنے والے ہوٹلوں اور ان کے حمام با د گرد غسل خانوں کی زیارت کریں بعضوں نے کہہ تھوڑے دل والے تھے اور ہم آزمائی کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے اپنا پلٹا ہوا بستر کھول دیا کہ اگر پردیس میں یہی کچھ ہوتا ہے تو ہم سیاحت سے بھر پائے حتیٰ کہ بعض ٹریول ایجنسیوں کے کاروبار پر زد بھی پڑی اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ اس کتاب پر پابندی لگائی جائے بیرونی ممالک میں جن ہوٹلوں اور شہروں کا ازالہ حیثیت عرفی ہمارے قلم سے ہوا انھوں نے بھی احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ مصنف کو کوئی اور سزا نہیں دی جاتی تو کم از کم اتنا کیا جائے کہ اس کتاب کا کسی مہذب یعنی یورپ کی کسی زبان میں ترجمہ نہ چھپنے دیا جائے چونکہ یوں بھی کوئی مترجم اسے کسی زبان میں ترجمہ کرنے اور کوئی پبلشر اسے چھاپنے کو تیار نہ ہو رہا تھا لہذا ہمیں یہ مطالبہ ماننے میں زیادہ وقت نہ ہوئی خود ہم نے اپنی تمام کتابوں کے حقوق ترجمہ جو اپنے حق میں محفوظ رکھے ہیں اور کسی کو ترجمہ کرنے یا چھاپنے کی اجازت نہیں دیتے تو اس میں بھی ایک حکمت ہمارے چین کے سفر نامے کی شہرت سن کر خان صاحب یعنی ہمارے وفد کے لیڈر پرنسپل ابراہیم خاں ڈھاکے سے فرمائش ہی کرتے رہ گئے کہ ہمیں بھی دکھاؤ تم نے ہمارے بارے میں کیا لکھا ہے چونکہ دیرینہ اور مخلصانہ تعلقات کو ختم کرنا موصود نہ تھا لہذا ہم نے انھیں بتایا کہ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گیا آئندہ ایڈیشن کی سب سے پہلی جلد آپ کی نذر کی جائے گی پوچھے تو ہم بین السانی

ترجموں کے اصولی طور پر خلاف ہیں خود پرنسپل ابراہیم خاں نے جو اسی سفر کا سفر نامہ بنگلہ میں لکھا تھا اس ایک حصہ ہم نے پڑھوا کر سنا ہمارے اخلاق اور شرافت اور عالی دماغی کی بہت تعریف کی گئی تھی اور آخر میں لکھا تھا کہ ابن انشا صاحب کی تحریر بڑی پر لطف ہوتی ہے ان کو بلاشبہ اردو کا ملا دو پیازہ کہا جاسکتا ہے یہ زیریں رائے کسی اردو والے کے ہاتھ لگ جائی تو۔۔۔۔۔

جب ہم دنیا کے گرد سفر پر روانہ ہوئے تو ہمیں معلوم تھا کہ دنیا گول ہے اس لئے ہمارے سرورق کے آرٹسٹ کی طرح ہمیں بھی اندیشہ تھا کہ کہیں اپنے بستر اور سوٹ کیس سمیت اٹے خلا میں نہ گر جائیں ہمیں اپنی فکر تو کم تھی کیونکہ ہم تو گرتے ہی رہتے ہیں سامان کا خیال زیادہ تھا غنیمت ہے کہ سلامتی سے واپسی آگئے قاعدے سے صرف اس ایک سفر کی روداد پر بھی دنیا گول ہے کا سفر نامہ لگ سکتا تھا لیکن کچھ فالتو سفر بھی ہم نے کر رکھے تھے وہ بھی اس میں ملا دیئے یوں تو ہماری آوارگی ہمارے ۱۹۶۱ء کے سفر یورپ سے شروع ہوتی ہے ۱۹۶۳ء میں ہم ایران سے فارسی بولتے اور ۱۹۶۴ء میں لنکا سے وہاں کی ملاحت باتوں پر جان چھڑکتے لوٹے تھے لیکن ۱۹۶۶ء ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء ہمارے لئے سیاحت کے بھرپور سال تھے پورب اور پچھم ہماری وحشت کا صحرا تھے انھی سالوں میں ہمارے دوستوں نے بھی مشہور کیا تھا کہ پاکستان تو ہم کبھی کبھی آتے ہیں وہ بھی صرف حجامت کرانے اور کپڑے دھلوانے کے لئے کیونکہ دوسرے ملکوں میں ان کاموں کی اجرت زیادہ ہے۔

۱۹۸۸ء میں ہمارا پہلا سفر چین کا تھا چین اپنی ذات سے ایک دنیا ہے اگرچہ اتنی زیادہ گول نہیں ہے اس کی روداد سے ہم شتابی سے فارغ ہوئے بلکہ چکے ہو تو چین کو چلنے کا چوتھا ایڈیشن حال ہی میں آیا ہے اس سفر میں تنہا نہ تھے ادیبوں سے ہے چین سے لوٹے تو مئی ۱۹۶۶ء میں جاپان روانہ ہو گئے

جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دور چلے بس ایک ہفتے کا فصل بیج میں رہا ہوگا جاپان یونیکسو کے مہمان تھے اس سفر کا ٹوکیو کا باب تو اس سفر نامے میں شامل لیکن ہانگ کانگ کا احوال ضرور شامل ہے۔

۱۹۶۷ء ہی کی جولائی میں ہم نے انقرہ کی ایک کانفرنس میں ملک کی طرف سے شرکت کی اور اسی سال کے ستمبر میں ہمارا تین ماہ کا تربیتی دورہ ہمیں یورپ اور مشرق وسطیٰ لے گیا جس کی رعداد آوارہ گرد کی ڈائری میں آئی ہے ۱۹۶۸ء کے اپریل میں ہم کو الالمپور میں دیکھئے گئے ستمبر میں یونیکسو کے ایک جلسے کے لئے سنگاپور میں تھے اور نومبر میں سچ مچ دنیا کی گولائی ناپنے پر نکل گئے اس سفر نامے میں اس کی داستان ادھوری ہے سان فرانسکو پر ختم ہو جاتی ہے حالانکہ اس کے بعد کئی پڑاؤ پڑے شگاگو، سینٹ لوئی، واشنگٹن اور نیویارک اور وہاں سے زقند بہ زقند سوڈن اور ترکی۔ ترکی میں اب کے انقرہ کے علاوہ مولانا روم کے شہر قونیہ کی زیارت کا بھی موقع ملا اور ہم نے درویشیوں کا رویتی رقص بھی دیکھا۔

اس سفر کی داستان ادھوری کیوں رہی یہ سب لیجئے ہم ابھی کراچی سے چل کر سنگا پور پہنچے تھے کہ صدر ایوب خاں کا راج سنگھاسن ڈانڈول ہونے کی خبریں آنے لگیں، جلسے، جلوس، ہڑتالیں، مظاہرے وغیرہ۔۔۔ ہمارے امریکہ پہنچنے تک ان میں ایسی شدت پیدا ہوئی کہ ہمارے رفیق سفر فضل الباری صاحب کی بھوک اڑ گئی کہ وہ باقاعدہ صاحب فراش ہو گئے وہ مشرق پاکستان کے وزیر صحت تھے ان کا کہنا تھا کہ ایوب خاں نہیں رہے رہے گا تو منم خاں بھی نہیں رہے گا اور منعم خاں نہیں رہے گا تو ہم بھی نہیں رہے گا تو منم خاں بھی نہیں رہے گا تو منم خاں بھی منسڑی جائے گا دودھ پیتے اور فریاد کرتے تھے فریاد کرتے تھے اور دودھ پیتے تھے لندن پہنچنے تک ان کا مورال اتنا گر چکا تھا کہ ہم سے دعا سلام کئے بغیر دھا کے جانے والے جہاز میں بیٹھ گئے اور واقعی ویاں جاتے ہی گدی سے اتر گئے۔

سان فرانسکو تک تو ہم لکھ لکھ چھٹیاں درواں دیاں بھیجتے رہے پھر سوچا کہ اس غوغا آرائی میں ہمارے قصے کون سنے گا کیوں سنے گا بس ہم نے بھی آہ آہ نہ کی ہم بھی چپ رہے ہماری طبیعت



کا قاعدہ یہ ہے کہ جو فی الفور لکھ لیں سو لکھ لیں جس کو کل پر ٹالارہ خود ہی پرسوں پر ٹل گیا خیر  
میاں آزاد۔ جو بندھ گیا موتی ہے جو رہ گیا وہی بہت ہے بلکہ سے زیادہ بھی ہے۔

ابن انشا

یکم جون ۱۹۷۲ء

فلپائن

۱۹۶۷ء

جانا ہمارا فلپائن اور ڈرنا بات بات پر

اگر کسی مسافر کی کوئی نقدی یا کوئی قیمتی چیز یا دستاویزات وغیرہ ہوٹل کے کمرے سے گم ہو جائیں  
تو ہوٹل ہذا قسعی ذمہ دار نہ ہوگا مہمانان عزیز کو خبر دار کیا جاتا ہے کہ خواہ چند لمحے کے لئے بھی  
کمرے سے باہر جائیں کمرے میں کوئی قیمتی چیز نہ چھوڑیں اور دروازہ مقفل کر کے باہر نکلیں رات  
کو کمرے میں سوتے وقت دروازے کی دوہری چٹھنیاں بھی ضرور چڑھالیں ہوٹل ہذا کسی مسافر کے کمرے میں  
صنف مخالف کے کسی رکن کا آنا مستحق نہیں سمجھتا اگر کوئی معزز میمان کمرے کے بیرے یا ہوٹل کے اسٹاف  
کے کسی اور رکن سے ملا کر کچھ کر لے تو ہوٹل خود کو بری الزمہ سمجھے گا ہم اپنے میمان عزیز کو یقین دلاتے  
ہیں کہ ہم اس کی ایسی خدمت کریں گے کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔

یہ اس ہوٹل کے کمرے میں لٹکے ہوئے نوٹس کی نقل مطابق اصل ہے ہر چند کہ یہ ہوٹل یہاں کے قابل اعتبار ترین اور معزز ہوٹلوں میں گنا جاتا ہے تاہم میمان کے جان و مال سلامتی کی گارنٹی دنیا دور اندیشی کے خلاف سمجھتا ہے لہذا اس وقت بھی جب کہ رات کے ۱۱ بجے یہ ہم سطور لکھ رہے ہیں کمرے کی نہ صرف دونوں چٹھنیاں لگی ہوئی ہیں بلکہ لکھنے کی میز دروازے سے بھڑا کر اپنا سوٹ کیس اس پر رکھ دیا ہے شام کے جھٹ پٹے کے وقت کھڑکی کے پیچھے ایک چہرہ نظر آیا تھا ہم نے کھڑکی کھول کر موصوف سے کہا کہ اے جان قیس تیرا ارادہ کدھر ہے آج بلا آپ کی کھڑکی کے شیشے صاف کرنا چاہتا تھا ہم نے کہا کر لو لیکن صرف شیشے صاف کرنا بالا مجھے نہیں معلوم تھا آپ کمرے میں آرام کر رہے ہیں پھر کسی وقت آکر کرلوں گا روم بوائے سے ہم نے ۹ بجے ہی کہہ دیا تھا کہ کھانا کھا چکے، چائے ہم پی چکے اب ہم آرام کریں گے تم بھی آرام کرو پھر بھی دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا کر پوچھ چکا ہے کہ اور کوئی خدمت سوچنے کی بات ہے منیلا کہ ہوٹل والے غریب الوطن مسافروں کے آرام و آسائش کے بارے میں کتنے فکرمند رہتے ہیں اللہ انھیں جزائے خیر دے کابل کے ہوٹل کاروم بوائے تو ایسا استغفار کا مارا ہوا تیہا کہ آواز دینے پر بھی نہ آتا تھا اس نے پوچھ لیا تھا کہ صاحب کب اور کس روز جائے گا بس اس روز وقت نکال کر بخشیش لینے ضرور آگیا تھا۔

جب بھی ہم کہیں سفر کا اختیار کرتے ہیں لوگ طرح طرح کے معاملے میں ہمیں سردی سے ڈرایا گیا تھا منیلا کے بارے میں سردی کا عذر نہیں چل سکتا بیہا کیونکہ یہاں بارہ مہینے گرمی رہتی ہے لہذا چوری چکاری کا ذکر لے بیٹھے کراچی میں ہمارے ایک جرمن دوست ہیں اکثر سفر کرتے رہتے ہیں ہم ان سے شیرواد چاہی تو بولے منیلا۔۔ میاں اخبار پڑھا ہے اس وقت جرائم کے معاملے میں سب سے آگے نکلا ہوا ہے

سائیگون اور نیو پارک سے بھی

جی پڑھا ہے

پھر مت جاؤ

جانا ضروری ہے

وہاں چوری ضرور ہوتی ہے جیب ضرور کٹتی ہے اپنے ساتھ کوئی رقم رقم لے کر مت جانا جی اچھا۔۔۔

ٹیکسی والے بڑے بدمعاش ہیں ایئر پورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھو تو رستے میں گھما کر کسی ویران علاقے میں لے جاتے ہیں مسافر کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں اور سوٹ کیس لے کر غائب ہو جاتے ہیں لہذا اپنے ساتھ سوٹ کیس نہ لے جانا۔

جی بہت مناسب ،

میرے ایک دوست کے تو انھوں نے کپڑے بھی اتار لئے تھے،

تو کیا کپڑے بھی نہ پہن کر جاؤں ؟

بولے یہ میں نہیں کہتا ہاں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ وہاں کسی آبرو محفوظ نہیں اقوام متحدہ کے دفتر کی ایک میم صاحب وہاں تنہا گئی تھیں ہم نے کہا جس قوم کی آبرو کا آپ حوالہ دے رہے ہیں اس کا ہمارے معاملے پر اطلاق نہیں ہوتا ، مصر ہو کر کہنے لگے میں پھر کہتا ہوں مت جاؤ ضرور جائیں گے ہم نے کہا ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ فرنگی آدمی ہے نہیں چاہتا کہ ہم کسی ایشیائی سے شیرو شکر ہوں کسی قسم کا تعلق قائم کریں جائز اور ناجائز کی بحث تو بعد میں آتی ہے۔

یہ اچھا ہے کہ ہمارے فلیپائی دوست بنی پایو کو بیمار خط مل گیا تھا اس لئے وہ اپنی فرلانگمہر لمبی کار لے کر ہمیں لینے نیلاائر پورٹ پر آئے ہوئے تھے ایک اور بزرگ بھی ایک الاقوامی ادارے کی طرف سے ہماری پیشوائی کو موجود تھے یہ قوم کے بھارتی تھے ہم نے ان کا شکر یہ ادا کیا بالے تو اچھا اپنے دوست کے ساتھ جارہے ہیں آپ ٹھیک ہے فلاں ہوٹل میں آپ کا بندوبست ہے تھوڑا مہنگا ہے لیکن نسبتاً محفوظ ہے آپ ان سے کہ دیجئے کہ اقوام متحدہ کے کام سے آئے ہیں تھوڑی سی رعایت بھی شاید کر دیں

## ہم نے اپنے پر کرفیو لگا لیا

بنی پایو ٹوکیو کی کانفرنس میں ہمارے ساتھ تھے یہاں ان کا بہت بڑا مطبع اور نشر اشاعت کا کارخانہ ہے یہاں کی وائی ایم سی اے کے بھی نائب صدر یا سکتر وغیرہ ہیں منیلا کی خوبصورت خلیج کے ساتھ ساتھ عالی شان اور خوش وضع عمارتیں دیکھتے شہر کو چلے روزہ ہمارا دیگر دنوں کی طرح اتفاق سے اس روز بھی نہیں تھا لہذا خوش چہرہ اور خوش ادا حسیناؤں کے چہروں پر بھی اچھٹی اور غیر اچھٹی نظریں ڈالتے جا رہے تھے کہ کفران نعمت نہ ہو ہمارا ہاتھ بے خیالی میں تھوڑا کار کی کھڑکی سے باہر نکل گیا ممکن ہے کسی کی مسکراہٹ کے جواب میں ہمارے سلام کرنے کی کوشش میں ایسا ہو گیا ہو بہر حال بنی پایو صاحب نے فوراً ڈانٹا کہ ہاتھ اندر کرو۔

ہم نے کہا --- غلطی ہو گئی واقعی ایکسیڈنٹ ہونے اور ہاتھ کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے کراچی میں ایک شخص نے اسی بس کی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکالا تھا -----  
 بولے اس قسم کے حادثے کی بات نہیں کر رہا یہاں کت با کمال ہاتھ مار کر گھڑی اتار لیتے ہیں چلتی کار میں جاتے مسافر کی بھی ۔

جی ہاں ہم نے اس کو بتایا کہ کراچی میں ایک جرمن ایشیائیوں سے ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے یہ یہ کہہ رہا تھا۔

بولے ٹھیک کہہ رہا تھا اور دیکھو شام کو چہل قدمی کا شوق ہے تو اسے کراچی واپس جا کر پورا کرنا تمہارے ہوٹل کے آس پاس جو باغ ہے آبو ہوا تو اس کی اچھی ہے لیکن اگر اس میں کوئی تم سے بات کرنے کی کوشش کرے سگریٹ جلانے کے لئے ماچس مانگے یا دعوت گناہ و ثواب دے تو اپنا پڑھا لکھا عچار لینا وہاں تمہیں ایسے شوخ اور طنز حسین بھی نظر آئیں گے کہ تمہارا جی لوٹ جائے لیکن ان سے

میں سے بیشتر لڑکے ہیں لڑکیوں کا بھیس بنائے ہوئے ہیں ٹورٹس کو بیکا پھسلا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور پھر سب کچھ لوٹ کر دھکا دے دیتے ہیں ۔

ہم نے کہا پولیس تو ہوگئی لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے ہم بے راہ ردی کے لئے احتیاط تھوڑی سی گنجائش رکھنا چاہتے تھے ہنس کر بولے وہ ان لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو گویا جہاں جائے آدمی اکیلا نہ جائے کسی فلیپائی دوست کے ساتھ جائے فرمایا ایسا فلیپائی دوست کہاں ملے گا جو ہمہ وقت آپ کی مصاحبت کرے پھر بعض علاقوں میں تو شام کے بعد بھی جانے کی ہمت نہیں ہم نے کہا تم نے نے تو ہمیں ڈرایا ہم پیدل چلیں گے ہی نہیں ہمیشہ ٹیکسی میں جائیں گے۔ بولے ٹیکسی والے ہی تو ان جرائم پیشہ گردہوں کے ایجنٹ ہیں ۔۔۔ یہی تو مسافروں کو گھیر کر لے جاتے ہیں لہذا خواتین و حضرات ہر چند کہ ہمارا ایک ہفتہ وار یہاں قیام ہے لیکن ہمارا منیلا کا سفرنامہ اس سے آگے چلتا نظر نہیں آتا جب ہم اپنے پر کریو لگا کر ہوٹل کے کمرے میں مقید ہو بیٹھیں گے تو لکھیں گے کہ اس بات پر اتنی استطاعت نہیں کہ اپنے ساتھ مسلح گارد رکھیں آج پبلک لائبریری کے نیچے برتنوں اور ریفریجریٹوں وغیرہ کی ایک نمائش میں جانے کا اتفاق ہوا دیکھا کہ وہاں بھی ہر اسٹال پر محافظ اسٹین گن لئے کھڑے ہیں شام کو ایک پاکستانی دوست نے فون پر ہمیں یاد فرمایا ہم نے کہا ہم نے کہا جناب آپ خود تشریف لاکر ہمیں ہوٹل سے اپنے ساتھ لے جائیں تو بندے کو عذر نہیں چنانچہ وہ لے گئے اچھی خاطر عاطر کی وہاں بھی انھوں نے اور ان کی بیگم نے جو خاصے دنوں سے یہاں ہیں ایسے قصے سنائے کہ ہماری گھگی جو اب تک نہ بندھی بندھ گئی۔۔ انھوں نے کچھ معزز پاکستانیوں کا قصہ سنایا کہ ٹوکیو جاتے ہوئے ایک شب کو منیلا میں ٹھہر گئے تھے لمبے تکرے جوان تھے شام کو شہر کی سیر کو نکل پڑے ایک بار نظر آئی اس میں گھس گئے بار میں رومانی فضا پیدا کرنے





میاں خدا کا خوف کرو اس اندھیرے میں ہمیں تنہا بھیجتے ہو۔  
 بولے حوصلہ کرو

نشان مرد مومن با گویم

چو مرگ آید تبسم برب اوست

ہم نے کہا یہ وہ خوف نہیں جو اقبال کے شعروں سے دور ہو جائے لیکن خیر ہم نے غلطی کی کہ ٹیکسی  
 ڈرائیور کا تن و توش نہ دیکھا ٹیکسی میں تھوڑی دور جانے پر غور کیا تو چہرے پر جرم اور سیہ کاری کی  
 لکیریں صاف نظر آئیں ٹیکسی نکالی بھی اس ویران راستے سے اور ہونٹوں پر بھی اس کے شیطنیت آمیز  
 مسکراہٹ تھی ہم نے جتنی دعائیں یاد تھیں پڑھنی شروع کیں لیکن ایک بھی پوری نہ پڑھی گئی اضطراب  
 کے باعث بیچ ہی میں بھول جاتی تھی آخر جب اپنے ہوٹل کا چہرہ نظر آیا تو ہم نے حیات تازہ پائی میٹر  
 میں ۵۵ سنتا دو ہوئے تھے ہم نے ایک پیسوا دیا اور باقی ۴۵ سنتا دو کے لئے ہاتھ پھیلا یا وہ ستمگر بولا  
 کیا مطلب ٹپ نہیں دو گے ہم نے سیر چشمی سے کہا ہاں ہاں ہم بھول ہی گئے تھے بخشش ہے اور  
 بخشش رکھ لو۔

-----

Virtual Home  
 for Real People

## جیب کٹوانے کے لئے ہوٹل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں

پہلے ہی روز ہم نے بیرے کو صبح صبح بلایا اور کہا کہ ناشتہ لاؤ چائے مکھن توں اور انڈے، دیکھو یہ جو تم لوگ انڈوں کے ساتھ سور کے گوشت کے قتلے وغیرہ رکھ دیتے ہو ہمیں نہیں چاہیے سمجھے۔

بولا فرائیڈے

ہم نے کہا فرائیڈ کی تخصیص نہیں ہم مسلمان ہیں یہ حرام چیز کسی دن بھی نہیں کھاتے خالی انڈے لانا سمجھے؟ وہ پھر بولا۔ فرائیڈے،

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ کیا کہہ رہا ہے ہم نے کہا ہاں ہاں فرائیڈ بھاگ جاؤ جلدی لاؤ۔ وہ لایا انڈے بیشک دو تھے پیالیاں دو سے کچھ کم اور توں ایک کے دو کئے گئے تھے اور مکھن۔ اتنا کم کہ توں تو بڑی چیز ہے کسی آدمی کو بھی لگائیں تو خوش نہ ہو البتہ بل میں اس کنجوسی کی کسر نکالی گئی تھی ساڑھے پانچ روپے خیر ہم نے اپنا زرکھایا چائے کم پی خون کے گھونٹ زیادہ پئے اور کام پر نکل گئے عجب عشق کیا ہے صبر بھی کراس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے لیکن اپنے معیار زندگی کا اتنا بلند ہو جانا ہمیں کچھ پسند نہ آیا دوسرے روز یہ سوچ کر کہ شاید کمرے میں ناشتہ منگانے سے فرق پڑا ہوگا ہم نے نیچے ڈائننگ ہال میں جا کر انھی چیزوں۔۔۔ کا آرڈر دیا بل آیا تو آٹھ روپے ہم نے کہا برادریہ کس چیز کا بل ہے بلاؤ مینجر کو ہمیں الگ الگ بتاؤ کہ چائے کتنے کی ہے انڈے کتنے کے ہیں اور اس توں کے کیا دام ہیں کہ ذرا پنکھا تیز چلے تو اڑ جائے۔

فردا فردا تو ان کی قیمتیں ان بھلے مانسوں نے ہمیں پھر بھی نہ بتائیں یہ ان کا تجارتی راز ہوگا ہاں بل کو کم کر کے چار روپے کر دیا ہم نے گرج کر کہا پہلے آٹھ روپے کیوں لگائے تھے



بولے حساب جوڑنے میں غلطی ہو گئی ۔

غلطی تو انسان کا خاصہ ہے جو غلطی نہیں کرتا وہ انسان نہیں لیکن معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ان معنوں میں انسانیت کچھ زیادہ ہی عطا ہوئی ہے شام کو ہم نے احتیاطاً پوچھا کہ ہمارے کمرے کا کیا کر ایہ ہے ہوٹل کے کانسٹر پر جو نرخنامہ لگا تھا اس کے حساب سے بیالیس روپے بنتا تھا اور ہمیں اقوام متحدہ کے نام پر جو بیس فیصدی رعایت کی بشارت دی گئی تھی وہ لگا کر چونتیس روپے سے بھی کم کم ہونے چائیں تھے اس میں ناشتہ شامل نہیں لیکن ہوٹل کے مینجر نے خندہ پیشانی سے کہا کہ جناب آپ سے کوئی زیادہ تھوڑا ہی لیں گے پچاس روپے ہے ۔

پچاس روپے اور بیس فیصدی کی رعایت کیا ہوئی بولے وہ نکال کر ہی تو پچاس روپے بنتے ہیں ورنہ تو باسٹھ روپے تھے لیکن تن نے نرخنامے میں تو کچھ اور لکھا ہے جی ہاں لیکن آپ کے کمرے میں ٹیلی ویژن بھی تو ہے تو یہ پندرہ سولہ گویا ٹیلی ویژن دیکھنے یا نہ دیکھنے کا جرمانہ ہے کیونکہ ہمیں تو اس کی فرصت ہی نہیں ہے تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ مطلع کیا بولے بہر حال پچاس روپے ہوں گے ہم نے کہا فوراً ہمیں کوئی اور کمرہ دو یا ٹیلی ویژن اٹھالو معلوم ہوا کہ لٹنے یا جیب کٹوانے کے لئے یہاں ہوٹل سے باہر جانے کی غرورت نہیں یہ کام ہوٹل میں بھی ہوتا ہے اور سشنہ و خنجر کے بغیر اس کا حتمی ثبوت یوں ملا کہ ہم ایک خط گھر پوسٹ کرنا چاہتے تھے کاؤنٹر پر کہا کہ ہمیں اس کے اسٹامپ دیجئے مینجر نے کہا جسادمی کے پاس اسٹامپ ہیں تو اس وقت نہیں ہے آپ ہمیں دے دیجئے ہم پوسٹ کرا دیں گے اور پیسے آپ کے بل میں لگا دیں گے ہم نے کہا ٹھیک کل جو ہم نے قارئین جنگ کے نام منیلا سے پہلا خط پوسٹ کرن چاہا تو پھر کاؤنٹر پر دیا پاکستان کو خط پچاس سنتا دو یعنی آدھے پیسوں میں جاتا ہے بارہ آنے سمجھئے چونکہ کئی صفحے کا خط تھا لہذا ہم نے کہا کہ اس کا وزن کر کے بتاؤ کہ کتنے پیسے لگیں گے اس شخص نے کہا اس کا وزن چار ریٹ ہے بچپن سنتا دو

فی ریٹ کے حساب سے دو پیسو ہیں سنتا دو ہوئے ہمیں حیرت تو ہوئی لیکن خیر ان سے کہا کہ اس ٹکٹ دیجئے وہ پھر کہنے لگا اس وقت ٹکٹ والا کلرک نہیں ہے آپ فکر نہ کیجئے ہم پوسٹ کر دیں گے خط تو انھیں دے دیا اور ساتھ پیسے بھی دے دیئے ایک پوسٹ کارڈ ہانگ کائنگ بھیجنا تھا اس کے انھوں نے ۳۵ سنتا دو بتائے وہ بھی نذر کئے لیکن اب ہمارے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ جانے یہ لوگ پوسٹ کرتے بھی ہیں یا نہیں پیسوں کی بات نہیں لیکن اتنا لمبا خط ہم سے دوبارہ نہ لکھا جاتا لہذا ہم نے فیصلہ کیا کہ بڑے ڈاک خانے میں جا کر خود پوسٹ کریں گے بڑے ڈاک خانے والوں نے وزن کیا تو کہا دو ریٹ وزن ہے جناب ایک پیسو لگے گا ہم نے کہا پھر وزن کیجئے چار ریٹ تو نہیں ہے انھوں نے کہا جی نہیں دو ہے ایک پیسو ہی لگے گا اور کارڈ ؟

کارڈ پر تئیں سنتا دو ،

ہوٹل نہ ہوا مسافروں کی مومیائی نکالنے کا کارخانہ ہو گیا یہ سچ ہے کہ مسافروں کی جیبیں کے ہوٹلوں میں بھی کاٹی جاتی ہیں سنا ہے ایک ہوٹل میں تو کوکا کولا ڈیڑھ روپیہ لگایا جاتا ہے لیکن یہ تو نہ ہوگا کہ ایک ہی چیز کا آج کچھ دام لگایا ہے کل کچھ اور نہ خطوں کے ٹکٹوں وغیرہ کے سلسلے میں یوں بے ایمانی کی جاتی ہوگی ریڈرز ڈائجسٹ نے جنوری ۱۹۶۷ء کے شمارے میں بے شک لکھا ہے کہ بے ایمانی منیلا والوں کا ضابطہ حیات ہے بلیک مارکیٹ قومی خاصہ ہے اور دوسری جنگ کے بعد سے چوری چکاری قتل و غارت وغیرہ اب کا لازمہ زندگی بن گئے ہیں لیکن ایسا کہنا زیادتی ہوگا پوری فلپائنی قوم کو جرائم پیشہ کہنے کی جسارت صرف ریڈرز ڈائجسٹ ہی کر سکتا ہے اگر کسی قسم کی اخلاقی گراؤت وغیرہ ملتی ہے تو امریکیوں ہی کی دین ہے فقط منیلا کی بات نہیں سائیکون بنکا بلکہ ہر جگہ کا جہاں جہاں امریکیوں کا پڑاؤ ہے یا رہا ہے یہی حال ہے۔

منیلا میں پاکستانی سفارت خانے کے محمد علی خان صاحب کی وجہ سے بڑا سہارا رہا ایک دو وقت ان کی

روٹیاں بھی توڑیں وہ اور ان کی بیگم کرم نہ فرماتے تو ہم وشنو بھوجن کھاتے اور رام رام کرتے گھر لوٹتے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ فلپائن والے حران شے بڑی رغبت سے کھاتے ہیں ہمارا مطلب رشوت سے قطع نظر اس وقت سو سے ہے اب رہ گئی مچھلی تو اٹھارہ سال ساحل سمندر پر گزارنے کے باوجود ہمیں اس سے رغبت تام پیدا نہ ہو سکی تیسری چیز بیف ہے یعنی بڑا گوشت یہ بھی ہم حتیٰ الوسع نہیں کھاتے لیکن یہاں کھانا پڑا تو کچھ زیادہ ہی بڑا معلوم ہوا اس کا بھید بھی آخر کھلا۔

ایک روز جو ہم محمد علی خان صاحب کے دولت خانے پر گئے تو دیکھا کہ دو بکریاں لان میں چر رہی ہیں ہم نے کہا کیوں حضرات کیا آپ کو کوئی غم نہیں جو بکریاں خرید ہی ہیں تب انھوں نے بتایا کہ کیا کیا جائے یہاں جو بیف ملتا ہے وہ موٹے دانے کی بھینس یا بھینسے کا ہوتا ہے ہماری طبیعت اس پر آتی ہے پر نہیں آتی مضافات سے کسی آتے جاتے سے بکریاں منگوا لیتے ہیں اور ایک کو ذبح کر کے ریفریجریٹر میں رکھ کر دس دن کھاتے ہیں خیر ہم مسافر یہ اہتمام ہر روز کہاں سے کرتے کوشش یہی کی کہ کوئی گھاس پات کھانے کو مل جائے مٹر ہوں یا بین ہوں وغیرہ مرغ سے ہمارا جی یوں اٹھ گیا کہ ایک روز چاول اور مرغ کی کری یعنی شوربے دور سالن کا آرڈر دے دیا تھا آج تک اس کی روز ایک رنگت اور الجھے پن کو یاد کر کے جی متلاتا ہے تفریح کے شوق میں ایک روز مقامی اسٹائل کے کیفے میں بھی چلے گئے جہاں آئینے کے اوپر ہر چیز کی قیمت لکتی رہتی ہے عین ایرانی ہوٹل کا سانقشہ ہے اور بیرے پانی کا گلاس انگلیاں ڈبو کر لاتے ہیں اور لوگ کھانا کھا کر ہڈیاں فرش پر پھینکتے ہیں شکل بھی ہوٹل والے کی ایرانی کی سی تھی بنیان پہنے کھڑا تھا ہم نے کوکا کولا تو وہاں ضرور پیا اور کسی چیز کو جی نہ چاہا بعضے نیم تاریک ریستورانوں میں تنہا جاتے بھی جی گھبراتا ہے ایک سے دو آدمی ہوں تو ہر طرح کے کھانے کے تجربے میں بھی مضائقہ نہیں محمد علی خان اور ہمارے فلپائن دوست کہاں تک ساتھ دیتے ہمیں تو گھومنے اور سیر کرنے کا ہو کا ہے ان میں سے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا ایک دن

پیدل گھومے ٹیکسی حسب ضرورت لیتے رہے لیکن بعد میں چینی پر آگئے۔

## ذکر چینی کی سواری کا

آج ہم نے اپنے آپ کو ہمت اور غیرت دلائی اور شہر نیلا کا نقشہ اور جان دونوں کو ہتھلی پر رکھ کر پرانے شہر کا رخ کیا اس کے لئے ہمیں حضرت دل سے خاصی جرح کرنی پڑی اسے اسلام کے مجاہدوں اور سرفروشوں کے حوالے دے کر گر مایا دبے لفظوں میں اپنے اسلاف کا حوالہ بھی دیا جن کا پیشہ کسی مجبوری ہی کی نہیں خود کشی اور جاں سپاری کی باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن عمل کا وقت آتا ہے تو ان کو کوئی اور ضروری کام یاد آجاتا ہے اور سنترے کا رس پی لیتے ہیں دلیلیں تو ہماری یہاں بھی کام نہ آئیں لیکن جب ہم نے کہا کہ بے شک راہ کٹھن اور مصائب بے شمار ہیں لیکن مومن ہے تو بے تنجھنی لڑتا ہے سپاہی تو دل صاحب بہت بھنائے اور بولے آخر اتر آئے نہ اوجھی حرکتوں پر یہہارا کیا تمہاری ساری قوم کا یہ حال ہے کہ جونہی لا جواب ہوئے اقبال کے شعر پڑھنے شروع کر دیئے مرد مومن تو تم ہو میں جانتا ہوں لیکن خیر چلو میاں چلو معلوم نہیں اس علاقے کا کیا نام ہے جہاں ہم رہتے ہیں لیکن رونق اس کی دیدنی ہے خوبصورت اسٹور، کیفے، سپر مارکیٹ، ہوٹل، بنکوں، کی عمارات بنک یہاں اتنے ہیں کہ شمار کرنے مشکل ہیں بزنس بہت ہے بنکوں کی عمارتیں چودہ چودہ منزل اونچی چلی گئی ہیں آگے پارک کو پار کر کے پرانے شہر کی طرف تو چلو وہ آثار نظر آتے ہیں اصل کی پرتگیزی ہے پھر وہ دریا ہے کہ ظلمات کا دریا کیئے اصل رنگ کچھ اور رہا ہوگا لیکن سارے شہر کے کچھڑنے اسے دلدل بنا رکھا ہے اسے پار کیجئے اور اپنی جیب پاکٹ سے ہوشیار ناصحوں نے جس راستے ہمیں جانے سے منع کیا تھا قدم خود بخود ادھر ہی کو اٹھ گئے ٹیڑھے خستہ خراب مکان --- رزال یہاں کے قومی ہیرو

ہیں جن کی قبر ہمارے پڑوس کے پارک میں ہے اور جس پر اردو کے سوا ہر زبان میں کلمات عقیدت ثبت ہیں لیکن یہ ٹیڑھے میڑھے پرانے شہر کے مکانات بھی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً یہ تختی دیکھئے۔۔۔ یہ ڈھنڈار مکان رزال کی کمین گاہ رہا ہے یہ گلی۔۔۔ وہ گلی۔۔۔ آباد گلی۔۔۔ وهران گلی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے صدر کے گو آن علاقے میں آگئے ہیں کونے کے ایک ریسٹوران پر ٹھیک لی ہمیں دیکھتے ہی ایک آدمی نے یہ لمبا چاقو اٹھایا اور ہماری طرف خشمگیں نظروں سے دیکھا ہم نے بھی ایک آدمی اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا کیونکہ اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے تھے اس پر وہ اس چاقو سے ڈبل روٹی کاٹنے لگا منبیلہ میں سواریاں تو بھانت کی ہیں ٹرام تو نہیں لیکن بس ہے ایک ٹانکا بلکہ ٹنکیا سی بھی پرانے شہر میں چلتی ہیں یوں جانئے کہ جیسے سائیکل رکشا کو تانگے کے پہنئے لگا دئے جائیں اور آگے گھوڑا جوت دیا جائے پرانے شہر میں سائیکل رکشا بھی نظر آیا لیکن اگر راج کسی سواری کا ہے تو چینی کا ہے انجن اور سامنے کارخ اس کا جیب ہی کا ہوتا ہے لیکن پیچھے تو سیج کر کے چار سیٹوں ایک طرف اور چار سیٹیں دوسری طرف بنائی گئی ہیں جیسے ہمارے چار سواریوں والے موٹر رکشا ہیں اور ڈرائیور کے ساتھ دو آدمی سامنے بیٹھ جاتے ہیں چینی کو جہاں جی چاہے ہاتھ کھڑا کر کے یا آواز دے کر روک لیجئے اور لپک کر بیٹھ جانئے شہر میں جہاں بھی اترنا ہے وہاں دس سنتا دودے کر اتر جائے سفر چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کرایہ مقرر ہے اتوار کاروز ہم نے اسی شغل میں گزارا کہ جہاں جی چاہا اتر گئے اور دوسری میں سوار ہو گئے اس کو بھی کہیں رکوا کر اتر لئے اور تھوڑی دیر پیدل چلتے رہے پھر کسی اور میں بیٹھ گئے یہ آخری مضافات کے قصبے کیسوں سٹی میں داخل ہوئی تب ہمیں پتہ چلا کہ کسی اور نگر میں آ گئے ہیں وہاں سے واپس چینی لی اور چونکہ راستے کا کوئی علم نہ تھا نے ہاتھ باگ پر تھا نہ پا تھا رکاب میں لیذا آخر میں ٹکیسی لی اور کہا چلو مابوئے ہوٹل ایک روز ہمارا جی فلم دیکھنے کو چاہا یہاں بائیل نام کی ایک فلم لگی ہوئی ہے ہم تو خیر کوپیکر محسوس میں دیکھنا پسند نہیں کرتے لہذا کسی فلم میں خدا ہو تو مظاہرے



اور شکایتیں کر کے اسے پہلے سے بند کرا دیتے ہیں لیکن اس فلم میں خدا چادر کی بکل مارے اور ہاتھ ایک لمبی سی لاٹھی لئے آتا ہے اور حضرات ابراہیم سے کلام کرتا ہے اپنے اللہ تعالیٰ سے تو جسما ملاقات کا کوئی امکان نہیں عیسائیوں کے خدا کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں لے گیا بابل کے نام سے انھوں نے عہد نامہ قدیم کے چھ واقعات کو فلمار رکھا ہے آدم اور حوا باغ عدن ہابیل و قابیل لشتی نوح منارہ بابل اور ابراہیم علیہ السلام ان میں باب پیدائش کی منظر کشی تو خاصی اکتا دینے والی ہے آدم اور حوا بھی کچھ نیچے نہیں صاف امریکی ایکٹر معلوم ہوتے ہیں باغ عدن کا نقشہ بھی یونہی سا ہے اس سے تو گاندھی گارڈن اچھا بہکانے والا سانپ تو ہمیں نظر نہیں آیا اماں حوا نے خود ہی بہک کر سب توڑا اور مزے سے کھا لینا دانہ گندم کی روایت شاید ہمارے ہاں کی ہے اور جو تو جیہ اس قصے کی کی جاتی ہے اس کے لحاظ سے یہی بر محل ہے ہابیل اور قابیل کی اداکاری بھی ایسی ہے کہ معلوم ہوا کوئی پاکستانی فلم دیکھ رہے ہیں ہاں ان سب کی تلافی کشتی نوح والے حصے میں ہو گئی کشتی بنانا اس میں جانوروں کا آنا اور پھر بابا نوح کی شخصیت بہت ہی با کمال ایکٹر جان ہٹن اور اس وقت جو روپ دھار رکھا تھا اس میں بالکل ہمارے مخدوم مطلبی فرید آبادی نظر آتے تھے منارہ بابل کی تباہی کا نقشہ بھی اچھا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام لا وصہ ہمیں اتنا پسند نہیں آیا یاد رہے کہ ہم تو حضرت اسمعیل کو ذبح مانتے ہیں لیکن عیسائی حضرت اسحاق کو اس کہانی میں یہ مقام دیتے ہیں بہر حال اتنا اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا ہاں حضرت ابراہیم کی بی بی ایوا گارڈ اپنے کو چھپانے میں بالکل کامیاب نہیں رہیں ۔

یہاں ولایت کی طرح فلم مسلسل چلتی رہتی ہے کسی بھی وقت چلے جائے ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آخری نصف حصہ پہلے اور پہلا حصہ بعد میں ہمنارے ساتھ بھی یہی ہوا ہم جب سینما میں داخل ہوئے تو حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم ملا تھا اور وہ لکڑیاں تلاش کرتے پھرتے تھے دنیا کو پیدا ہوتے ہم نے اس کے بعد دیکھا خیر ذکر فلم کا نہیں سوار یوں کا تھا گلکیسی سینما سے فلم دیکھ کر نکلے تو ساڑھے

چھ بجے کا عالم تھا ہمیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ جگہ کہاں کس طرف کو ہے کدھر ہے ایک صاحب اپنی کار میں چھوڑ گئے تھے اپنی عقل حیوانی سے سمت کا اندازہ کر کے ٹیکسی لے لئے کھڑے ہو گئے لیکن ٹیکسی کو نہ ملنا تھا نہ ملی اتنے میں ابر بھی گھر آیا اور ترشح بھی ہونے لگا ہمارے فلم دیکھنے کے دوران میں شاید بارش ہو چکی تھی کیونکہ سڑک پر پانی کھڑا تھا اور بڑا عمدہ کچھڑ کا گھان تیار تھا وہاں ٹیکسی نی ملی دس قدم اور ہٹ کر کھڑے ہو گئے پھر چوک پر جا کر کے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا آخر کہاں سوچا کہ ہم کہاں تک ترے پہلے سے سرکتے جائیں ٹیکسی نہیں تو چینی سہی ان میں بھی اس وقت رش تھا لیکن خیر ایک میں سوار ہو گئے ایک جگہ سب سواریاں اتر گئیں ہم بیٹھے رہ گئے ڈرائیور نے کہا صاحب کیا واپس جائے گی ہم دس سنتا دو دے دے کر اتر گئے اور ایک دوسری میں سوار ہو گئے بہت دور جا کر ہم نے ساتھ والے مسافر سے پوچھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اس نے مسکرا کر کہا تم خود ہی بتاؤ ہم نے کہا ہمارا عزم تو ہوٹل ملو ہائے کا ہے وہ بولے کہ اسے اعرابی یہ راہ تر ترکستان کو جاتی ہے تم تو الٹی طرف کئی میل آچکے اب سڑک کے دوسری طرف کھڑے ہو کر چینی پکڑو یہ تیسری چینی کوئی کوئی پانچ منٹ کے بعد اسی سینما کے سامنے سے گزری جہاں سے ہم فلم دیکھ کر چلے تھے لیکن ایک جگہ اس سے بھی ہمیں اترنا پڑا کیونکہ اس کا راستہ کچھ اور تھا ایک مسافر نے ارزاہ مہربانی اشارہ سے کہا کہ اس میں بیٹھ جاؤ وہ تمہارے ہوٹل کی طرف جائے گی وہ موصوفہ جن کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ایسی جلد باز تھیں کہ ہمارا انتظار کئے بغیر چل نکلیں یہاں کے لوگ چینی کے بہت خلاف ہیں کیونکہ ان کو شکوہ ہے کہ اس کے ڈرائیور اسے جیٹ ہوئی جہاز تصور کر کے اسی حساب سے اڑتے ہیں اور ایکسی لیٹر پر پاؤں رکھ کر ارزاہ رقیق القلمی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ خلق خدا کا خون ہو بھی تو کم از کم وہ نہ دیکھیں اس روز ہمیں معلوم ہوا کہ ہم چینی سے زیادہ تیز دوڑ سکتے ہیں کیونکہ ہم نے اس بھاگتے بھوت کو جا لیا اور آخر صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ ہی گئے۔

ایک بھارتی پروفیسر ہمارے ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے وہ چینی کا نام سن کر بہت ہنستے تھے کہتے تھے کہ جیپ سے چینی یوں بنایا گیا ہے جیسے بھوت سے بھوتنی۔۔۔ لوگ کچھ بھی کہیں۔۔۔ ہم تو چینی میں بیٹھ کر بہت خوش ہوئے نیلا میں یہی ایک چیز دیکھنے کی پائی

## متفرقات نیلا

اوتار سنگھ، پختہ سنگھ، بختاور سنگھ، گورنچ سنگھ، گربچن سنگھ، راجہ رتن سنگھ، شیر سنگھ۔ سروپ سنگھ۔

یہ سارے نام ہم نے ٹیلی فون ڈائرکٹری سے لئے ہیں امر تسریا چندی گڑھ کی ڈائرکٹری سے نہیں نہ کابل شہر کی ڈائرکٹری سے نیلا کی ڈائرکٹری سے بہر کجا کہ رسیدیم آسمان پیدا ست ایک دو نام اور بھی سنگھ کے ساتھ ہیں کارمن سنگھ اور پپلا سنگھ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئے ہمارے جذبہ حبالوطنی نے جوش مارا تو ہم نے پاکستانیوں کے نام تلاش کرنے شروع کئے بعض ناموں کے ساتھ احمد ہوتا ہے ڈائرکٹری میں ایسا کوئی نام نہ ملا نہ محمد کلا حقہ ملا نہ علی کا البتہ علی کا لاحقہ تلاش کرتے دو سندھی اور ہندوؤں کے نام ضرور مل گئے آیل مل خاص سندھی نام ہے آخر ہم نے سوچا کہ کوئی نہ کوئی خان ضرور ہوگا آخر ایک نام ملا جوس خان جو سے کچھ سمجھ میں نہ آیا ہاں جوزے یا جوزہ ہو سکتا ہے کونجوم والوں کے نزدیک آسمان کا ایک برج ہے ہمارے پٹھان بھائیوں کے بعض نام ہماری سمجھ سے باہر بھی تو ہوتے ہیں پشتو میں بھی تو رکھے جاتے ہیں لہذا ہم نے یہی فرض کیا کہ کسی پشاور بزرگ نے یہاں کشمش اور بادام کی دکان کھول رکھی ہے نمبر ملایا ادھر سے کسی نے اٹھایا ہم نے کہا خان صاحب سلاما لیکم مزاج شریف ادھر سے کسی نے انگریزی میں پوچھا وہاٹ؟ ہم نے پھر کہا ہم ہیں آپ کے ایک ہم وطن سلاما لیکم بلکہ تڑے ماشے بھی کہا پھر وہی جواب آیا وہاٹ نان سنس اب ہم سمجھ گئے کہ کوئی اور



ہے مسلمانوں کا سا نام رکھ چھوڑا ہے ہمیں دھوکا دینے کے لئے سندھی ہندوؤں اور سکھوں کی یہاں متعدد دکانیں ہیں سنا ہے کہ سال بھر کا پرمٹ ملتا ہے اس کے بعد چندہ کر کے رشوت دے کر اس میں رشوت دے کر توسیع کرا لیتے ہیں اخبار تو یہاں کئی ایک ہیں نیلا کرانیکل ہے نیلا بلیٹن ہے فلپائن ہیر لڈ ہے اور شام کو مررر اور نیوا یونگ نیوز ہیں لیکن سب سے بڑا اخبار نیلا ٹائمز ہے اور

۲۴ یا ۲۸ صفحے تو اس کے ہر روز ہوتے ہیں اتوار کو ۱۱۲ صفحے تھے اتوار کو دوسرے اخبار بھی ہم نے لئے اس سے تو کم تھے لیکن ہمارے سنڈے ایڈیشنوں سے دگبے تلگنے پھر بھی تھے یہی حال شام کے اخباروں کے سیڑے ایڈیشنوں کا ہے کرانیکل نے ہفتے کے روز ۸۴ صفحے دیئے اس کے باوجود ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیونکہ سب سے زیادہ تو ان میں اشتہارات ہوتے ہیں ان سے جو جگہ بچے تو ان میں مختلف کالم نگاروں کے کالم دس دس کالم جیسے ریس میں گھوڑے دوڑ رہے ہوں ایڈیٹل اس پر مستزاد کچھ صفحے کارٹونوں کے نکل گئے قسمت کا حال اور بازار کے بھاؤ بھی ضروری ہیں ان کے بعد نیلا اور فلپائن کی خبریں اور سینڈل کوئی جگہ پھر بھی بچ گئی تو ہاں دور جا کر خبریں باہر کی دنیا کی دے دیں کئی بار تو لوگوں کے کالم پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ فلاں واردات ہوئی ہے نہ ہوتی تو کالم میں ذکر کیسے آتا۔

اخبار کے یہاں آزاد ہیں اور کالم نگار تو جو جی میں آتا ہے لکھتے ہیں اکثر لوگوں کو کہتے پایا کہ ایسی آزادی بھی کیا بعضوں کے متعلق تو لوگوں نے انگشت نمائی بھی کہ کیسے ریسانہ ٹھاٹھ کالم نگاری کے پیسے تو تھوڑا ہی ہیں دست غیب کا طفیل ہے جو لوگ ان کالموں میں اپنا ذکر نہیں شاہتے تاکہ ان کی خوش اعمالیوں پر پردہ پڑا رہے وہ ان کی دامے درمے خدمت کر کے ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ایک صاحب نے تو بنک بنالیا ہے دوسرے کے ٹھاٹھ راجاؤں اور مہاراجاؤں کے سے سنے اکثر کا

یہی اکثر کا حال ہے حکومت بھی ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرتی ہے ایک نامہ نگار کو فلم سنسر بورڈ کا صدر بنا دیا ہے دوسرے کو ایک بڑا عہدہ دے کر رام کر رکھا ہے اور ایک کو تو ایئرپورٹ کا مینجر بنا رکھا ہے حالانکہ ایئرپورٹ کا ہوائی سفر کر چکے ہیں سو یہ ہم بھی کر چکے ہیں ایک صاحب نے پوچھا کیا تمہارے ملک میں تمہیں ایئرپورٹ مینجر بنا دیں گے ہم نے کہا ہر گز نہیں ہمیں تو ایئرپورٹ کے اندر جانے کے لئے بھی پاس لینا پڑتا ہے۔

لیکن سب کالم نگاروں کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا جی دی کر وز ہی کو لے لیجئے نہ حکومت وقت کی پروا کرتے ہیں نہ امریکہ کی امریکی پالیسیوں امریکی اوڈوں اور امریکیوں کی ایسی کھنچائی کرتے رہتے ہیں کہ کسی اور امریکہ نواز ملک میں ہوں تو جان سے ورنہ آزادی سے ضرور جائیں دوسرے جہانیاں جہان گشت میکسیو سولیون ہیں نوجوان ہیں اور بہت تیکھا لکھتے ہیں ہم ان سے ملے تو جمیل الدین عالی کی بات کرنے لگے کہ ہمیں بہت پسند ہے ہماری طرح منہ پھٹ ہے ادھر بات جی میں آئی ادھر زبان پر آگئی ہم نے اتفاق رائے کیا اور کہا کہ بعض اوقات تو جی میں سیمینار میں ہوئی تھی زبان پر پہلے عالی صاحب سے ان کی ملاقات ہارورڈ کے ایک بار پاکستان بھی آچکے ہیں غالباً ۱۹۶۳ء میں پھر آنے کا کہہ رہے تھے دو سال ہوئے یہ عوامی چین بھی گئے تھے حکومت نے ان کا پاسپورٹ ضبط کر لیا بہت لڑ جھگڑا انھوں نے دوسرا حاصل کیا ہے ان کی لائبریری دیکھی ہر ملک کے متعلق اتنی کتابیں اور تازہ سے تازہ کہ جی لپچائے ایک سیکرٹری بھی رکھ چھوڑی سے بہت رشک آتا ہے ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ ہم نے پوچھ ہی لیا کہ میاں میکس کیا کالم سے اتنے پیسے مل جاتے ہیں کہ یہ طرز زندگی نبھاؤ اس نے کہا بہت ملتے ہیں اس کے علاوہ ٹیلی ویژن کی آمدنی بھی تو ہے یہ دیانت دور آدمی ہیں اور غریب گنے جاتے ہیں ٹیلی ویژن کا سنئے ایک نہیں یہاں پانچ ہیں ہر اخبار کا اپنا ٹیلی ویژن اسٹیشن ہے اور اپنا ریڈیو ہے پروگرام صبح سے شروع ہو تو آدھی رات تک مسلسل چلتے رہتے ہیں کمائی اشتہاروں کی ہے نیلا ٹائمر ہر

چنس سب سے بڑا اخبار ہے عام دنوں میں دو لاکھ سترہ ہزار اور اتوار کو دو لاکھ تیس ہزار چھپتا ہے تا ہم زیادہ فت اس ادارے کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو ہی سے ہوتی ہے پانچ چینل سے زیادہ تو یورپ اور امریکہ کے کسی شہر میں بھی نہیں کہتے ہیں سینما ہال بھی یہاں نیو پارک سے زیادہ ہیں آج کل نیلا کے اخباروں میں موضوع دو باتیں ہیں ایک خوردہ فروشی کو قومیا نے کا مسئلہ دوسرے نیلا شہر کی گندگی صدر مملکت مارکوس صاحب اور نیلا کے میسر و لیگاس صاحب میں بھی اس وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ٹھنی ہوئی ہے فلپائن میں خوردہ فروشی کے کاروبار پر بھی غیر ملکی قابض رہے ہیں زیادہ تر امریکی کچھ ہندوستانی اور چینی بھی فلپائن کی کانگریس نے قانون پاس کیا کہ ان کو بے دخل کر کے یہ کاروبار لوگوں کو دیا جائے ولیگاس صاحب زور دے رہے ہیں کہ اس قانون پر فوراً عمل درآمد ہونا چاہئے ادھر مارکوس صاحب نرم روی سے کام لینا چاہئے ہیں اور لوگ یہ الزام دیتے ہیں کہ وہ امریکی کی ناخوشی کے خوف سے ایسا کر رہے ہیں کہ لوگوں کے دل کی آواز یہی ہے انھوں نے بحث یہ اٹھا دی ہے کہ یہ کیسا میسر ہے شہر میں گندگی کے ڈھیر پڑے ہیں ان کو تو اٹھاتا نہیں اور قومی معاملوں میں دخل دیتا ہے اخبار نویسوں نے دونوں معاملوں کو اچھا ناشروع کیا غیر ملکوں کی بے دخلی کو بھی نیلا کی گندگی کو بھی یہ دونوں چیزیں اہل فلپائن کے لئے نئی نہیں ہے لوگ ان کے عادی ہیں اور غالباً انھیں برا نہیں سمجھتے لیکن اخباروں کے لکھنے سے عوام کو بھی غیر ملکی لوگ اور کوڑے کے ڈھیر نظر آنے لگے ہیں ایک صلح کل کالم نگار نے لکھا ہے کہ بھائی ہم غیر ملکوں کی بے دخلی تو چاہتے ہیں لیکن ایسے نیلا چہر میں جو کوڑے کرکٹ سے پاک ہو۔

دیکھا جائے تو ایک دن میں ان دونوں چیزوں کا صفایا ممکن نہیں نہ غیر ملکوں کیا نہ کوڑے کرکٹ کا بلکہ دونوں کے لئے یہ باتیں مشکل ہیں صدر مملکت کے لئے بھی میسر صاحب کے لئے بھی لہذا بعض مب بعض مبصرین کے نزدیک قابل عمل اور آسان حل یہ ہے کہ میسر صاحب امریکیوں کی بے دخلی پر اصرار چھوڑ دیں اور صدر صاحب گندگی کے ڈھیروں سے چشم پوشی کر لیں یعنی دونوں حضرات بیان بازی نہ

کریں نتیجہ یہ ہوگا اخبار بھی چپ ہو جائیں گے اور کوئی دن عوام بھی بھول جائیں گے کہ اس شہر میں غیر ملکی بھی ہیں یا گندگی بھی ہے میکسیو سولیون سے بات ہوئی تو اس نے بھی کہا کہ ہاں باہمی چشم پوشی ہی بہترین حل ہے لیکن گندگی کا تعلق تو ناک سے بھی ہے ۔

ایک نامی گرامی کالم نگار لیہار نرودور سینر نے جو میکا پگال کی کا بینہ میں وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں اور نیلا کرانیکل میں لکھتے ہیں حکومت پر طنز کرنے کے لئے ایک روزیہ پیرا اختیار کیا کجہ میکسیو کی داستان چھیڑ دی کہ وہاں بعض جرنیل انگلی جرنیل کہلاتے تھے یہ وہ لوگ تھے جن کے سر پر حاکم وقت اپنی خوشنودی کا طوطا بٹھا دیتا تھا وہ یوں کہ جہاں کسی شخص سے خوش ہوئے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہا آج سے تم جرنیل یا آج سے تم وزیر صحت ہمارے ہاں بھی فلپائن کے ایک صدر صاحب یہ کرتے رہے ہیں کہ اکاؤنٹ جنرل کی اسامی خالی ہوئی تو حاضر باشوں سے کہا کہ صاحب تم میں سے کوئی اکاؤنٹ جنرل بننے کا شوق رکھتا ہے تو ہاتھ کھڑا کرے۔

رویز کے اس کالم کو پڑھ کر ہمیں ریاست پٹیا لہ یاد آئی جہاں آج اگر کوئی شخص انسپیکٹر تعلیمات ہے تو دوسرے روز سپرنٹنڈنٹ پولیس بنا دیا جاتا تھا بلکہ ایک بزرگ کا تقرر تو بطور ڈاکٹر بھی کیا گیا تھا کیونکہ اس وقت اتفاق سے یہی جگہ خالی تھی ۔

رویز سینر صاحب شاید اشارے کنائے میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہاں بھی یہی ہوتا ہے واقعی ہمیں یہ بتایا گیا کہ جس روز ملک کا صدر بدلے مختلف محکموں کے افسر اور اہلکار خود کو بر طرف سمجھ لیتے ہیں اب یہ اس کی مہربانی ہے کہ کسی پرانے افسر کو رکھ لے ورنہ نئے آدمیوں کو لائے گا جنہوں نے الیکشن کے کڑے وقت میں اس کی مدد کی ہو ایک بڑے عہدیدار ہمیں بھی ملے انہوں نے بتایا کہ جب میرے تقرر کا پروانہ آیا تو سب سے زیادہ حیرت مجھے ہوئی میں فلسفے کا پروفیسر تھا نہ میں نے اس قسم کا کام کبھی کیا تھا نہ اس عہدے کے لئے امید وار تھا ہاں صدر صاحب کی انتخابی مہم میں دو تین تقریریں ضرور

ان کے لئے لکھی تھیں بادشاہ آدمی ہیں جانے کیا سوچ کے مجھے جنگلات کا ڈائر کٹر بنا دیا ہے

## انڈونیشیا

۱۹۶۷ء

## ایروفلوٹ کی سواری

نیلا سے والپسی پر ہم نے ڈبل ریٹ پر میلے کپڑے دھلوائے، بال کٹوائے اور اپنے پاسپورٹ پر کچھ نئی مہریں لگوا کر انڈونیشیا کا عزم کیا تو دوست احباب دامنگیر ہوئے کہ اپنی جان اور عافیت کو عزیز رکھو اور مت جاؤ انڈونیشیا آج کل آتش فشاں کے دھانے پر ہے مظاہروں کا زور ہے جھڑپیں ہو رہی ہیں لاکھوں قتلّام ہو چکے اور آگے کے لئے بھی راوی چین نہیں لکھتا ٹینک راستے روکے کھڑے ہیں ناکوں پر مشین گنیں نصب ہیں خاردار تار بچھے ہیں اور صدر سویکا نوکا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا آگ اور خون کے سیلاب میں تمہاری ٹیاں سی ہستی کا پتہ بھی نہ چلے گا کیوں خوشی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

ہم موت سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا خود کشی سے کیونکہ یہ امر قابل دست اندازی پولیس ہے تعزیرات کا غالباً واحد جرم ہے کہ کامیابی سے اس کا استکاب کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں ہاں کوئی اناڑی پن سے ناکام رہ جائے تو جیل ہو جاتی ہے ہم نے اپنے دل سے مشورہ کیا کہ حضت واں جائیں یا نہ جائیں نہ جائیں کہ جائیں ہم دل ناداں نے کہا جان برادر مزا تو آج کل جانے میں ہی ہے امن و عافیت کے دنوں میں گئے پڑھ جا بچہ سولی، رام بھلی کرے گا سولی پر تو ہمارے آباد جہاد کبھی نہ چڑھے ہم کیا چڑھتے جنوری کی ۲۸ کو کولمبو جانے والے طیارے میں سوار ہو گئے اور پیٹی باندھ کر سگریٹ بھجا دیا جا کرتا بنکاک کے راستے بھی جاتے ہیں لیکن ایک راستہ کولمبو کی طرف سے بھی ہے اور کولمبو



میں ہمارے بہت سے دوست ہیں جو مصر تھے کہ چند روز یہاں ٹھیک لے کر آگے جانا سیلون ہم تین برس پہلے بھی گئے تھے اور دوبارہ فدیکنے کی ہوس تھی لیکن ہوائی جہازوں کی پروازوں کا حساب کچھ ایسا بھا کہ بس ایک رات اور آصدا دن ملتا تھا ہم نے اسے غنیمت جانا راستہ ایسا لمبا نہیں راولپنڈی نہ گئے کولمبو جا اترے یہاں لمبے اور گھنے بالوں اور سانولے سلونے نقوش والی دہ سنگھائی لڑکی ہمارے انتظار

میں پہلے کھڑی تھی جس کا نام مانل ہے ساتھ اس والد صاحب بھی تھے ۱۹۶۴ء میں جو صاحب ہمیں ہوائی اڈے پر لینے آئے جب گھنٹہ بھر اپنی کار دوڑا چکے اور ہم نے آبادی کا نشان نہ پایا تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ جزیرے کی سیر ہم بعد میں کریں گے پہلے کولمبو شہر چلو انھوں نے فرمایا ہم کولمبو ہی تو جا رہے ہیں شہر سے ہوائی اڈہ کیس میل کی مسافت ہے اور تنگ پر پیچ پر راستوں میں پورا گھنٹہ لگتا ہے آج بھی یہی ہوا پہلے مضافات ختم ہونے میں نہ آتے تھے پھر شہر کی گلیاں لمبی ہو گئی آخر خدا خدا کر کے گال فیس ہوٹل کی صورت نظر آئی پرانی وضع کا کولونیل طرز کا بڑے بڑے کمروں اور لمبی وسیع غلام گردشوں والا یہ ہوٹل عین سمندر کے تپ پر واقع ہے پانی اس کی دیواروں کو تھپڑے مارتا گزرتا ہے ننگے پاؤں والے دھوتی پوش بیروں نے ہمیں اور ہمارے سامان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مینجر نے کہا اہلا و سہلا گڈ آفٹر نوں فلاں نمبر کے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں چلے جائیے۔

ہم چونکہ سمندر کے عاشق ہیں اور دوئی کا پردہ درمیان میں نہیں چاہتے لہذا ہم نے مینجر سے کہا اے بھد پرش ہمیں ایئر کنڈیشنڈ نہیں چاہئے ہمیں ایسا کمرہ دو جس کی کھڑکیاں سمندر پر کھلتی ہوں اس اس نے کہا اچھی بات ہے بیشک اس نے جو کمرہ دیا وہ سمندر پر کھلتا تھا لیکن اس طور کہ آدھے دھڑ کو کھڑکی کے باہر لٹکا کر وئی طرف کو گردن موڑیں تو سمندر نظر آتا ہے ہم نے مینجر سے کہا میاں سمندر تو ہم نے دیکھ لیا لیکن ہماری گردن میں موج آگئی ہے کوئی اور کمرہ دو بولا اس وقت نہیں ہے

آپ اگلی بار تشریف لائیں گے تو عین سرے والا کمرہ کھول دوں گا۔

۱۹۶۴ء میں جب ہمیں گال فیس ہوٹل میں جگہ نہ ملی تو سی ویو کلب میں ٹھہرے اس کا نام سن کر ہماری باچھیں کھل گئیں لیکن پھر جلد ہی اس بل جگہ پر واپس آگئیں کیونکہ اسے سی ویو یعنی نظارہ بحر کلب کا نام اس لئے دیا گیا تھا کہ جس آدھ میل لمبی گلی کے سرے پر یہ واقع تھا اسے طے کر بڑی سڑک پر آئیں اور دو فرلانگ اس پر چل کر بائیں ہاتھ کو مڑیں تب سمندر کی جھلک نظر آتی ہے کولمبو میں آدھا دن اور آدھی رات دوستوں کے جلسے میں گزری اگلی صبح علی الصبح ہمیں روسی ہوائی کمپنی ایرو فلاٹ کا جہاز لینا تھا اور ایئر پورٹ کا راستہ لمبا ہونے کے باعث ہمیں صبح تین بجے اٹھ کر دیا گیا کولمبو سے اس جہاز پر سوار ہونے والے ہم یکہ و تنہا مسافر تھے لہذا خاص ہمارے لئے کمپنی کی گاڑی آئی ایئر کمپنی والوں نے دفتر کھولا کسٹم والے ڈیوٹی پر پہنچے اور امیگریشن والے آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اٹھے فجر کی اس ساعت میں سارا شہر خاموش تھا فقط لمباری ہوٹل جا بجا کھلے تھے لوگ باگ چائے کی چسکی لگا رہے تھے۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایرو فلاٹ کا جہاز اپنی مرضی سے آتا ہے مرضی سے جاتا ہے اور جیٹ جہاز نہیں ہے سو پانچ بجے کا جہاز چھ بجے آتا ہے اس میں زیادہ تر روسی تھے اور تین چار انڈونیشی جو ماسیکو کراچی سے سوار ہوئے ہوں گے آدھے سے زیادہ جہاز خالی تھے ہم نے آج تک روس کی کمپنی سے سفر نہیں کیا تھا سامنے کی پاٹ میں سے کتنا بچے نکال کر پڑھنے شروع کیے تو معلوم ہوا کہ ایرو فلاٹ دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی کمپنی ہے مسافروں اور ہوائی جہازوں کی تعداد کے اعتبار سے دنیا کی کوئی ہوائی کمپنی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ماسکو سے طہران سے دشت لوط پار کر کے آپ کراچی پہنچتے ہیں جو پاکستان کا دار الحکومت ہے تو۔۔۔ ہم نے چونکہ کر کتا بچے کی تاریخ اشاعت دیکھی لکھا تھا کہ اس میں معلومات یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء تک کی

ہے خلا میں معر کے مارنے والوں کی معلومات اگر زمین کے بارے میں کچھ پیچھے رہ جائیں معافی ہے  
 چھ سے ساتھ بچے اور ساتھ سے آٹھ جب سوئی نو پر پہنچی جو جا کجر کرتا کے وقت کے مطابق گیارہ  
 بچے دن کا عمل تھا تو ہمارے معدے نے ہم سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہم اب تک مغربی  
 دنیا کی ایر لائنوں میں سفر کرنے کے عادی تھے جہاں ایر ہوٹیں تھوڑی تھوڑی دیر بعد مسافروں کے  
 درمیان سے تبسم کی بجلیاں گراتی گزرتی ہیں اور کار لاحقہ پوچھتی رہتی ہیں یہاں کسی نے ان تین گھنٹوں  
 میں بات بھی نہ پوچھی آخر ہم خود اٹھ کر باورچی خانے میں گئے وہاں بقول کسے رواں نہ دھواں ایک  
 صاحبہ بیٹھی ناول پڑھ رہی تھیں ہم نے کہا کامریڈ ہم تو بھوکے مر گئے کیا ناشتہ نہیں ملے گا۔  
 بولیں ناشتہ کیسا ناشتہ ابھی تو سات بچے کا عمل ہے سات بچے ہم نے کہا بی بی خدا کا خوف کرو اس  
 وقت کولبو میں نو بچے ہیں اور جا کر میں گیارہ ہم آدھے راستے میں ہیں لہذا دس بچے سمجھو پھر گھڑی  
 دکھا کر بولیں یہ دیکھئے سات بچے ہیں۔

کہاں کا ٹائم ہے یہ ،

ماسکو کا

تو گو یا مشرق بعید میں بھی ناشتہ ماسکو کے وقت کے حساب سے ملے گا ہم اس عزیزہ اور ہوائی کمپنی والوں  
 کی حب الوطنی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ گھر سے ہزار روں میل دور بھی اس کا خیال رکھتے ہیں  
 ہم نے کہا بی بی ہم خود سوشلسٹ ہیں لیکن ہمارا معدہ سوشلسٹ نہیں ہے منصفی اور مہربانی کرو اور ہمیں  
 کچھ کھانے کو دو ان کا جی پسینا بولیں اچھا آدھے گھنٹے بعد آپ کو ناشتہ مل جائے گا ہم نے کہا  
 اس وقت کچھ ملے گا فرمایا کولصر نک مل جائے گی

کوئی

کوکا کولا۔۔۔ سوشلسٹ ملک کے ہوائی جہاز میں ،



فرمایا جی ہاں -----

اس پر ہمیں چینیوں کی باتوں پر تھوڑا یقین آنے لگا کیونکہ ہمارے نزدیک سوشلسٹ معاشرے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہاں کوکا کولا نہیں ہوتا خیر بعد میں معلوم ہوا کہ روس میں فی الحال کوکا کولا نہیں ہوتا یہ رسد انھوں نے کراچی سے لی تھی ناشتہ ملا اور خاصا بھاری کیونکہ ہر چند کہ ہمارا جہاز ڈھائی بجے جا کر پہنچتا تھا ہمیں بتایا گیا تھا کہ لنچ کی امید نہ رکھیں سفر آرام دہ تھا روس کے جہازوں کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن اتنا ہم نے سوچ لیا کہ آئندہ ایرو فلوٹ سے سفر کرنا ہوا تو گھر سے پراٹھے بندھوا کر ساتھ لے لیا کریں گے۔

-----

## ہم نے بارہ سو روپے کا کھانا کھایا

انڈاشیا جانے کے دو روز پہلے اسٹیٹ بینک میں بیگم صبیحہ حسن سے ملاقات ہوئی فرمانے لگیں ضرور کہیں کا عزم ہے کہاں کا ہے آپ نے تو حد کردی ہم نے طعنے تشنّے کو نظر انداز کرتے ہوئے بتایا۔ کہ اب جا کر تا جا رہے ہیں بس چند روز کے لئے۔

فرمایا مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کروڑ پتی ہیں۔  
ہم نے کہا ہمیں تو اب بھی معلوم نہیں واللہ بتائیے کہاں ہے ہماری دولت۔

بولیں۔ اس کا اندازہ میں نے اس امر سے کیا کہ آپ نہ صرف انڈونیشیا جانے کا بلکہ وہاں چند روز قیام کا بھی ارادہ رکھتے ہیں اس خاکسارہ نے ایک روز جا کرتا کے ایک ریستوران میں لنچ کھایا تو بارہ لاکھ روپے کا بل لایا۔

وہ سمجھا ہوگا کہ آپ ریستوران خرید رہی ہیں۔

یہ بات نہیں -

آپ پر اسے سر آغا مرحوم کا دھوکا ہوا ہوگا ،

یہ بات نہیں کیا میری شکل سر آغا خاں سے ملتی ہے

پھر آپ نے ہیرے جواہرات کھائے ہوں گے بندہ تو دال روٹی کھاتا ہے

فرمانے لگیں ہم بھی دال روٹی بلکہ دال بھارت ہی کھائی تھی خیر تفصیل کی حاجت نہیں آپ جارہے ہیں خود دیکھ لیں گے۔

صبیحہ بیگم کا مقابلہ تو ہم نہ کر سکے لیکن بارہ سو روپے کا کھانا تو ہم نے ایک وقت میں کھایا آج کل ایک امریکی ڈالر کا بھاؤ انڈونیشیا میں سو روپے ہے مارکیٹ اور بلیک مارکیٹ میں اس سے زیادہ ایک سو تیس روپے تک سمجھئے لیکن صبیحہ صسن جس زمانے میں گئیں اس سے ہزار گنا زیادہ تھا یعنی ایک امریکی ڈالر برابر تھا ایک لاکھ انڈونیشی روپیت کے جس کو سبزی خریدنی ہوتی تھی روپوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس لے کر چلتا تھا دس ہزار بیس ہزار روپے تو بخشش میں اٹھ جاتے تھے مشینیں دھڑ ادھڑنوٹ چھاپے جا رہی تھیں حکومت نے ڈیڑھ سال پہلے سو روپے سے اوپر نوٹ منسوخ کر دیئے ان کی ایک کوڑی بھی قیمت نہ رہی چھوٹوں نوٹوں میں سے ایک روپیہ پرانے ایک ہزار روپے کے برابر قرار پایا ملک میں اس سے جوابتری پھیلی ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ ہوٹل انڈونیشیا میں اگر ٹھریئے کہ ہیہ ایک انٹر نیشنل ہوٹل وہاں ہے تو وہ ادائیگی انڈونیشی روپوں میں نہیں بلکہ امریکی ڈالروں یا برطانوی پاؤنڈ کی صورت میں قبول کریں گے انڈونیشی ایئر لائن گیر دو اسے سفر کیجئے تو وہ بھی کرایہ ڈالروں اور پاؤنڈوں میں مانگتی ہیں انڈونیشی روپے کا لین دین نہیں کرتیں بندھی ٹکی تنخواہ والوں کا یہ حال ہے کہ ایک اعلیٰ افسر نے بتایا کہ میں

پندرہ سو روپے مہینہ پاتا ہوں اور میری بیوی کہتی ہے کہ اس سے فقط دودن کا خرچ چلتا ہے پندرہ سو روپے پندرہ امریکی ڈالر کے برابر ہوئے یعنی ہمارے ہاں کے ساٹھ ستر روپے جس کے پاس ڈالر ہیں وہ تو خیر بادشاہ ہے لیکن انڈونیشیا کسان کو انڈونیشی روپیہ کمانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے لیکن انڈونیشی روپیہ کمانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی ہے ہم نے پوچھا کہ پھر کیسے گزارہ چلتا ہے پتہ چلا کہ قدرت مہربان ہے اگر یہ لوگ کچھ بھی نہ کریں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں تب بھی خوردہ غلہ، بہت پھل پھل بہت، بھوکا مرنا نہ ممکن اب رہا کپڑا تو سارا سال گرمی رہتی ہے لنگوٹ اور انگوچے میں بھی گزر سکتی ہے مکان کے لئے بانس کے درخت ہیں تاڑ کے درخت اور پتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انھی سہولتوں نے تو پوری قوم کو تن آسان اور عیش کوش بنادیا ہے دیہی معیشت میں تبادلہ اشیا کا اصول چلتا ہے الف نے ب کو کھڑا دیا ب نے الف کو جوتا دیا حساب برابر۔

قیمتیں پوچھیں تو معلوم ہوا کہ انڈا چار روپے کا ہے اور ماچس ڈھائی روپے کی ہم نے کہا ایک روپے میں کیا خریدا جا سکتا ہے جو اب ملا ممکن ہے سوئی یا بٹن وغیرہ مل جاتا ہوا پھل بہت سستے ہیں ایک روپے کے چند ربوتان ملی جائیں گے ہم نے پوچھا ایک روپے سے کم کے سکے بھی ہیں معلوم ہوا کہ ہاں پچاس سنڈھے پچیس سنڈ ہے وغیرہ ہم نے دریافت کیا ان سے کیا خریدا جا سکتا ہے پتہ چلا کہ کچھ بھی نہیں سوائے پٹرول کے۔

انڈونیشیا میں اگر کوئی چیز سستی دیکھی تو وہ پٹرول ہی تھا ہمارے ہاں کے ڈیڑھ آنے دس نئے پیسے کا ایک گیتن بہت دو نئے پاکستانی پیسوں کا ایک لیٹر ستم کی بات یہ ہے کہ یہی ایک چیز غریبوں کے مصروف کی نہیں حکومت نے خصوصی امداد یعنی subsidy سے پٹرول کو سستا رکھا ہے ان دنوں یہ بات ہو رہی تھی کہ قیمتیں بڑھنے والی ہیں واپسی کے بعد اخبار میں دیکھا کہ بڑھ گئی ہیں آٹھ گنا ہو گئی ہیں یعنی اب ایک گیلن پٹرول بارہ چودہ آنے کا ہو گیا ہے۔

کتابوں کا حال یہ ہے کہ ہر ہفتے عشرے کے بعد قیمت کی نئی چھپی لگائی جاتی ہے جو کتاب آج پانچ روپے کی ہے وہ کل پندرہ روپے کی ہو سکتی ہے اور اگلے ہفتے پچاس روپے جائے ایک کتاب لکھی کہ ۱۹۵۴ء کی چھپی ہوئی تھی اس وقت اس کی قیمت ساڑھے سات روپے تھی آج وہی ڈھائی سو روپے کی ہے کتابیں نیوز پرنٹ پر غیر مجلد چھپتی ہیں اب تو وہ بھی نہیں کیونکہ متعدد کاغذ ساز فیکٹریاں ہونے کے باوجود کاغذ کا کال ہے حکومت نے نیوز پرنٹ کی قیمت ایک سو بیس روپے فی رکھی ہے بازار میں تین سو روپے سے کم نہیں ملتا انڈونیشیا کی سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اس کا اندازہ لگانے کے لئے کسی کو انڈونیشیا جانے کی ضرورت نہیں ہر نئی صبح نیا ہنگامہ ہوتا ہے اور دنیا کے اخباروں سے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ بلکہ ہمارے دوران قیام کی بعض خبریں تو ہمیں وا[پسی پر غیر ملکی اخباروں سے ملیں عین ایسے ہی جیسے نیلا میں ہمارے ہونے پر زلزلہ آیا لیکن ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی واپس آن کر ڈان میں دو کالمی سوخی دیکھی تو ڈر کے مارے کچپی طاری ہو گئی سیاست کی شطرنج وہاں کچھ جماعتوں اور عقیدوں کے اعتبار سے ہے اور کچھ علاقائی پاسداروں کے حساب سے دار الحکومت میں طالب علموں کا راج دیکھا مظاہرے کرنے کی پوری آزادی ہے مشرطیکہ وہ صدر سویکا نو کے حق میں نہ ہوں اخباروں پر بھی کوئی پابندی نہیں صدر موصوف کے خلاف لکھنے کی سویکا ر نو کے حامی اخبارات پہلے ہی بند کئے جا چکے ہیں اور جماعتوں پر پابندی لگائی جا چکی ہے لڑکوں میں مظاہروں کا شوق اور نہ پڑھنے کا ذوق پیدا ہو جائے تو وہ انڈونیشیا ہو یا پاکستان تعلیم و تعلم کا خدا حافظ ہوتا ہے سونے پر سہاگہ اس بات سے ہوا کہ کاغذ نہ ہونے کے باعث کتابیں نا موجود اور مشرقی جاوا میں تو اسکول ہیں لیکن استاد نہیں کیونکہ ہزاروں اساتذہ اس شبہ میں تہ تیغ کر دئے گئے کہ کمیونسٹوں کے خیالات رکھتے تھے طالب علم مظاہرین کا وقت محضرتیار کرنے اور پیش کرنے میں صرف ہوتا ہے اور جب چاہتے ہیں سرٹکیں بند کر دیتے ہیں طالب علم جماعت کامی کے اخبار کے ایڈیٹر مکارم کراچی آئے تھے تو ملاقات ہوئی تھی جا کرتا میں ان سے ملاقات کے لئے جب

فون کیا پتہ چلا کہ کیسی ملاقات ، وہ مظاہرین کے ہجوم میں شامل ہیں اخبار بھی کھڑے کھڑے چھٹی منالیتے ہیں ایک اخبار میں محض اتنا نوٹس تھا کہ بعض مصروفیتوں کے باعث دو تین روز تک اخبار ہذا نہیں نکلے گا۔

چار صفحے کے مختصر اخبار کی قیمت چار روپے ہے

ہم نے پہلے دن کا کھنا بھی جاداریستوران میں کھایا اور واپسی کی شب کا بھی مشہور جگہ ہے اور ہم نے دیکھا کہ کھانے والوں میں غیرملکیوں ، بالخصوص یورپیوں کی تعدد زیادہ ہے بہت چلتا ہے لیکن ظاہری حالت اس کی خستہ اور زدہ دیکھی ہم نے کہا یہ شخص اس کی حالت ٹھیک نہیں کرتا نیا فرنیچر کیوں نہیں لاتا باہر سفیدی کیوں نہیں کراتا اور لان کی گھاس کیوں نہیں کٹواتا ہمارے میزبان نے مسکرا کر کہا سمجھ دار آدمی ہے آج سفیدی کرے کل دگنا ٹیکس لگ جائے گا یہاں جو تم عمارتوں کا ظاہر پرانا دھرانا کائی زدہ دیکھتے ہو تو اس میں استطاعت کی علت نہیں ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے بس ٹیکس سے لوگ ڈرتے ہیں دوسری بات جس پر ہمیں حیرت ہوئی قیلولہ ہم بھی کرتے ہیں لیکن فقط روز ابرو شب مہتاب میں ایران میں دیکھا کہ ؛ لوگ دوپہر کو دفتر بند کر دیتے ہیں اور پھر شام کو چھ بجے دوبارہ چلے آ رہے ہیں بیچ میں کھانا کھا کر سوتے ہیں لیکن قیلولہ کو انڈونیشیا میں حاصل ہے کہیں نہ ہوگا ایک بجا اور دفتر بند۔ سرکاری غیر سرکاری کی تخصیص نہیں ہمیں اپنے ٹکٹ پر روانگی کا وقت بدلوانا تھا ایئر کمپنی والوں نے کہا اب تو ہم دفتر بند کر رہے ہیں باقی کل دکانیں بھی بند کھانا کھایا اور انشا غفیل ہوئے یہاں معلوم ہوا کہ سائیکل رکشا والا بھی مسافر کو لے جا رہا ہو اور ایک بج جائے تو سواری سے کہتا ہے کہ یہیں اتر جائیے صاحب۔۔۔۔۔ اب پیدل چلئے بندے کے سونے کا وقت ہے شان قلندری کا مظاہرہ رکشا والا ایک بجے سے پہلے بھی کر سکتا ہے اگر اس کے پاس اس روز کے کھانے جوگ پیسے ہو جائیں کوڑی نہ رکھ کفن کو۔۔۔۔۔ ان لوگوں کا اصول معلوم ہوتا ہے سائیکل رکشا کو یہاں بیچا کہتے ہیں ہمارے بچوں کے



ڈرانے کی چیز ہوتی ہے لیکن ڈرنے کی اصل انڈونیشی بیچا ہے ہمارے ہاں رکشا کھنچا جاتا ہے وہاں دھکیلا جاتا ہے جیسے کراچی کی سڑکوں پر آئس کریم یا چائے کے ڈبے بیچنے والے کرتے ہیں گاڑی آگے اور گھوڑا پیچھے کی مثال سمجھ لیجئے فائدہ اس میں یہ ہے کہ ٹکرا اگر لگتی ہے تو مسافر کو لگتی ہے ڈرائیور تو مزے میں پیچھے ہوتا ہے یہ اختیار بھی ڈرائیور کو حاصل ہے کہ بیچا دوڑاتے ہوئے یک لخت بریک لگالے اور مسافر اپنے حال میں بیٹھا ہوا اچھل کر بیچ سڑک کے جاگرے اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں کے رکشا والے بھی مشاق نہیں مسافر کو سامنے کی سواری سے ٹکرانے یا چاروں شانے چت زمین پر گرانے کا ہنر جانتے ہیں لیکن کہیں ہمارے ہاں بھی ایسے بیچا چلنے لگیں تو ان کا کام اور آسان ہو جائے ہم ایک بار اس میں سوار ضرور ہوئے لیکن پھر فوراً یاد آیا کہ ہمارا تو زندگی کا بیمہ بھی نہیں ہے اور ہوتا بھی تو سنا ہے خود کشی کرنے والے کو نہیں ملتا تھوڑی دور جا کر اتر گئے اور رکشا سے جان کی امان پائی۔

## ایک دن بندونگ میں

جا کرتا میں پہلی ہی شب کسی نے پاچھا کہ اے میمان عزیز بندونگ جاؤ گے ۔  
 ہم نے کہا، جی جان سے جائیں گے سو کے بل جائیں گے بندونگ جائیں گے۔  
 بلی جائیں گے سماترا جائیں گے جہاں جی چاہے لے جائیے ہم آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے،  
 باقی گفتگو کو غیر تصور کر کے میزبانوں نے کہا اچھا تو جائیے بندونگ ضرور جائیے،  
 ایک بار ایک ستم ظریف نے صدر میں ایک وکٹوریا والے کو روک کر پوچھا تھا۔  
 کلفٹن جاؤ گے؟

و کٹوریا والا بولا ضرور جاؤں گا حضور ،

تو پھر جاؤ اس شخص نے نہایت سر چشمی سے کہا ۔

ہم ہیہ سمجھے کہ ہمارے میزبان بھی ایسی ہی بے تعلقانہ رواداری کا اظہار کر رہے ہیں ٹھیک کر رہ گئے اور پاچھا کتنا راستہ ہے کیا کرایہ لگتا ہے ؟

چار پانچ گھنٹے کا ریل بھی جاتی ہے لیکن آپ کو تو مادام ستمبر اپنے ساتھ اپنی کار میں لے کر جائیں گی ۔

ہم نے کہا، چپڑاسی اور دودو ،

نہیں شکریہ یہ کوئی بات نہیں یہ تو ہمارا فرض ہے ہمارے میزبان نے نے ہمارے ان کلمات کو شکریہ تصور کیا ایک لحاظ سے تھا بھی ۔

اگلے روز ہماری سواری بادبھاری سہ پہر کوجا کرتا سے روانہ ہوئی مادام کے پاس تین کاریں ہیں ہفتے میں میں بندونگ آتی جاتی ہیں کیونکہ گھر ان کا بندونگ میں ہے کتابیں چھاپنے کا کاروبار البتہ بندونگ اور جا کرتا دونوں جگہ بٹا ہوا تھا لڑکا دیکھنا ہو تو کولمبوسے باہر جائے کینڈی تک سفر کیجئے انڈونیشیا کی جھلکیاں مطلوب ہوں تو جا کرتا سے نکلیئے انڈونیشیا کی ہریالی اور دیہاتیت جا کرتا کے مضافات سے نکلتے ہی شروع ہو گئی پھلوں کی دکانوں میں ایک پھل ہمیں عجیب اور دلکش معلوم ہوا اس کے گچھے بندھے ہوئے بک رہے تھے جہاں کار ٹھری بہت سے لوگ گرد جمع ہو گئے ہم نے مادام سے کہا۔

کیا ہے یہ ،

بولیں رمبوتان ہے کھاؤ گے پھر ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر چار پانچ گچھے رکھوائے سوسوا پھل ہوں گے سائزر رمبوتان کا آڑو کے برابر ہوتا ہے جلد سرخ اس پر کانٹے سے کھڑے چھیلا تو اندر سے شفاف پیچی کی طرح ، مزہ اور خوشبو دلنواز۔ رستہ بھر ٹھونگتے گئے عمر بھر کا کوٹا ایک ہی روز کھا لیا۔

بندوگ کی شہرت اس افراد ایشیائی کانفرنس کی وجہ سے ہوئی جو ۱۹۵۵ء میں منعقد ہوئی تھی پاکستان بھی اس میں شریک ہا تھا حالانکہ یہ زمانہ محمد علی بوگرہ مرحوم کا تھا اور اس وقت تک ہم آٹھواں گانٹھا افراد ایشیائی کانفرنس کے اعلانوں اور اصولوں کا بعد میں کیا ہوا سبھی جانتے ہیں آں دفتر راگاؤ خردوآں گاؤ راقصا ب برد بھارت اہتمام کرنے والکوں میں آگے آگے تھا لیکن جب کشمیر کی بات تو پنڈت جی نے کہا پنپوں کا کہا سر آنکھوں پر لیکن پر نالہ وہیں رہے گا خیر بندوگ کا جذبہ اور اعلان ضرر بعد ہوئے لیکن بندوگ تو موجود ہی تھا ہم نے کہا ان درد کو تو دیکھیں جہاں افریقہ اور ایشیا کے آزادی پسند تاج جمع ہوئے تھے اور اس اجتماع نے مغربیوں کے قصر استعماریت کو لرزادیا تھا لیکن بندوگ ابھی دور تھا البتہ بوگور آگیا تھا جہاں وہ مشہور قصر صدارت ہے جس میں صدر سویکا نو اپنے اختیارات سے دست کش ہو کر جا ٹکے رہا کھٹکا نہ چوری کا عادی تہوں رہن کو جا کرتا کے قصر مردیگا اور بوگور کے محل آنے جانے کے لئے صدر موصوف ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہیں جب سے ان کی ہوا بگڑی ہے اس وقت ست تو بالخصوص یہ محل جس کے ہم نے فقط بند پھاٹک دیکھے اور دور سے اس کی پرانی ساخت لی لیکن پر شکوہ عمارت کا نظارہ کیا اپنے اسباب فاخرہ کے لئے مشہور ہے ۔

صدر سویکا نو نے کہ شوقین آدمی ہیں اسے ملک ملک کی تصویروں، قالینوں شیشہ آلات اور دوسرے نوادر سے سجایا ہے اس محل کی پشت پر بوگور کا مشہور نباتاتی باغ ہے اسے دیکھنا بھی ہمارے پراگرام میں شامل تھا لیکن دیکھنا کہ پھاٹک بند ہے سوچا سہ پہر ہو چکی اس لئے بند ہوگا لیکن واپسی ہماری صبح دم ہوئی تب بھی بند ملا آخر ہم نے باغ کے داروغہ سے ملاقات کی اور اقوام متحدہ کا نام درمیان میں لائے تو بطور خاص اجازت ملی معلوم ہوا کہ آج کل اسے احتیاط بند رکھا جاتا ہے کیونکہ صدارتی محل کے عین پچھواڑے واقع ہے وہ حصہ جو صدارتی محل کے ساتھ لگتا ہے وہاں جانے پر تو خاص طور پر قد غن ہے لیکن ہم تو وہاں بھی گئے استوائی طہ کے بلند قامت اور نامور الوجود درختوں پیڑوں اور پھولوں کی سیر کی لیکن یہاں ہم اس سیر



کو تھوڑا ہی آتے تھے اس کی ویرانی بھی ہمیں عبرت کا تماشا نظر آئی ۔

ہے بہار باغ دنیا چند روز

یعنی ہر شے کا تماشا چند روز

راستے کے ہر دو جانب جنگل تھے اور ان کے پیچھے پہاڑ تھے ابر سے ڈھکے ہوئے ہمارے بندوگ پہنچنے تک درو دیوار پر تاریکی کا پہرا لگ چکا تھا یہاں کی فضا کھلی اور خوشگوار تھے جا کرتا میں تو بیزار کرنے والی گرمی تھی لیکن یہاں خنکی کا راج تھا مکان بھی نیچی ڈھلوان چھتوں والے لگتا تھا ہالینڈ کے دیہات میں انگریز ہمارے ملک میں آیت تو انھوں نے یہاں کوٹھیاں اور بنگلے انگریزی طرز کے بنائے ڈچوں نے بھی ہالینڈ کے طرز تعمیر کو رواج دے کر وطن کی یاد کو تازہ کیا قلب شہر سے بازار شروع ہوا کچھ دکانیں کھلی تھیں لیکن اکثر بند ہاں ریڑھیوں اور خوانچہ والے کھڑے بیٹھے ہائیں لگا رہے تھے وئی طرف کو ایک میدان سا نظر آیا جس کے گرد اگر دبیچا یعنی سائیکل رکشہ والے کھڑے تھے بائیں ہاتھ کو ایک خاصی وسیع عمارت دکھائی دی مادام سترمرد نے کہا یہاں ہوئی تھی بندوگ کانفرنس، صدر دروازے کی سلاخوں کے پیچھے فوجی پہرہ بھی نظر آیا اس سے چند قدم دہنے ہاتھ ہمارا ہوٹل تھا ہوٹل سیوائے ہومان۔

ہوٹل سیوائے ہومان ایک بہت وسیع وعریض عمارت ہے کئی سو کمرے ہوں گے ممکن ہے کسی ولندیری بزرگ نے بنایا ہو کیا نہ اندر کا ناک نقشہ مغربی طرز معاشرت کا ہے جدید تو بالکل نہیں ہے لیکن آرام دہ ہے کمرے بڑے بڑے غسل خانوں کے ٹب ٹوٹے ہوئے شیشے، اندھے یا نیم اندھے ہمارا کمرہ بھی خوابگاہ اور نشست گاہ، دو حصوں میں بٹا ہوا تھا صوفے گرد آلود اور بھاری فون پرانی وضع کے ہوٹل پہلی جنگ عظیم کے لگ بھگ کی فضا میں سانس لے رہا تھا لیکن ہمارا کمرہ حسن اتفاق سے سامنے کے رخ تھا آگے آگے کچھ برآمدہ بھی تھا سامنے بہت سے آہنی پول کھے تھے یہاں بندوگ کانفرنس کے زمانے میں مختلف ملکوں کے جھنڈے لہراتے ہوں گے کیوں کہ کانفرنس کے زیادہ تر مندوب اسی ہوٹل میں فروش تھے

ہمارے اس کمرے میں جانے کون ٹھہرا ہوگا۔

راستے میں رہمباتان اتنے کھائے تھے کہ اب ڈنر کی جگہ نہ تھی تاہم چند نوالے اپنا جی رکھنے کو کھائے ڈائننگ ہال میں کوئی نہ تھا بس ہم تھے اس وقت تو بابے والوں نے جو بیٹھے جمائیاں لے رہے تھے اور سر کھجا رہے تھے ہماری تالیف قلب کے لئے تھوڑا انگریزی بلجہ بھی بجایا۔

اب دل آوارہ نے قصہ باہر کی سیر کا کیا جدھر رونق نظر آئی ادھر کو نکل گئے فٹ پاتھوں پر کچھ لوگ اخبار، پلاسٹک کی چھوٹی موٹی چیزیں اور سگریٹ لئے بیٹھے تھے آگے کچھوں اور کبابوں والوں کی ریڑھیاں تھیں ایک لمبا چکر کاٹ کر اور بندونگ کانفرنس کی عمارت کے چوطرفہ گھوم کر ہم پھر اپنے ہوٹل کی سڑک کی طرف آئے یہاں فٹ پاتھ پر ایک بھلے مانس نے ہمارا راستہ روکا اور پوچھا ٹیکسی؟

ہم نے کہا - نو۔ ہمارا ہوٹل قریب ہی ہے،

ہماری کند ذہنی کو بھانپ کر کنکار کر وضاحت کی ٹیکسی گرل۔

ہم نے کہا نو نو،،

ڈچ گرل، انڈونیشن گرل، بیوٹی فل،،

ہم نے کہا نو۔ نو۔ نو

ہمیں حقارت سے دیکھتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا آدھی رات کو ہم بالکونی میں سے دیکھا اب بھی وہ سامنے

چوراہے میں چکر کاٹ رہا تھا یہ ہوٹل سیاحوں کا مرکز ہے لیکن اس روز کا کاروبار مندا ہی معلوم ہوتا تھا

دوسرے روز ہم نے کچھ تو اپنا کار منصبی بھکتا یا کچھ بندونگ کے سر سبز و شاداب کوچوں کی سیر کی

واقعی سکون کی دنیا ہے جنت کا نقشہ ہے خدا جانے اس شہر کو چھوڑ کر لوگ جا کرتا میں رہتے کیوں ہیں

ویسے بندونگ بھی خاصا شہر ہے مغربی جاوا کے صوبے کا دار الحکومت ہے گورنر بہادر یہیں رہتے ہیں سنڈوالوں

کا گڑھ یہی ہے جو اہل جاوا کے زیادہ محب و مشتاق نہیں۔

واپسی کے سفر میں مادام ستمرد نے پوچھا صدر سویکا نو کے بارے میں آپ کی کیا روئے ہے ؟  
ہم نے کہا، آپ کی کیا رائے ہے ،

فرمایا ۔ پہلے آپ

آخر ہم کہا ،، ہماری روئے تو بری نہیں ہے،،

تیوری چڑھا کر چپ ہو گئیں ،

تھوڑا آگے چل کر ایک سوال کیا ،

ناسی کورنگ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے پسند آیا ۔

ہم نے ذہن پر بہت زور دیا کچھ یاد نہ آیا آخر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں کوئی جرنیل ہیں صدر سویکا نو  
کے حامی ہیں یا خلاف ہیں ،

کھل کھلا کر ہنسیں کہا یہ کسی آدمی کا نام تھوڑا ہی ہے میں تو ناسی کورنگ کے بارے میں پوچھ رہی ہوں،،

اب ہم پر کھلا کہ اسپر فضا گاؤں کی طرف اشارہ ہے جس میں سے ہم گزر رہے تھے ہم نے کہا اچھا ہے

فضا ہے آبادی کم معلوم ہوتی ہے ،، اپنی چاندی کی گھنٹیوں والی آواز میں پھر ہنسیں عمر تو ان کی ایسی کم

نہیں لیکن ہنستے اور باتیں کرتے میں بچہ لگتی ہیں آخر بولیں بابا میں رات کے کھانے کی بات کر رہی

ہوں رات کے مسالہ دور بھونے ہوئے چاولوں کی طرف اشارہ ہے ،،

ہم نے کہا ہمارے معے بھجواتے وقت یہ وضاحت کردی جاتی ہے کہ شے مذکورہ کا تعلق نباتات سے یا

حیوانات سے یا جمادات سے آئندہ آپ کسی چیز کے متعلق پوچھیں تو وضاحت کر دیا کیجئے کہ ربوتان کسی

جرنیل کا نام ہے یا درخت کا مہوہ ہے یا عمارت ہے پرندہ ہے یا دودھ والا جانور ،،

اجنبی ملکوں میں ناموں کے ساتھ مسافر کو اس قسم کے تجربے ہوا ہی کرتے ہیں اگر مادام ستمرد ہمارے

ہاں چند دن رہیں اور تھوڑی بہت شدید بھی یہاں کے ناموں کے متعلق حاصل کر لیں تب بھی اس امر

کا امکان ہے کہ پوچھیں کھارادر کیت متعلق کیا روئے ہے ،،  
 اور وہ فرمائیں اچھا ہے لیکن اس میں مرچیں زیادہ تھیں ۔۔  
 ہم پوچھیں،، روغن کو آپ نے کیسا پایا ،،

اور وہ جواب دیں کہ بڑا شاعر ہے لیکن زبان مشکل لکھتا ہے آخر چند دن کے قیام میں تو جوش اور  
 روغن کا پتہ نہیں چلتا خصوصا جبکہ مرغن دونوں ہوں ۔

## باتیں اس کی یاد رہیں

اب جو ذکر اس بطل جلیل کا آیا ہے تو کچھ باتیں اس کی سنیے باتیں اس کی یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی  
 سنیے گا،

صدر سوکار نے دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں سے تعاون کیا تھا کیونکہ ولندیزیوں سے اور ان کے واسطے سے  
 اتحادیوں سے سوکار نو اور ان کے حیرت پسند ساتھی خوش تھے جاپانیوں سے تعاون کیا لیکن ان کے سو فیصد  
 پٹھو یہ کبھی نہ بنے اپنی قوم کو مضبوط اور مسلح کرتے رہے جاپانیوں نے ان سے آزادی کا وعدہ کیا تھا  
 جاپانی شکست نہ کھاتے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وعدے کا ایفا کہاں تک ہوتا خیر ادھر جاپان کی طاقت  
 ٹوٹی ادھر اتحادی دوبارہ قبضہ کرنے اور ہالینڈ کو مسلط کرنے کے لئے آ موجود ہوئے لیکن انڈونیشی قوم  
 نے اپنی آزادی کا اعلان کیا جمہوریہ بنالی اور پھر مل کر بیٹھ کر سوکار نو کو اپنا صدر مقرر کیا ۔

یہ سب کچھ بڑی بے سرو سامانی میں ہوا بس پنچایت بیٹھی اور ایک نبات کہہ دی ان کی بی بی فاطمہ نے  
 ایک پکڑا لال لیا اور دوسرا سفید اوتر دونوں کو سی کر پرچم بنا لیا زمین میں ایک بانس گڑا تھا اسے اکھاڑ کر  
 یہ پرچم اس سے لٹکا دیا یہ بانس کچھ ایسا لمبا بھی تھا لیکن اس وقت بس یہی میسر تھا باجے بھی نہ بجے

اعلان آزادی بھی جو ساڑھے تین سو سال کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے پر پڑھا گیا آب زر سے کسی خریطے پر رقم نہ کیا گیا تھا بلکہ سوکار نو فرماتے ہیں کہ ایک بچے کی اسکول کی کاپی سے لکیر وار کا غذا ایک ورق پھاڑ کر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا اور میرے ساتھ ڈاکٹر حتی نے اس پر دستخط کر دیئے تھے یہ سب کچھ تو ہوا لیکن ہالینڈ والوں کو تو اپنی سلطنت کا گم گشتہ نگیں انڈونیشیا بازیاب کرنے کی فکر تھی ان کے ساتھ جمعیت تھی اور ہتھیار ڈالتے وقت جاپانیوں کو بھی یہ وعدہ کرنا پڑا تھا کہ ہم سلطنت اور نظام سلطنت آپ کے حوالے کریں گے نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے نئی جمہوریہ کومع اس کے صدر کے جو کھدیا تو ابھیں جا کرتا سے بھاگ کر جو گجا کرتا میں پناہ لینی پڑی۔

جب قوم نے ڈاکٹر سوکار نو کو اپنا صدر بنالیا امیر مملکت نامزد کیا تو سوکار نو کہتے ہیں کہ نہ مجھ پر وقت طاری ہوئی نہ میں نے کوئی جذباتی تقریر کی یہ سارا کھیل معلوم ہوتا تھا لوگوں نے آپ صدر بن جائیں میں نے کہا۔۔ اچھا بھئی۔ او۔۔ کیس مقام بلند پر فائز ہونے کے بعد بھی شام کو مجھے پیدل ہی گھر آنا پڑا بھوک لگ رہی تھی روتے میں ایک تکے کباب بیچنے والا ننگے پاؤں بیٹھا انگیٹھی سلگاتے نظر آیا۔

ہز ایکسی لنسی صدر جمہوریہ انڈونیشیا وہیں اپنے پانچے اونچے کر کے زمین پر بیٹھ گئے اور کہا بنانا تو میاں پچاس ایک سخیں وہ بناتا گیا اور ہم کھاتے گئے یہ تھی جشن آزادی کی دعوت لیکن اب وہ مرحلہ تھا کہ ولندیزیوں نے اس آزادی پر کمپا مار کر صاحب صدر اوتر ان کی حکومت کو جو گجا کرتا بھگادیا تھا یہ بات ۴ جولائی ۱۹۴۶ء کی ہے ہمارے ہاں بھی آزادی کی آمد آمد کا غلغلہ تھا اور انڈونیشیا کی جمہوریہ ہمارے قومی اخباروں کی سوخیوں میں جلوہ گر ہوتی تھی لیکن اب آئیے صدر سویکار نو کی زبانی سنئے۔

ہم حکومت سے زیادہ چوروں کارٹولہ معلوم ہوتے ہیں ہمارے پاس کچھ بھی تو نہ تھا نپ ناپ رائٹر کاغذ نہ ہوائی جہاز کچھ سامان ٹوٹا پھوٹا ریڈیو کا تھا وہ بھی ۱۹۳۵ء کا پرانا خزانہ عامرہ میں کچھ بھی نہ تھا جاپانی سکے کی بھی قیمت نہ رہی تھی ڈاکٹر سو ہار تو (یہ اور سو ہار تو ہونگے) ہمارے خازیان یا وزیر خزانہ تھے



ان کے پاس نوٹوں کے گننے کا وقت نہ تھا بس ڈھیر کے ڈھیر تول کر سیروں کے حساب بھیج دیتے تھے البتہ مرکزی جاوا پینج کر ہم نے اپنی کرنسی خوفزدہ تیار کرنی شروع کردی لیکن اسے کوئی بھی قبول نہ تھا ہمارے پاس اس کرنسی کی پشتی بانی کے لئے کیا تھا سوائے اس ہینڈ پریس کے جس پر ہم نوٹ چھاپتے تھے سونے چاندی کا تو نام نہ لیجئے ۔

ہمارا کام چلتا تھا اسمگلنگ سے ہر شخص اسمگل کرتا تھا آج کل (۱۹۶۴ء) جو ہمارا سفیر ہے وہ شکر اسمگل کرتا تھا امریکہ میں ہمارا سابق سفیر افیم کا اسمگلر تھا اسمگلروں کے چار مشہور اڈے تھے سنگا پور۔ بنکاک۔ ہانگ کانگ۔ اور نیلا ہمارے آدمی چاروں جگہ کام کر رہے تھے سنگا پور تو ہمارے لئے سونے کی کان تھی وہاں کے گوداموں میں جتنا کپڑا تھا وہ ہم اٹھوا لائے تھے پھر انکشاف ہوا کہ انگریزوں کو رشوت دینا بھی مشکل نہیں یہ بزرگ ہم سے افیم لیتے اور فوجی اسٹور سے جوبی وردیوں کے گٹھڑا ٹھا کر ہمارے ہمارے حوالے کر دیتے بعد ازاں اس بات پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ اسٹور کو آگ لگا دیتے تھے ان دنوں ہر روز سنگا پور کے فوجی اسٹور میں کئی جگہ آگ لگتی تھی ۔

ہمارے فوجی جوانوں کی سچ دھج بھی دیکھنے کی ہوتی تھی ایک رجمنٹ کو دیکھا کہ کینڈین ٹوپیاں پہنے ہوئے ہے دوسری رجمنٹ انگریزی بلا و زیب تن کئے ہوئے تھی ایک صاحب نے مجھے ایک روز مجھے ایک پیکٹ تحفے میں لا کر دیا یہ آسٹریلیا کی زمانہ فوجی کور کا اسکرٹ ہے لانے والا بہت خوش معلوم ہوتا تھا کہہ رہا تھا کہ بہت عمفدہ مال ہے اور بالکل نیا نکور ۔ سکرٹ پہنتا تو میں کیا نہلا معلوم ہوتا میں نے اس کی فدو نیکریں بنوالیں اور کئی سال تک پہنیں ۔

میری کابینہ کے ایک عالی مقام رکن نے تماترا سے نو سیر سونا اور ۳۰ سیر چانسی اسمگل کی اور اس سے ہم نے بیس ہزار وردیوں کی قیمت چکائی یہ صاحب جن کا نام میاں غنی تھا ہالینڈ والے انھیں چھٹے ہوئے بد معاش کے نام سے یاد کرتے تھے لیکن ہماری کابینہ میں ان کا لقب وزیر اقتصادیات تھا۔

پیسے لے کر کام کرنے والے غیر ملکی طائع آزماؤں کے علاوہ کچھ دلی ہمدردی بھی تھے اوک روز ایک لڑکا سا آیا بولا میرا نام باب فریبرگ ہے میں امریکن ہوں اور پائلٹ ہوں آپ کے کس کام آسکتا ہوں ان دنوں ہانگ کانگ پرانے سیکنڈ ہینڈ ہوائی جہازوں کی منڈی بنا ہوا تھا ہانگ کانگ میں کیا نہیں مل سکتا گرہ میں دام ہونے چاہئیں ہم نے دو پرانے ڈکوتا جہاز خریدے اور باب فریبرگ مجھے جگہ جگہ اڑانے لئے پھرا افسوس کہ ۱۹۴۷ء میں جب وہ سماترا کے چھاپہ ماروں کے لئے روپیہ لے کر جا رہا تھا اس کا جہاز گر کر تباہ ہو گیا۔

ہندوستان نے بھی ہماری مدد کی یہ قیام پاکستان سے پہلے کا ذکر ہے سورا بابا کی لٹائی میں چھ سو ہندوستانی بھاگ کر ہم سے آئے یہ لوگ پیدائشی اسمگلر ہیں ہندوستان میں ان دنوں قحط پڑ رہا تھا یہاں سے یہ لوگ چا ول لے گئے اور جواباً ایک ہوائی جہاز ہمارے لئے اسمگل کر لائے یہ جہاز آدھی رات کو نیلا روانہ ہوتا تھا کافی اور کونین لے کر اور واپسی پر دو اڑوں مشیشنی پرزوں اور گولہ بارود سے بھرا آتا تھا۔

یاد رہے کہ ہالینڈ والوں نے انڈونیشیا کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی لیکن وہ اپنی ضرورت سے خود اسمگل کراتے تھے وہ یوں کہ انھیں میٹن اور ریڑکی سخت ضرورت تھی یہ شے انڈونیشیا سے خریدتے اور انگریزوں سے ڈچ لیتے تھے بے خبر اس کاروبار سے کوئی بھی نہ تھا پھر جب ولندیزیوں کو مجبور ہو کر مصالحت کے لئے مذاکرات کرنے پڑے تو سوکار نو صاحب کے وفد میں ایک دیہاتی ڈاکٹر لیمینار نامی شامل تھے یہ صاحب بعد ازاں نائب وزیراعظم بھی بنے مذہباً عیشائی تھے وفد میں تو شامل ہو گئے لیکن کپڑوں کے نام سے ان کے پاس فقط دو نیکریں تھیں اور دو قمیضیں ایک پہنے تھے ایک دھوتے تھے سرکاری نہ عورتوں میں جانے کے لئے ایک دوست سے مانگ کر ٹائی بھی پہن لیتے تھے سوکار نو نے کہا کپڑوں کا کیا کرو گے لیمینار صاحب۔ حب بولے فکر مت کرو میں اپنے کمرے میں جن صاحب کت ساتھ رہتا ہوں ان کا قد کاٹھ مجھی سا ہے اس کے کپڑے مجھے پورے تو فٹ نہیں آتے لیکن کام چل سکتا ہے ایک دو دن کی تو بات ہے



میں نے ان کا سوٹ ادھار مانگ لیا انڈونیشی ڈیلی گیشن میں کچھ اور لوگ بھی ایسے ہی تھے بلکہ بعضوں نے تو جوتے مانگے کے پہنے تھے ادھر ہالینڈ کے ڈپلومیٹ پورے کروفر کے ساتھ چرمی بریف کیس لئے بے داغ سوٹ اور ریشمی جیکٹ میں بنے ٹھنڈے آئے تھے انگریز جو غیر جانبدار فریق کے طور پر شریک تھے سبھی کے سبھی یا تو سر تھے یا لارڈ وہ جب ہمارے آدمیوں کو پوچھا کیسی لینسی کہہ کر خطاب کرتے تو ہمیں بہت مزا آتا تھا۔

صدر سویکار نو آزادی کے مزے بیان کرتے ہوئے اپنی رام کہانی میں فرماتے ہیں اب ہم نے بین القوامی دنیا میں بھی پر پرزے نکالے اور سب سے پہلے عرب لیگ ہندوستان، برما، افغانستان، چین، امریکہ، برطانیہ، اور چیکو سیلو ویکیا سے اپنے سفارتی تعلقات قائم کئے فلپائن میں ہمارے پہلے ہزار ایکسی لینسی سفیر کی تنخواہ چھ ڈالر تیس روپے فی ہفتہ تھی سفارت خانہ ایک حجام کے گھر میں واقع تھا اور وہیں سفیر صاحب اور ان کی بیگم کھانا بھی کھاتے تھے ایک روز صدر فلپائن نے یاد فرمایا تو یہ اسی نائی کا کوٹ ادھار مانگ کر پہن کر گئے ایک روز سفیر صاحب کی کل پونجی بیس سینٹ یعنی سوا روپے کے لگ بھگ رہ گئی تو میاں بی بی نے بازار سے تین سیب خریدے اور ان کو پانی کے ساتھ کھا کر دو دن گزار دیئے۔ جب ہندوستان اور چین نے اپنے تو قص خانے جو گجا کرتا میں کھولے تو میں نے ان کو سرکاری ضیافت دینا مناسب خیال کیا برتنوں کے نام سے میرے پاس پلاسٹک کی چند ہری پیالیاں اور پرچیں تھیں آخر میرا آدمی مطہر بھاگا بھاگا بازار گیا اور ایک چینی ریسٹوران سے پلٹیں اوتر چھری کانٹے مانگ کر لایا دستر خوان وغیرہ پڑوس کے گھروں سے اکٹھے کئے۔

ہمارا پہلا ہم مہمان فلپائن کے صدر مولو صاحب تھے مشروبات کے نام سے ان کو ہمارے ساتھ پانی پینا پڑا شراب کہاں سے لاتے۔

ہر ملک کے صدر کا ایک فوجی افسر ایڈی کانگ بھی ہوتا ہے اس کے بغیر کروفر پورا نہیں ہو سکتا ایک لڑکا

مجھے پسند تھا میں نے اس سے کہا دیکھو میاں آج سے تم لفٹیٹ --- سمجھے

وہ بہت خوش ہوا اور مجھے سلام کیا لیکن اس کے بعد میرے ایک مشیر نے کہا یہ آپ نے کیا کیا ہالینڈ کی ملکہ جو لیانا فقط ایک کروڑ باشندوں پر حکمران ہے لیکن اس کا ایڈی کانگ کرنل ہے سات کروڑ کے حکمران صدر جمہوریہ انڈونیشیا کا ایڈی کانگ محض ایک نفٹیٹ کہتے تو تم ٹھیک ہو میں نے کہا بلاؤ ذرا نفٹین صاحب کو،

نفٹین صاحب آئے تو میں نے کہا تم کب سے نفٹین ہو۔

جناب کوئی ڈیڑھ گھنٹے سے ہیں اس نے سلوٹ مار کر کہا۔

خیر ہم ایم نو جوان قوم میں اور تیزی سے ترقی کرنا چاہتے ہیں آج سہ پہر سے تم میجر۔

ان دنوں میں جب جی چاہتا جو گجا کرتا کی گلیوں میں نکل جاتا کبھی بچوں کے ساتھ گیند کھیلتا کبھی کسی گھر میں داخل ہو کر گرم گرم سبزیوں کا ذائقہ چکھتا کسانوں سے ان کا احوال پوچھتا کیسے ہو بال بچے راضی،،

لوگوں نے بھی آزادی کا مطلب جو چاہا سمجھا ٹرام میں کسی نے کرایہ مانگا تو ٹکے سا جواب دیتے کیسے پیسے اب ہم آزاد نہیں کیا،، ہماری فوج افواج کی پہلی سالگرہ پر مناسب سمجھا گیا کہ گھوڑے پر بیٹھ کر جائزہ لوں مشکل یہ تھی کہ مجھے گھوڑے کی سواری نہ آتی تھی۔

کیا کرو گے فاطمہ دتی نے پوچھا۔  
سیکھوں گا کسی سے میں نے کہا۔

لیکن پریڈ تو کل ہے۔

پھر تو ایک دن میں سیکھنا ہوگا،،

آخر میں نے ایک افسر سے کہا بھائی میرے لئے کوئی بہت مسکین، ضعیف سال خردہ نیم مردہ گھوڑا ڈھونڈ کے لاؤ رسم ہی تو پوری کرنی ہے،،

لیکن افسر نے کہا۔۔۔ نہیں جی نہیں صدر کی سواری کوئی مذاق نہیں ہے جو ان درشنی گھوڑا آئے گا میں اس پر سوار تو ہو گیا لیکن باجے گاجے بجے تو بدک کر بھاگا میری جان نکلی جا رہی تھی لیکن اتنے لوگوں کے سامنے بیٹھی کیسے کراتا تن کر سیلوٹ کے لئے ہاتھ اٹھا لیا اور اسلامی یعنی شروع کی اس حیوان کے جی میں بھی نیکی آئی اور اس نے مجھے نیچے بچھا نہیں،،

زاں پیشہ کہ ہم انڈونیشیا سے آگے چلیں اور صدر سویکار نو سے اجازت لیں ایک بے تلف ٹکڑا ان کی سوراخ میں سے اور ملا حظہ ہو موقع یہ ہے کہ پہیرو شیمہ پر ہم پڑا اور جاپانیوں کو اپنا حشر سامنے دکھائی دیا تو انھوں نے طے کر کے کہ انڈونیشیوں کو آزاد کر دیا جائے کچھ لیڈروں کو ہوائی جہاز میں سائیکون طلب کیا واپسی پر جہاز ہمیں ملا وہ ایک بمبارہ تھا جس میں جا بجا گولیوں کے سوراخ تھے اس میں بس پائلٹ اور کوپائلٹ تھے یا ہم سیٹیں بھی نہ تھیں یا تو کھڑے ہو یا سارا وقت لیٹے رہو اتنی بلندی پر سردی میں بیچ ہو رہے تھے ٹمپرچر کنٹرول کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا حتیٰ کہ بیت الخلا بھی نہیں تھا۔

مجھے تو زوروں کا پیشاب لگ رہا ہے میں نے ایک ساتھی سے کہا اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ اور تو کوئی جگہ ہے نہیں یہیں کر لو،،

تھوڑی دیر تک تو میں نے ٹالا پھر اٹھ کر جہاز کے عقبی حصے میں گیا اور وہاں بیٹھ کر پیشاب کیا ستم یہ ہوا کہ اسی لمحے گولیوں کے سوراخوں میں سے ہوا کا جھونکا آیا اور اس نے ایک زور وار تریڑے کی صورت سب کچھ اچ کر میرے پاک صاف ساتھیوں پر ڈال دیا بیچارے بیٹھے بیٹھے شرابور ہو گئے۔ ایسے جہاز میں واپسی علامت تھی اس بات کی کہ اب جاپانیوں کو ہم سے توقع اٹھ گئی ہے لیکن ہم تو اسے بھی ان کی شرافت ہی کہیں گے کہ واپسی کے لئے سواری سی لیکن جانے کو نہیں کہا۔

## متفرقات انڈونیشیا

اگر آپ کو کچھ شد بد ہندی کے سنکرت الاصل لفظوں کی ہے اور کچھ دحل عربی میں بھی ہے الفاظ کی حد تک سہی تو انڈونیشی زبان کے بہت سے الفاظ آپ کے لئے اجنبی نہ نکلیں گے یہی بات آپ ملائیشیا کے بارے میں بھی سمجھتے اگرچہ رسم الخط کا فرق رہے گا انڈونیشیا والے رومن رسم الخط رکھتے ہیں ملائیشیا میں عربی رسم الخط بھی چلتا ہے پھر رومن میں ایک ہی لفظ کے جے انڈونیشیا والے کچھ کریں گے ملائیشیا والے کچھ وہ اس لئے کہ انڈونیشیا دندیوں کے تحت تھا اور یہ ملک انگریزی کے سایہ عاطفت میں رہے انڈونیشیا میں ج کے لئے dj لکھنا ہوگا کیونکہ خالی جے جے کا تلفظ ی یا ژ کا ہے ملا یا اور سنگا پور میں انگریزی کا سا تلفظ ہے مشہور جرنیل ناسوتیاں کو ہمارے ہاں بہت سے لوگ ناسوشن لکھتے ہیں یہ خیال کر کے وہاں station کا مطلب شن ہی ہوگا یہ بات نہیں ہے یہ سچ ہے کہ اب انڈونیشیا کے لوگ بھی ڈچ سے دور اور انگریزی زبان سے قریب آرہے ہیں اور اس کا اثر تلفظ بھی پڑے گا بھوں کی اصلاح بھی ہو رہی ہے کی آواز ڈچ حساب سے دہی ہے جو انگریزی میں u کی ہے سوکار نو کو ہم لوگ سوئکارنو اس لئے لکھتے ہیں کہ رومن حروف میں وہ بالعموم soekarno لکھا جاتا ہے نئی کتابوں میں اس کی بجائے u ہی ہے خود سوکار نو صاحب کو دستخط کرنے ہوں تو پیچھے انگریزی میں ٹائپ ہیں sukarno ہی لکھا ہوگا لیکن دستخط تو عمر بھر کی عادت ہیں ان کا بدلنا ایسا آسان نہیں ان میں وہی oe برقرار ہے انڈونیشیا کے مشہور اور مرحوم سوشلسٹ رہنما کو ہمارے ہاں سلطان شہر یار لکھا جاتا ہے سلطان تو خیر وہ نہ تھے سوتن تھے لیکن sjahrir کو جو بعض لوگ سجاہریر پڑھتے رہے وہ بھی غلط تھا کیونکہ sj کا مطلب ش ہے شہر یار تھے یا کچھ اور۔۔۔۔۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔

انڈونیشیا میں اسلام آنے کی طرح کوئی چھ سات صدی پہلے آیا وہ پرانا نہیں اس سے پہلے یہاں مقامی ہندو بادشاہتوں کے اثرات زیادہ رہے ہیں بالی کے جزیرے میں تو ہندو اب بھی خاصی تعداد میں ہیں اور ہندو

روایات اور اساطیر انڈونیشیا زندگی میں رسی بسی ہیں رامائن اور مہارات وہاں کے تہذیبی ورثے میں شامل ہیں رقص سے لے کر دیگر تفریحات اور مہا بھارت وہاں کے تہذیبی ورثے میں شامل ہیں رقص سے لے کر دیگر تفریحات کھ پتلیوں اور نقابوں تک پران کی چھاپ پے پرانے طرز تعمیر پر بھی ہندو اثرات غالب تھے پھر ان کی جگہ مغربی اثرات نے لی مسجدوں کا طرز تعمیر بھی وہاں ہم سے الگ ہے بیچ کا گنبد تو خاصا بڑا ہوتا ہے بلکہ نصف کڑے سے زیادہ لیکن کونوں کے منارے اونچے نہیں ہوتے ویسے مسجدیں بھی ایک وضع کی نہیں کئی وضعوں کی دیکھنے میں آئیں اس کا ذکر میں ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ انڈونیشیا میں قریب قریب سبھی مسلمان شافعی مسلک کے ہیں شیعیت ان جزائر میں کبھی نہیں پہنچی احمدی حضرات البتہ تھوڑی سی تعداد میں ہیں ۔

آبادی کا نمایاں حصہ مسلمان ہونے کے باوجود انڈونیشیا میں دوسرے مذہبوں سے رواداری برتی جا رہی ہے ایک عمارت عالی شان ہمارے ہوٹل سے کچھ دور اور سرینا ڈیپارٹ منٹل اسٹور کے سامنے بن رہی ہے معلوم ہوا یہ امور مذہبی کے لئے وقف ہوگی ہم نے پوچھا یہاں اسلام پر ریسرچ ہوگی کیا ہمارے دوستوں نے بتایا کہ نہیں یہ سبھی مذاہب کے لئے ہے ویسے اسلامی اور اسلام پسند سیاسی اور غریب سی جماعتوں نہضتہ العلماء وغیرہ کا اثر بھی خاصا ہے نہضتہ العلماء یا مشومی جماعت سے صدر سویکار نو کی کبھی نہ بنی خود پختہ عقیدے کے مسلمان ہیں اسلام سے والہانہ شیفتگی رکھتے ہیں لیکن سیاست میں ان کا نظر اول تا آخر قومی ریا ہے سارے سیاسی فلسفوں پر ان کی نظر ہے۔

سویکار نو کو زیادہ بنگ کار نو کہتے ہیں بنگ کا مطلب ہے بھائی یعنی ساری قوم ان کو بڑا بھائی کہہ کر خطاب کرتی تھی س ہندی سنسکرت کی طرح تحسین کے معنوں میں آتا ہے جیسے پوت سے سپوت دیسی سے سدیشی ہندی میں ہے۔۔۔ سکار نو کا مطلب اچھا کار نو قابل تحسین کار نو ہوا خالی نام کار ٹھہرا اور ان کے دوست ان کو کار نو ہی کہا کرتے تھے سوکار نو صاحب کی خود نو پشت سوانح عمری سے معلوم ہوا



کہ یہ مہا بھارت کے مشہور کردار کرن کا انڈونیشی روپ ہے بعد میں کسی نے اس کے ساتھ احمد بھی لگا دیا جانے کیوں احمد بھی بھی سوئکار نو کے نام کا جزو نہیں رہا عورتوں کے ناموں کے ساتھ دیوی اور وتی ہوتی وغیرہ بھی پرانے ہندو اثرات کے گواہ ہیں ۴ اصلک واجب۔ مکان۔ عمر۔ کتاب۔ عموم۔ وغیرہ ان سب ناموں سے ہمارے کان آشنا ہیں دنوں کے نام تو خالص عربی ہیں پیر کو اٹھین کہتے ہیں سنگل ثلاثہ ہے بدھ رابع جمعرات خضامس اوتر جمعہ کو جمعہ لکھا اور بولا جاتا ہے ہفتے کو سبتو کہتے ہیں اتوار کے لئے البتہ لفظ احد بھی استعمال ہوتا ہے اور مقامی لفظ منگو بھی کچھ اور الفاظ سنئے زبان فقیر۔ مشاورت۔ تعلیم۔ قلم۔ تقوے مسکین۔ عادیہ وغیرہ ہندی اثرات کے ثبوت میں روتی ( روٹی ) مرتچا ( مرچ ) اور دوت سفیر کو پیش کیا جا سکتا ہے خاتمہ کلام پر اخیر الکلام کہتے ہیں یہاں مکتب بھی ہیں ہماری طرح مسجدوں کے ضمیمے کے طور پر لیکن اپنے اچھے پڑھے لکھے انڈونیشی دوستوں کو دیکھا کہ عربی رسم الحض نہیں پڑھ سکتے کچھ لوگ پڑھتے بھی ہیں اور ملائیشیا میں چھپی ہوئی مشترک روایات کی کتابیں عربی رسم الحض اور ملائیشیا میں لکھی ہوئی خریدتے بھی ہیں لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں ہر طرف رومن کا چلن ہے اور اے پاکستانی بھائیو سنو جوانگی کا تناسب وہاں سو فیصدی کے لگ بھگ ہے سبھی پڑھے لکھے نہیں تو پڑھے تو ضرور ہیں ۔

جن جن ملکوں میں موٹریں سڑک کے داہنے ہاتھ چلتی ہیں وہاں ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ اب ٹکر ہوئی کہ ہوئی افغانستان م ۹ میں بھی ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے یونہی الٹی گنگا بہتی ہے پشاور کا بل جاتے ہوئے پاکستان کے علاقہ میں تو وہی ڈرائیور بائیں ہاتھ گاڑی رکھتا ہے لیکن تو زخم سے سرحد کی لکیر گزرتے ہی داہنے ہاتھ کو ہوجاتا ہے فلپائن میں بھی یہی دیکھا کیونکہ وہ ہسپانوی اثر کے تحت رہا ہے ہالینڈ میں بھی یہی توقع تھی لیکن وہاں ہماری طرح بائیں ہاتھ کا رواج ہے بس یہ ایک نشانی رہ گئی ہے کہ یہاں انگریز کا عمل و دخل رہا ہے یا پھر رہنمائی کا نام ہے کہ انڈونیشیا ہو یا ملائیشیا ہر جگہ آپ کے حسن کے شیطان مشہور تر ۔ کچھ لوگ تو یہ مشابہت ان کی شہرت کے علاوہ ان کے خصائل میں بھی ڈھونڈت ہیں لطف



یہ ہے کہ عہد اس کا فقط چار سال رہا لیکن بوگور کا مشہور نباتاتی باغ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ریفلز نے داغ بیل ڈالی میوزیم دیکھا تو معلوم ہوا اسی بنایا تھا سنگاپور میں تو خیر ہوٹل باغ۔ سرائیں محل بھی ریفلز کے نام پر ہیں طبیعت کے لحاظ سے زر پسند اور جاہ پسند یا امپیریٹ تو تھا لیکن انڈونیشی تہذیب و ثقافت پر اس کی گہری نظر تھی اس نے انڈونیشیا دوبارہ ولندیوں کے قبضے میں گیا تو انھوں نے سارے طور طریقے یکسیر بدل ڈالے ہالینڈ والے جزائر مشرق الہذا کے علاوہ سنگاپور اور جزیرہ نما ملایا میں بھی در آئے تھے آخر یہ بند ر بانٹ ہوئی کہ انگریز انڈونیشیا سے نکلے اور ولندیوں نے سنگاپور کا پنڈ چھوڑا خیر یہاں ذکر ٹریفک کا تھا کہ ولندیوں کیا جاپانی تک دھارے کا رخ نہ بدل سکے۔

ٹریفک کے ذکر میں سنئے کہ کاروں، ٹرکوں کی ریل پیل یہاں کراچی سے بھی زیادہ نظر آئی ایسے ٹریفک جام دیکھے کہ ہمارے ملک میں جب جاپانیوں سے رسنگاری کے بعد سوئیکارنو نے آزادی کا اعلان کیا تو کسی لیڈر کیا صدر موصوف کے پاس کوئی کار تک نہ تھی ان لوگوں میں سے کوئی گاڑی چلانا جانتا تھا حتیٰ کہ سوئیکارنو صاحب بھی سائیکل کی سواری کرتے تھے لیکن اتنی بڑی جمہوریہ کے صدر کے لئے گاڑی تو چاہئے ہی تھی آخر کسی نے بتایا کہ ریلوے کے فلاں جاپانی افسر کے پاس ہے سات آدمی اس میں بیٹھ سکتے ہیں اور پردے بھی اس کے پیچھے لٹکے ہوئے ہیں ایک شخص بھاگا بھاگا گیا اور گراج میں سے اسے چرا لایا انڈونیشی ڈرائیور بھی محب وطن تھا اس نے پہلے تو تعجب کیا پھر انکار کیا لیکن جب اسے بتایا کہ یہ صدر کی سواری کے لئے ہے بولا یہ لو جی چابیاں لیکن مجھے چھٹی۔ وہ تو اپنے گھر بھاگ گیا جو کسی گاؤں میں تھا یہ لوگ گاڑی دھکیل کر صدر کے محل تک لائے۔

انڈونیشیا

۱۹۶۷ء

## سنگا پور میں قدم رنج

سنگا پور کے جزیرے کا رشتہ جزیرہ نمائے ملایا سے ایسا ہی ہے جیسا منورہ کے جزیرے کا کراچی سے جہاں ہمارے ہاں کیاڑی ہے وہاں ملائیشیا کا شہر جوہور ہے جوہور کا نہیں تو سلطان جوہور کا نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا اسی تذکرے میں ہم عرض کر دیں کہ ہانگ کانگ بھی اسی طرح جزیرہ ہے اور اس کا رشتہ بھی سر زمین چین سے ایسا ہی ہے فرق یہ ہے کہ سر زمین چین کی نوک کا ایک سرا بھی انگریزوں کی عمل داری میں ہے اسے کولون کہتے ہیں اور کولون کے ریلوے اسٹیشن سے چل کر ریل گاڑی میں کینیٹین۔ پیکنگ۔ شنگھائی غیرہ سیدھے جا سکتے ہیں لیکن ہانگ کانگ اور کولون ہر چند کہل کرایک سیاسی وحدت ہیں اور مجموعاً ہانگ کانگ ہی کہلاتے ہیں لیکن ان کے درمیان پل وغیرہ کا سلسلہ نہیں بس فیری چلتی ہے جسے اردو میں بیڑی کیئے سنگاپور اور ملائیشیا کے درمیان کی کھاڑی پر البتہ پل ہے پون ایک میل لمبائی پل پار کیجئے اور ملائیشیا میں داخل ہو جائیے جا کرتا سے گیرو ایئر لائن کا طیارہ کوئی بیس منٹ کی دیر سے چلا بعد ازاں معلوم ہوا کہ یہ تاخیر ہمارے اعزاز میں ہوئی ہے تو ہم یہ سوچ کر آبدیدہ ہو گئے کہ ایک لوگ ہیں اور ایک ہمارے وطن عزیز کے پی آئی اے والے ہیں کہ ایک روز ہمیں بس پانچ منٹ کی دیر ہوگئی تھی راستے میں رک کر انسان چائے کی ایک پیالی بھی نہ پیئے پان بھی نہ کھائے ان لوگس نے جہاز کے دروازے بند کر کے سیڑھی کھینچی لی ہم نے بہت کہا کہ ہم شاعر آدمی ہیں اتنی ڈھیل تو ہمیں دے دو لیکن وہ ان نفاستس کو کیا جانیں الٹا ہماری دل آزادی کے لئے یہ کہا کہ ہم تو لاٹ صاحب کے لئے بھی جہاز لیٹ نہیں کرتے شاعر کیا چیز ہوتا ہے۔

لیکن انڈونیشیا کے گیرو داائر لائن نے بھی مشرقی واعداری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا سامان کے معاملے میں بھی خاصی مروت برتتے ہیں اگر کانٹے پر زون ۴۴ پونڈ زیادہ ہو جائے تو منہ دوسری طرف کر لیتے

ہیں جیسے دیکھا ہی نہیں ہمارے پاس وزن چودہ پونڈ زیادہ تھا لیکن کاؤنٹر والے صاحب نے کہا ٹھیک ہے جی چودہ پونڈ سے کیا فرق پڑتا ہے اس کے مقابلے میں سنگاپور سے وطن واپسی پر کینٹا زوالوں نے محض اتنی سی بات پر کہ ہمارے پاس تیس پونڈ وزن زیادہ ہو رہا تھا ایسی بے مہری اور سرد مہری برتی کہ جو تہکدے میں کریں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری قصہ جہاز کی روانگی میں تاخیر کایوں ہے کہ سوا سات بجے جب جہاز نہ چلا تو لوگوں میں کھسر پھسر شروع ہوئی کہ کیا بات ہے مسافروں کو آواز کیوں نہیں پڑی انڈونیشیا انقلابات کی سر زمین ہے اس لئے جہاز کی تاخیر کی کچھ بھی وجہ ہو سکتی تھی ایک صاحب نے کہا اس جہاز سے سوکارنو صاحب کو جلا وطن کیا جا رہا ہے دوسرا بولا مسافروں کی تلاشی ہوگی ایک انڈونیشی قلی ہمارے قریب آکر کچھ فقرے بول گیا اور کچھ اشارے کر گیا لیکن انڈونیشی زبان ہمیں آتی نہیں اور ان لوگوں میں ہمارا شمار کبھی نہیں ہوا جن کے لئے اشارے کفی ہوتے ہیں لہذا معذرت کر کر رہ گئے بھین اپن کی سمجھ میں نا آوت۔

ہوائی اڈے کا لاؤنچ میں یوں بھی طلبا نے دھا چو کڑی مچا رکھی تھی ایک پورا جتھا امریکہ کے بیٹینگ طلبہ کا تھا جن کو انڈونیشی طلبہ کی جماعت کامی کے رضا کار اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے بقول شخصے ان کی ناسوں میں دھواں دے رہے تھے انتظار سے تنگ آ کر ہم پچیس روپے میں شربت کا ایک گلاس بھی پی آئے کیونکہ گرمی بہت تھی اتنے میں ایک شخص بھاگتا ہوا آیا کہ ابن انشا کون صاحب ہیں ہم نے عرض کیا کہ رائنڈہ کوئے تباں ہمیں ہیں کیا ارشاد ہے اس نے فہما نشا کہا کہ کسٹم میں چلے اپنے سامان کی پڑتال نہیں کی جاتی ہم سمجھے یہاں بھی نہ ہوگی پاسپورٹ پر مہریوں نہ کرائی تھی کہ اس پر جگہ ہی باقی نہ تھی ع

مگر کہ زندہ کئی خلق راو باز کشی

خیر یہ تو اپنی بات ہے فی الحال واقع ہم بھول گئے تھے اب ان صاحب کے ساتھ کسٹم میں گئے صرف

میں گئے صرف ہمارا سوٹ کیس دھرا تھا کسٹم افسر نے کچھ پوچھے بغیر محض ہماری شکل دیکھ کر کہ ایسا مسکین آدمی کیا بے ایمانی یا اسمگلنگ کرے گا ہمارے سامان پر چاک کا نشان کر دیا امیگریشن والوں نے بھی چپکے سے مہر لگا دی ہم نے کہا کہ آدمی سے رفع شک کے لئے پوچھا کہ جہاز کیوں لیٹ ہوا اس نے کہا جناب آپ کے سامان کی چیکنگ کی وجہ سے اب جلدی کیجئے اور طیارے پر تشریف لے چلئے۔

خدا جانے سمگھا پور یا سنگار پور اس شہر کا نام کس سکھ نے رکھا کیونکہ شہر یہ چینوں کا ہے بیشک سکھ بھی یہاں بہت ہیں جابجا ٹیکسی ہانکتے اور بانی کرتے اور کانوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں لیکن اسی پچاسی فیصد آبادی چینی ہے باقی باقی میں کچھ ملائی کچھ ہندوستانی نسل کے لوگ اور کچھ یورپین اور یوریشن ہندوستانی میں سے اکثر جنوبی اور سیلون کی طرف کے ہیں دکانداروں میں سندھی ہندو بھی خاصے ہیں اور کچھ شمالی ہند اور پاکستان کے ہندو مسلمان۔ سنگا پور۔ ہانگ کانگ۔ وغیرہ کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ جس طرح غالب کے زمانے میں عیش حسین خان کے لئے بنا تھا اسی طرح درباری اور چوکیداری سکھوں کے لئے ایجاد ہوئے ہیں بڑے بڑے ہوٹلوں۔ کلبوں اور اسٹوروں والے شاندار لہراتی ہوئی بابا کرسمس کی سی داڑھیوں والے سکھوں کو لال نیلی وردیاں پہننا کر دروازوں پر کھڑا کر دیتے ہیں یہ محض آرائش کی چیز ہوتے ہیں درباری اور چوکیدار تو محض ثانوی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ایک سکھ بابا کو ہم نے یوں بھی دیکھا کہ صدر دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا بھی ہے اور خرائٹ لیتا ہوا سو بھی رہا ہے بچ رہا ہے اور با آواز ہے سال گزشتہ تو ہانگ کانگ میں ہماری وجہ سے دو سکھوں میں کھٹ پٹ بھی ہو گئی ہوا یہ کہ ہمیں ایک بلڈنگ کے دروازے پر دو سکھ نظر آئے تو ہم نے ایک سے پوچھ لیا کہ سردار جی سے مشورہ کیا اور اسی میں اختلاف رائے ہو گیا ایک نے دوسرے کو طعنہ دیا کہ تم بھی سکھ ہی ہو بارہ برس سے یہاں ہو اور اتنا نہیں جانتے دوسرے کو یہ بات بری لگی کہ اے سکھ کہا گیا ہے اس نے بھی ترکی بلکہ پنجابی بہ پنجابی جواب دیا آخر ہم چپکے سے سٹک گئے اور کسی اور سے پتہ

پوچھا معلوم ہوا کہ ہمیں اسی بلڈنگ کی تلاش تھی جس کے دروازے پر یہ دونوں سردار جی مدت العمر سے پہرہ دے رہے تھے۔

یاد رہے کہ سنگاپور ایک زمانے میں ہمارا گرائیں بھی رہا ہے یونی ہندوستان ہی کا جزو تھا تاریخ اس شہر کی یہ ہے کہ سٹورڈ ریفلیز صاحب نے جن کا ذکر انڈونیشیا کے ضمن میں ہم کر آئے ہیں کیونکہ یہ جاوا کے برطانوی گورنر جنرل بھی رہے۔۔۔ ۱۸۱۹ء میں سلطان جوہور سے اس امر کی اجازت لی کہ اس جزیرے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایک تجارتی کوٹھی قائم کر لیں سلطان نے اجازت دی یا دینی پڑی اس کے پانچ سال بعد ریفلیز صاحب نے سلطان سے ایک اور معاہدے پر دستخط کرا لئے اور یوں چین اور ہندوستان کی تاریخ دہرائی گئی یعنی اعرابی کے اونٹ نے پورے خیمے پر قبضہ کر کے اعرابی کو باہر نکال کیا اب پورا جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بادا کی جا گیر ہو گیا ۱۸۳۰ء میں اسے احاطہ بنگال میں شامل کیا گیا اور ۱۸۵۱ء میں یہ براہ راست گورنر جنرل انڈیا کے زیر نگیں ہو گیا اب آزاد ہے لیکن آزادی کے فرغل میں اب بھی کچھ پیوند ولایتی کپڑے کے ہیں یعنی برطانیہ کو فوجی اڈہ رکھنے کی اجازت ہے لیکن اب جبکہ سارے مشرقی بعید میں برطانیہ کا ٹھٹھہ دہراہ گیا ہے ٹامی بنجارہ یہاں سے بھی لاد چلنے کی فکر میں ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں وہ سنگاپور جس کے استحکام کا ایسا شہرہ تھا پکے ہوئے پھل کی طرح جاپانیوں کی گود میں آن گرا ہم لوگ تو خیر انگریز کی ہر چیز کو اس کی حکمت عملی سمیت لوہاٹ سمجھتے تھے سرادک اور ملایا کے امیروں اور سلطانوں کو بھی کچھ ایسا ہی گمان تھا کہ شغال جاپان نے ادھر دانت آزمانے کوشش کی تو شیر برطانیہ ایک پنچہ مار کر اس کا بھرکس نکال دے گا لیکن آزمائش کا وقت آیا تو مولوم ہوا کہ کم از کم سنگاپور کی حد تک شیر برطانیہ کا غدی شیر تھا،

ملایا کا پانی حملے کا آغاز ۸ دسمبر ۱۹۴۲ء کو ہوا اسی روز چار بجے صبح سنگاپور پر پہلی بمباری ہوئی ساٹھ آدمی



ہلاک ہو گئے دو دن بد برطانیہ کا مایہ ناز جنگی جہاز پرنس آف دیلز اور کروزر رری پلس جاپانی تار پیڈو اور بم کھا کر سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے ۲۱ جنوری کو حملہ آور ملایا کوزیر کر کے آبنائے جوہور پر پہنچ گئے تھے جو سنگاپور کو سر زمین ملایا سے جدا کرتی ہے ۷ فروری کو جاپانی سنگاپور کے جزیرے میں گھس آئے اور ۸ فروری کو سنگاپور کا قصہ تمام تھا۔

جاپانی کمانڈر انچیف جرنیل یاماشیتا اور برطانوی کمانڈر اے پر سیول کے درمیان اس موقع پر جو سوال و جواب ہوئے وہ خاصی عبرت کا سامان ہیں۔

یاماشیتا،، دیکھے صاحب جواب سید ہا صاف اور مختصر چاہئے آپ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالتے ہیں یا نہیں اور کچھ نہیں سننا چاہتا۔

پرسیول،، ہوں

یاماشیتا،، کیا انگریزوں کی قید می کوئی جاپانی سپائی ہیں۔

پرسیول،، نہیں ایک بھی نہیں

یاماشیتا،، اور جاپانی باشندے؟

پرسیول،، جن جاپانیوں کو نظر بند کیا گیا تھا انھیں ہندوستان بھیجا جا چکا ہے

یاماشیتا،، اچھا تو آپ ہتھیار ڈالتے ہیں یا نہیں اگر ڈالتے ہیں تو غیر مشروط طر پر ڈالتے ہاں یا نہ جواب دیجئے۔

پرسیول،، جکل تک کی مہلت دیجئے۔

یاماشیتا،، ہر گز دی جاسکتی ہم آج رات حملہ کر دیں گے۔

پرسیول،، اچھا آج رات ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تو دیجئے۔

یاماشیتا،، معلوم ہوتا ہے ہمیں حملہ کرنا ہی پڑے گا ہاں میں یا نہ میں جواب دیجئے۔



پر سیول،، چپ

یاماشیتا،، مجھے کن جواب چاہئے غیر مشروط حوالگی چاہئے جواب دیجئے ۔

پر سیول،، اچھا صاحب

یاماشیتا،، اب آئے نہ راہ راست پر ۱۰ بجے رات جنگ بندی کا حکم ہو جانا چاہئے ۔

## جوہور اور واپسی

دنیا کا کون شہر ہے جہاں قابل دید چیزیں نہیں ہم دکھانے پر آئیں تو کراچی میں بھی بہت کچھ دکھا کر سیاح کو حیران کر سکتے ہیں اگر تاریخی آثار، محلات اور باغات تو ہر پرانے شہر میں مل جاتے ہیں لیکن اونٹ گاڑی تو بغداد ایتھنز، قاہرہ وغیرہ میں چرخ رخ زیبالے کر ڈھونڈیں جب بھی نہ ملے گی۔

لاہور میں بھی کئی مقامات دیدنی ہیں مغلیہ خاندان کے دو اندیش حکمرانوں نے کیمرے اور دور بینیں لے کر یورش کرنے والے سیاحوں کی ضرورت کا ابدازہ پہلے سے طے کر لیا تھا ایک بادشاہ قلعہ بنا گئے اور اس کے درو دیوار پر شیشے کا نچ وغیرہ لگا گئے کہ دیکھو اور حیرت کرو ایک اور بادشاہ نے ایک اونچی سی مسجد بنا دی جس کو مسجد یں دیکھنے کا شوق ہو لال رنگ کی شاہی مسجد دیکھ لے کچھ سیاحوں کو فاتحہ پڑھنے اور شاعروں وغیرہ کے مزار دیکھنے کا شوق ہوتا ہے ان کی سہولت کے لئے قوم نے علامہ اقبال نام کے ایک بڑے شاعر کو مار کر عین مسجد اور قلعہ کے درمیان دفن کر دیا تا کہ کم فرصت سیاہ

سیاح ایک جگہ سب کچھ دیکھ کر واپسی کے لئے جہاز پکڑ سکیں مزید دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ملکہ نور جہاں نے بھی یہیں انتقال کرنا اور مزار بنوانا پسند کیا ادھر باغبان پورے کی طرف جگہ خالی تھی جگلیاں

وغیرہ ابھی نہیں پڑی تھیں نہ کسی ہاؤسنگ سوسائٹی والوں نے برڈ لگایا تھا وہاں ایک باغ بنا دیا گیا اور بیچ میں کچھ درخت لگا کر چونچے بنا دیئے یہ شالا مار باغ ہو گیا سنگاپور آکر ہمارا بس چلتا تو ہم اپنے ہوٹل کے کمرے میں چادر تان کر تصور جاناں فلاں کءے پڑے رہتے لیکن مجبوری یہ تھی کہ کوئی میزبان ہمیں گھسیٹ کر لے جاتا تھا کہ آؤ تمہیں فلاں باغ دکھائیں فلاں گرجا بہت خوبصورت ہے حالانکہ سنگاپور اور ہانگ کانگ میں آدمی درو دیوار اور تابع مہمل ہے خرید کے لئے کیئے سنگاپور اور ہانگ کانگ کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی مسافر جیب سے ایک لمبی سی فہرست نکالتا ہے جس میں عزیزوں اور دوستوں اور اس کی اپنی فرمائشیں درج ہوتی ہیں وہاں سے رخصت ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں میں پھولے ہوئے تھیلے اور بچے ہوتے ہیں گلے می کیمرہ اور ایک ہاتھ میں ٹرانز ہوتا ہے اور سوٹ کیس کو دو قلی مل کر اٹھا ئے ہوتے ہیں آپ کتنا ہی ٹورسٹ لٹر پچر مسافر کے سامنے پھیلائیں وہ سنگاپور میں ریفلیز پلیس، اسٹفورڈ روڈ اور آرچر ڈ روڈ کے علاوہ کوئی اور جگہ دیکھنے کا ردا دار کم ہی ہوتا ہے۔

ہانگ کانگ میں چیزیں ارزاں تر ہیں لیکن ارزاں سنگاپور میں بھی ہیں بس انیس بیس یا اٹھارہ بیس یا سترہ بیس کا فرق ہوتا ہے کپڑے اور پوشاکیں بہت سستی پیسے والے کے لئے کیمرے گھڑیاں، ریڈیو، ٹیلی ویژن کرشمہ دامن می کشد کہ جا اینجاست

لیکن دوکانوں پر قیمتوں کا فرق بھی ہے ریفلیز پلیس میں جہاں عوامی چین والوں کا اسٹور ایپوریم، اور دوسری بہت سی دکانیں ہیں جو شے رابنس کے مشہور اسٹور سے دس ڈالر میں ملے گی دوسری جگہ چھ ڈالر میں بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔

یہاں خریداری کا اصول یہ ہے کہ دکاندار دس ڈالر مانگے تو پانچ ڈالر کہئے چھ سات ڈالر پر سو داپٹ جائے گا لیکن فارمولا دکاندار کو بھی معلوم ہے وہ قیمت ہی تین گنی بتائے گا تا کہ کم کر کے بھی دگنے پر بیچ سکے ایک روز یہی محسوس کر کے کہ آدھے داموں چیز دے کر بھی یہ لوگ لوٹتے ہیں ہم نے

یہ کہا کہ دکاندار نے ایک سوٹر کے دس ڈالر بتائے ہم نے کہا دو ڈالر دیں گے اسے ایسا گاہک کبھی نہ ملا تھا مارے صدمے کے بیہوش ہو گیا لیکن دوسرے روز پھر ہمیں بھی بیہوش ہونے کا موقع ملا ہم نے دس ڈالر کی چیز کے دو ڈالر لگائے دکاندار کے پاس شاید اتنی فرصت نہ تھی کہ بھاؤ تاؤ کرتا فوراً بولا لے جائیے صاحب نکالنے دو ڈالر ایک روز ہمارے میزبان نے کہا اٹھاؤ ڈھول اورتاشے اور چلو جوہور ہم نے کہا جوہور تو ملائیشیا میں ہے اور ویزا ہمارے پاس نہیں بولے پاسپورٹ ساتھ لے لو مل جائے گا لذت آوارگی میں ہم تیار ہو گئے۔

آبنائے سنگا پور کا پل کیا تو ادھر کی چوکی والوں نے روکا سنگا پور والوں کو شناختی کارڈ کھانا پڑتا ہے باقی کو پاسپورٹ پوچھا کتنے دن کا ویزا چاہئے ہم نے کہا دو ڈھائی گھنٹے کا دے دیجئے بس جوہور کو ہاتھ لگا کر واپس آنا ہے بولے ایک مہینے کا دیئے دیتا ہوں کیا عجب آپ کا جی زیادہ ٹھہرنے کو چاہئے پھر کہاں بھاگتے پھرئے گا۔

تھوڑی دیر میں پاسپورٹ مہر ہو کر آگیا واپسی میں تو اتنی بھی چیکنگ نہ ہوئی نہ ملائیشیا کے سرے پر نہ سنگا پور میں داخل ہوتے۔

اردو میں کئی محاورے ہیں خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے جیسی رح ویسے فرشتے وغیرہ ہمیں معلوم نہیں اس موقع پر کس کا استعمال پر محل ہوگا ہم اپنی سیاحت میں ایران گئے افغانستان گئے لنگا گئے فلپائن گئے انڈونیشیا گئے جاپان گئے ہر جگہ سب سے پہلی چیز جو نظر پڑی یا تو وہ کوئی سکھ بھائی ہوتا تھا یا گو ردوارہ تعجب تو یہ ہے کہ یورپ کے سفر کے آغاز میں ہم بلجیم اترے تو برسلز کے ہوائی اڈے پر سب سے پہلی چیز جو نظر آئی وہ بھی ایک سردار جی تھے جوہور میں بھی داخل ہوتے ہی ہم نے کار موٹے موٹے لفظوں میں گورکھی رسم الحظ میں لکھا نظر آیا۔

گوردوارہ جوہور بارد نیچے نظر ڈالی تو دوسرا جی ایک سائیکل پت بیٹھے ایک ون وے سڑک پر غلط سمت میں

جاتے دکھائی دیئے ہمارا جی خوش ہو گیا بات ہوئی نا۔

جوہور کا چڑیا گھر مشہور ہے ہمیں تو کچھ خالی خالی ویران سا نظر آیا دوسری جنگ بمباری کے گولے اس پر بھی پڑے تھے سامنے سلطان جوہور کا محل تھا وہی جو ایک زمانے میں سنگاپور کے بھی مالک تھے یہ ملایا کی جنوبی نوک تھی سبزہ نظروں میں کھبا جاتا تھا چڑیا گھر سے مایوس ہو کر اور کوکا کولا پی کر ہم عین سمندر کے کنارے ایک بیچ پر آ بیٹھے سڑک بالکل سمندر ساتھ ساتھ جاتی ہے یہ ساحل ریتلا نہیں ہے بلکہ پکا ہے پکا بنایا گیا ہوگا۔

اب بھوک بھی چمکنے لگی تھی اس لئے ہم نے شہر کا رخ کیا ہوٹل اور ریسٹوران اچھے سے اچھے ہوں گے لیکن ہمیں مارکیٹ کا ماحول بھایا عورتوں کے کھلے کھلے ڈھیلے شلو کے عجب بہار دیتے ہیں مارکیٹ کے ایک طرف قطار کباب والوں، دہی بڑے والوں کی دکانیں تھیں یہاں کراچی میں تو ہم ایسی دکانوں کو گندہ کہہ کر ان سے منہ موڑ لیں لیکن پردیس می ہر شے انوکھی لگتی ہے ہم لوگوں نے ایک بیچ سنبھالا اور ساقی کا آرڈر دیا ساقی یا ساتے ملایا اور انڈونیشیا کا مشہور کھاجا ہے مٹن کا کہتے بوٹیاں بانس کی تیلیوں میں پروئی ہوتی ہیں ساتھ ایک پیالہ چٹنی کا ہوتا ہے پوری سیخ کو چٹنی میں ڈبوئیے اور دانتوں سے بوٹیاں سونت سونت کر کھائیے ہمیں یہ ایسی چٹ پٹی معلوم نہ ہوئی جیسی دیکھنے میں لگتی ہیں مسالوں کا فرق ہوگا مرچ کا مزا ہم انڈونیشیا میں چکے چکے تھے کہ زبان پر رکھی اور تالو چٹ گیا یہاں ہم نے اس کی احتیاط رکھی کھا کر ہم بانس کی تیلیاں نیچے پھینکنے کو تھے کہ ہمارے دوست نے روک دیا اور کہا میز ہی پر رکھو بل کا وقت آیا تو بیرے نے انہی تیلیوں سے سیخوں کی گنتی کی رقم یاد نہیں لیکن کھانا سستا تھا سنگاپور میں آخری شب ہم نے نیشنل تھیٹر میں قزاقستان کے باخوڑ طائفے کا ناچ رنگ دیکھا ہمارے سنگاپور پہنچتے ہی ہماری میزبان نے ہم سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم مس نمازی کے ہاں کھانے اور تھیٹر دیکھنے پر مدعو ہو ہم نے کہا مس نمازی؟ بولیں ہاں میری سہیلی ہیں ایرانی نژاد ہیں اور ان سے میں نے تمہاری تعریف کرتے

ہوئے یہ بھی کہا کہ انشا صاحب فارسی بولتے ہیں پس تیار رہنا اس بات پر ہمارا دل بیٹھ گیا کیونکہ حافظ سعدی وغیرہ ہوں تو ان سے ہم بخوبی گفتگو کر سکتے ہیں آج کل کے ایرانیوں سے کیا بات کریں یعنی ان سے بات کر کے کیا اپنی زبان خراب کریں جب ہماری میزبان نے کہا کہ وہ اردو بھی بول لیتی ہیں تو ہماری جان میں جان آئی۔

خیر تماشا دیکھنے ہم بھی گئے اور وہ ہوا بھی مس نمازی کا پورا کنبہ موجود تھا ان کے والد بھی کھیل ختم ہونے پر منتظمین نمازی صاحب کو آرٹسٹوں سے ملوانے اسٹیج پر لے گئے کیونکہ نمازی صاحب سنگا پور کے سر کردہ شہریوں میں سے ہیں یہ طائفہ قزاقستان کا تھا ہم نے جاتے ہی فارسی آزمائی لیکن وار خالی گیا ایک گاہ پرواری خاتون جو اس منڈلی کی چودھرائن معلوم ہوتی تھیں بمشکل اپنا بوجھ سنبھالتی مٹکتی ہوئی آئیں اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا نمستے ہم نے کہا اور ہمارے نمازی دوستوں نے نظر انداز کر کے منہ پھیر لیا کسی نے انھیں بتایا کہ یہ ایرانی ہیں اور یہ پاکستانی تو شاید خفیف ہوئیں انگلی سے نیم دائرہ سا بنا کر اور زور دے کر اپنی شکستہ انگریزی میں کہنے لگیں جانتے ہو یہ تمام اداکار مسلمان ہیں تمام کے تمام ہم نے پوچھا کوئی فارسی والا بھی ہے ایک صاحب بھاگے بھاگے گئے اور ایک صاحب کو پکڑ کر لائے یہ آذر بائیجان میں رہے تھے خیر کچھ کچھ فارسی گوئی کا غبار نمازیوں کا نکلا ایک آدھ ٹانکا ہم نے بھی لگا یا۔

Virtual Home  
for Real People



## کراچی سے کوالمپور تک

ہم کہیں کسی کانفرنس میں شرکت کے لئے باہر جائیں تو ہمارا وفد ایک ہی آدمی پر مشتمل ہوتا ہے اور ہم اس کے لیڈر کے طور پر اپنا تعارف کراتے ہیں لیکن اب کے یونیسکو کے جلسے میں شرکت کے لئے ہم کو کوالمپور روانہ ہوئے تو جناب قدرت اللہ شہاب کی رکاب میں تھے وہ لیڈر تھے اور فرسٹ کلاس میں ٹانگیں پھیلا کر روانہ ہوئے گئے ہمیں کرد پسند نہیں لہذا پیچھے اکانومی کلاس کا ایک گوشہ پسند کیا یوں ہمارا ٹکٹ بھی اکانومی کلاس ہی کا تھا۔

پیسے تو ہم نے پورے دئے تھے اور نقد دئے تھے لیکن تھے تو کالے آدمی بی او اے سی والے کہیں بھی ہوں اپنے جہاز کو انگلستان کا علاقہ سمجھتے ہیں ہم بہت سی دوسری ایئر لائنوں میں سفر کر چکے ہیں ایئر ہاسٹس کو دیکھا کہ آتے جاتے ہیں بلائیں لیتی جاتی ہیں اور مسکراہٹوں کی کلیاں بکھیرتی گزرتی ہیں حتیٰ کہ کسی کسی پر تو ہم سے کوئی دلگداز شعر بھی سر زد ہو جاتا ہے پھر فقط غذائے روح پر نہیں ٹر خاتیں دانے دنگے کو بھی پوچھتی رہتی ہیں خیر سگالی کی رو میں کبھی ایسا ہوا کہ وہ ہم پر شہد پٹکائیں گئیں کبھی دوسروں کی نظریں بچا کر ہم نے مکھن لگا دیا اوتر یوں گھنی چھاؤں میں بیٹھتے اٹھتے ہم غریب الوطنی کے فرض سے ادا ہوتے گئے لیکن بی او اے سی کے طیارے میں تو صاحبو ہماری ایسی پڈیرائی ہوئی جیسی انگلستان میں آج کل ہمارے ہوموطن کی ہوتی ہے پرانے زمانے کی کوچہ محبوب میں عاشق سے بھی دربان کچھ بہتر ہی سلوک کرتا ہوگا یہ ایئر ہوسٹس صاحبہ کہ کسی طرف سے نہ چندے آفتاب تھیں نہ چندے ماہتاب گوروں پر اپنے تبسم کا چھڑ کاؤ کرتی گزرتی تھیں لیکن ہمارے قریب آکر اپنی باچھوں کو یک لخت سمیٹ لیتی تھیں سب کو تقسیم کیا اور ہر چند کہ ہم شاعر اور عاشق پیشہ آدمی کئی قسم کے شربتوں کے عادی ہیں اور مانگ بیٹھتے ہیں ان کے ہاتھوں سنگترے کے شربت سے بھی محروم رہے اور غالب بنے حسرت کرتے



رہ گئے کہ ہم کو بھی پوچھتی جو رہ گیا گناہ ہو اس میں کچھ شک نہیں ہم ان کی رعایا رہے ہیں لیکن لیکن اب تو نہیں ہیں تو آج کل اقوام متحدہ کی طرف سے رعایا سے بہتر سلوک کی تاکید کی جاتی ہے شہاب صاحب سے ان کا حال ہم نے نہیں پوچھا ہم تو شیریں بیانی کے علاوہ معمولی شیرنی ٹافیوں گولیوں وغیرہ سے بھی محروم رہے ناشتے میں کچھ لال سا گوشت دیکھ کر ہم نے اعتراض کیا تو بولیں -- اچھا تو آپ سو نہیں کھاتے تعجب کی بات ہے ہم نے کہا بی بی تعجب تو ہمیں بھی ہے لیکن بہر حال نہیں کھاتے۔

روستے میں کلکتہ آیا۔

کلکتے کا ذکر گیا تو ہمیں ہمنشیں -- تو اس میں سینے پر تیر لگنے والی کوئی بات نظر نہ آئی شہاب صاحب نے جانے اسے کس آن میں دیکھا ہوگا کہ اپنے بہت سے افسانوں کی دُنوں کود ہیں اتارا ہے سہرام والی رانو بھی تو کلکتے ہی جا رہی تھی جب اس کی کارپنچر ہوئی -- خیر ہم نہر میں گئے بھی نہیں فقط ہوائی اڈے پر ٹھیک لپنے کو اتر سے تھے گرد و گرما بے رنگ جھلسا ہوا ماحول بو دیئے غسل خانے، لونگی لگی دیوا۔ ریں پھٹی ہوئی چھتیں اور جھولتے ہوئے دروازے -- یہ کلکتے کا ٹرانزٹ تھا یہی چمار چورس کا منظر ہم نے سال بمبئی میں دیکھا بلبل یکارے دیکھ کے صاحب پرے پرے -- بی او اے سی والوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ مسافروں سے ایک ایک گلاس پانی کو پوچھ لیتے خیر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو سب کی جان میں جان آئی اب کے ایئر ہوٹس صاحبہ ہندوستانی تھیں ماتھے پر تلک، شاید جنوبی ہند کی ہوں گی ملاحظہ ایسی ویسی اچھا خاصا نمک کا پہاڑ نوک زبان سے چاٹ کر برابر کر دینے کو بے اختیار جی چائے بلکہ بندہ بشر ہے کچھ خیال ارباب وطن کی بے بسی کا انتقام لینے کا بھی جاگا لیکن اتنے میں پرچہ لگا کہ آپ ملایا کے جزیروں میں پہنچ گئے ہیں حفاظتی بند باندھ لیجئے چنانچہ باندھا کمر پر بھی خیالات کی رو پر بھی مشرق کے جزائر پم نے دیکھے ہیں فلپائن کیا جاوا کیا اور لنکا کیا پر جو جادو کا منظر اس وقت جہاز سے

نظر آیا اس کی کیا کہنے نیچے جھیلیں ہی جھیلیں۔ جنگل ہی جنگل، ندیاں ہی ندیاں، کھیت ہی کھیت، کاہی، دھانی اور نیلے رنگوں کا ایک سیلاب، سماں اس وقت کم کم بادو باراں کا تھا لینے والے چھتیاں لے کر جہاز کے دروازے پہ پر پہنچ گئے تھے رنگا رنگ چھتیاں سب کو ایک ایک تھمادی تھوڑی دور پر چھتا ہوا برآمدہ ہوا کاریڈیو کا دونوں طرف سے کھلا لمبا سلسلہ ان کے سائبان چھتریوں کی مثال تھے سرے اونچے مرکز نیچا قیف کی طرح سمجھئے کہ پانی چھت پر پڑتا تھا تو ستونوں کے جوف میں سے گزر کر زمین پر اتر جاتا تھا آج کل ہوائی مستقر تو ایک سے ایک خوبصورت بن رہے ہیں لیکن ربڑ کے فرشوں اور چوبی دیواروں والے اس ساختمان کے کیا کہنے معلوم ہوا یہ نادرہ کار تعمیر ملائیشیا کے ایک نوجوان ماہر تعمیرات کا کارنامہ ہے اس کے لئے کسی کو باہر سے نہیں بلایا گیا ورنہ سنوانے نے تو کیا عمارتوں اور شہروں کی شکلیں بگاڑنے کے لئے بھی آج کل بڑی بڑی فنیسیں دے کر باہر ہی سے آدمی بلائے جاتے ہیں مرلن ہوٹل کو الپور کا سب سے اونچا ہوٹل گنا جاتا ہے مالک اس کے چینی ہیں اور ان کا ایک ہوٹل ہانگ کانگ میں بھی ہے شہابصا۔

حب نے کمرے میں پہنچتے ہی ایک بیرے کو بلا کر کہا کہ یہاں قبلہ کس طرف کو ہے وہ کچھ نہ سمجھا کوئی کجلا وہ بھی ایسا نظر نہ آیا کہ اس کی طرف قبلہ راست کر لیتے آخر ہم نے اسپشن پر فون کیا وہاں کوئی ناقص العقل ہستی بیٹی تھی ہماری انگریزی اس پر سے چھپھپھتی ہوئی گزر گئی آخر شہاب صا۔

حب نے فرمایا قبلہ کا اندازہ کر لیں تم یوں پوچھو کہ سورج کس وقت نکلتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے تاکہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے وقت کا تعین ہو جائے جواب ملا کہ سورج نکلتا ضرور ہے لیکن معلوم نہیں کس وقت چھ اور سات بجے کے درمیان غالباً ہم نے کہا اے بی بی ہمیں صحیح وقت چاہیے کیونکہ عبادت praying نقطہ نظر سے ہو چھ رہے ہیں ہمارا مقصود تو نماز ہی سے تھا لیکن وہ جانے کیا سمجھیں بولیں اچھا تو آپ سورج کی عبادت کرتے ہیں صبح کو کچھلی کھڑکی کے پردے اٹھائیے گا تو سورج سامنے نظر آئے گا ہم نے کہا خانم ہم خدا پرست لوگ ہیں بیشک کبھی کبھی بت پرستی بھی کر لیتے ہیں بشرطیکہ بت کا

مطلب آپ پتھر وغیرہ کی مورتیاں نہ لیں اس کے علاوہ مفاد پرستی سے بھی انکار نہیں لیکن سورج پرست تو ہم قطعی ہی نہیں ہیں اگر آپ نے ہمارے متعلق پڑھتے سورج کی پوجا کرنے کی کوئی بات سنی ہے تو اسے محاورہ اور استعارہ سمجھئے اس سے زیادہ نہیں ہماری تقریر نقطہ عروج کو پہنچ رہی تھی کہ ادھر سے فون بند ہو گیا ناچار ہم نے ڈائرکٹری سے اپنے دوست سید ناصر کا نمبر نکالا وہ تو تھے نہیں ان کی بیگم نے ہماری مشکل حل کی ۔

## پھرو ہیں گلیاں پھرو ہی ہم

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے

کوئے ملامت کو تو خیر کیا جائے ہے اور پیدل نہیں جائے ہے لفتا نزا سے جائے ہے لفتا نزا جرمن ہوائی کمپنی ہے اور یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ لوگ جو کام کرتے ہیں پکا اور مکمل کرتے ہیں کسی بات کے کسی پہلو کو فراموش نہیں کرتے ایک معمولی مثال لیجئے جہاز کے ہاتھ روم کے اندر موٹا موٹا لکھا ہے یہاں سگریٹ پینا سخت منع ہے اس کے باوجود ایش ٹرے کا بھی انتظام ہے کہ اچھا آپ نہیں باز آتے تو کم از کم اس کے ٹوٹے تو ایش ٹرے ہیں بجھائیے اس پر ہمیں وہ دانشمند خدمت گار یاد آیا جسے آقا نے معالج صاحب کو لانے کو بھیجا ان میں سے کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔

دن کو یونیسکو کی کانفرنس --- روت کو پاسا مالم یوں تو اٹھارہ ملک ہیں لیکن سامنے کی چنڈال چوکڑی ممتاز ہے ان میں ملائیشیا کے محفوظ ہیں نیپال کے ڈکشت فلپائن کے بنی پاپو اور پاکستان کے من آتم کہ من دامن چاند تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا پانچواں ستارہ جو شام کو آتمتا ہے حروف تہجی کی وجہ سے دن میں ذرا دور بیٹھتا ہے ایران کا جہانگیر شمسواری محفوظ اور بنی پاپو ہمارے پہلے سے دوست

ہیں ٹوکیو کی دو سال پہلے کی کانفرنس میں ایک روز جی چاہا کہ شہر کے ہجوم میں گم جاؤ اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھو محفوظ نے صاد کیا اور ہم نے زیر زمین ٹرین پکڑی منزل کوئی نہ تھی لہذا جہاں ٹرین ختم ہوتی تھی وہاں اتر کر باہر آگئے پوچھا یہ کون نگری ہے معلوم ہوا کہ آسا سو سا کا علاقہ ہے اہلاو سہلا یہاں کی راتیں جاگتی ہیں اور لوگ ستارہ می شکند آفتاب می سازند جن کو ایمان عزیز ہے اور جان عزیز ہے ان کی گلی میں آئے کیوں ہمیں اتفاق سے یہ دونوں چیزیں عزیز تھیں لہذا ایک چھوٹی سی مارکیٹ میں مڑ گئے اور ریشمی چھتریاں خرید کر لوٹ آئے پھر اسی سال کے اپریل میں محفوظ میاں نے کوا لپور میں گھمایا اور میمانوازی کا حق ادا کیا بنی پایو سے بھی ایس ہی راہ و رسم پہلے سے ہے ڈکشت اور جہانگیر ہوٹل بھی تھے پاکستان کو ان لوگوں نے کانفرنس میں اپنا لیڈر ٹھہرایا اس لئے بھی کہ اس کام میں جس کے لئے یہ کانفرنس تھی پاکستان کی کارگزاری سب سے آگے تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار پاکستان یعنی ہم نے قرار داریش کی ہندوستان نے ناحق مخالفت میں تقریر کی رائے شماری ہوئی تو ہندوستان رہ گیا ایک بھی ووٹ اسے نہ ملا اس میں ہماری بات کی اصابت کے علاوہ اس ٹکڑی کی کوششوں اور لابی کو بہت دخل تھا یہ اصولی لڑائی تھی ورنہ ہندوستانی مندوب ہمارے ذاتی دوست تھے کرتار سنگھ دگل شائستگی اور یار باشی کا کامل نمونہ بعد ازاں ایک روز دگل جی نے ایک قرار داریش کرنی چاہی تو ہم پہلے سے مشورہ کر لیا اور مسودہ میں ترمیم و اصلاح کا حق دیا خیر وہ مسئلہ ایسا تھا کہ ہمیں تائید کرنی ہی تھی۔

اس کانفرنس میں زیادہ انگریزی بولنے والے تھے لیکن لاؤس کا نمائندہ انگریزی نہ جانتا تھا محض اس کے لئے تین مترجم بلائے گئے تھے دونو بھاری بھر کم مردان معقول اور اتفاق سے دونوں اسرائیل سے درآمد کئے گئے تھے انگریزی کو فرنج اور فرنج کو انگریزی میں ڈھالتے تھے جنھیں لاؤس کا نمائندہ کبھی سنتا تھا اور ایک میم صاحب تھیں ذات کی یونانی زوجہ کسی انگریز کی ایسی شیریں زبان مترجمہ بھی چشم فلک سے کیا خود ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی اگر کسی مقرر کی تقریر میں ہمیں خاطر خواہ دلچسپی نہ ہوتی تھی تو ایر فون لگا

کر اس فرانسیسی ترجمہ سننے لگتے تھے فرانسیسی ہماری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن ان صاحبہ کی زبان سے کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی ایک بار تو اس کانفرنس میں پنجابی بھی بولی گئی ہوا یہ کہ دگل صاحب کی سمجھ میں ایک نکتہ نہیں آرہا تھا چیئر مین نے بھی وضاحت کی لیکن دگل صاحب نے کہا میں نہیں سمجھا آ خر ہم نے پنجابی میں بتایا دگل صاحب نے کہا اچھا تے اتے ایہہ گل اے پھیر ٹھیک اے۔

لاؤس کے نمائندے نے ایک روز اپنی تقریر میں کہا دینا ہاتھی کی رفتار سے چل رہی ہے اور ہم لاؤس میں کچھوے کی رفتار سے اس پر لوگوں کو پوچھنا پڑا کہ لاؤس میں ہاتھی کی رفتار کیا ہوتی ہیت اور کیا اس سے بھی تیز رفتار کوئی اور جانور وہاں ہے موصوف نے بھی یہ فرمایا کہ اس کانفرنس میں پلاننگ کی باتیں ہو رہی ہیں ہر کوئی پلاننگ کی بات کرتا ہے میں اپنے ملک سے چلا تو ہمارے وزیر صاحب نے کہا تم یہ دیکھ کر آنا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے چونکہ یہ فیشن ایبل لفظ ہے ہمیں اپنے ہاں بھی پلاننگ کرنی چاہیے میں پیرس میں بھی یونیکسیو کے دفتر گیا اور ان سے کہا آپ کے ہاں کوئی شخص پلاننگ کا ماہر ہو تو ہمیں دے دیجئے پتہ چلا کہ کل سولہ آدمی ہیں اور سب کے سب مصروف ہیں ہم نے ان صاحب سے کہا کہ وہ پلاننگ کی فکر چھوڑیں کام کریں کیونکہ بعض ملکوں میں پلاننگ پر اتنی زیادہ توجہ دی جا رہی ہے کسی کو عملی کام کرنے کی فرصت نہیں رہتی بولے ہمارے ہاں تو کام کرنے والے بھی نہیں پلاننگ والے نہ سہی وہی کہیں سے دلوادیتجئے۔

دوپہر کو ہماری ٹکڑی اٹھتی اور اسلامک ریسٹوران میں جا براجتی تھا تو یہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کا لیکن بریانی اس میں اچھی ملتی تھی اور پھر لسی بھی بنا دیتے تھے ایک روز عمر خیام میں کھانے کا طے ہوا اس کا بہت شہرہ سنا تھا عجب دلچسپ جگہ نکلی عمر خیام کا جو تصور کسی انجان کا ہو سکتا ہے ان لوگوں کا بھی تھا دروازہ کھولتے ہی دیکھا کہ ایک مورتی باندھے کھڑے نمستے کر رہی ہے کھانے کا کمرہ مغل روم ہے کھانوں کے نام بھی جہانگیر قورمہ، شالاماری پلاؤ، اور شاہجہانی کوفتہ وغیرہ ہیں میز پر ایک بی بی کاندھے



پر خم اٹھائے ایک بڑے میاں کو شراب کا جام پیش کرتی دکھائی گئی تھی مینو کے اندر باعیات بھی دے

رکھی تھی مع ترجمے کے ہم نے اور ہمارے ایرانی دوست جہانگیر نے ان ربا عیات کو جو کہ نسخ میں تھیں پڑھنے کی کوشش کی لیکن نہ پڑھ سکے کیونکہ وہ فارسی میں نہیں تھیں ان ظالموں کو فارسی عربی کا فرق کیا معلوم کہیں سے عربی ترجمہ اٹھایا اور بلاک بنا کر چھاپ دیا اسی کو اصل سمجھتے ہوئے درواروں پر صرف مغل آرٹ ہی نہیں تھا جا بجا راجپوت آرٹ بھی تھا اور مرتیاں تو طاقوں کی محرابوں میں جا بجا ہاتھ باندھے نمستے کرتی کھڑی تھیں گویا غیر مشرقیوں کے لئے نہایت عمدہ سکہ بند مشرقی ماحول کا انتظام تھا کھانا اچھا تھا مگر دام بھی چوکھے تھے اسلامک ریستوران کے مقابلے میں کوئی پانچ گنا۔

## تماشا گزری کا

شام ہوئی اور میاں محفوظ نے اپنی کار نکالی جسے وہ کولپور سے اپنے ساتھ لیتے آئے تھے اور پورے جزیرے کا چکر کاٹتے ٹھکیاں لیتے تماشا مرے آگے دیکھتے آدھی شب کی خبر لاتے ایک ٹھیکے پاسلم پر ضرور ہوتی تھی پاسلم یعنی شبینہ بازار۔ نائٹ مارکیٹ۔ اے صاحبو ہونٹوں پر زبان پھیرنے کی ضرورت نہیں یہ شبینہ بازار وہ جگہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں بلکہ پھیری والوں کا بازار ہے جو جانے کب سے ہفتے کے ہر روز ایک نئی جگہ پر برپا ہوتا ہے ہمارے ہاں اگلے دنوں میں یہ بازار گزری کہلاتے تھے ٹک دیکھ مرے یار تماشا گزری کا بدھ کو آرچر ڈروڈ پر یعنی مرکز شہر کے ڈیڈھ میل تک فٹ پاتھ کے ساتھ پھیلا ہوا کھوئے سے کھوا چھلکا ہوا ہر چیز چار آنے میں، کی ہانک بھی لگاتے ہیں باقی دنوں میں نواحی بستیوں میں ایک روز تو شہر سے باہر جنگل میں تھا جسے یوں بھی ووڈ لینڈ کہتے ہیں آپ کتنا بھی بچیں کچھ



نہ کچھ لے کر ہی لوٹیں گے بارہ بجے اور لوگوں نے ٹیوب لائیں اتاریں اور سودا سمیٹ کر ٹرکوں پر بار کرنا شروع کیا یہاں کے بھاؤ تاؤ میں عجب مزا ہے۔

کیا لوگے میاں اس قمیض کے

بیس ڈالر ،، سنگا پور کو امریکی ڈالر کا ایک تہائی ہوتا ہے

بیس بہت زیادہ ہے

آپ کیا دیں گے،

سات،،

واہ صاحب اچھی قدر کی پندرہ دے دیجئے۔

نہیں سات

اجی کچھ تو بڑھئے بارہ کی تو ہماری خرید ہے اچھا بارہ ہی دے دیجئے۔

نہیں سات

اچھا آٹھ دے دیجئے

کہ جو دیا سات،،

پھر تو جائیے سات میں نہیں ملے گی۔۔۔۔۔ جی کہاں چلے کتنی لیجئے گا،

جمعات کو میکفر سن روڈ پر یا یایو چوکا نگ روڈ پر یہی میلہ ہے جمعہ کو نیوٹن روڈ کی باری ہے ہفتے کو روڈ

لینڈ میں جنگل میں منگل ہے اتوار کو سہاراگ پیر کو اودن روڈ منگل کو چانگی روڈ یا یا یا لیبر روڈ اور

بدھ کو پھر آرچر ڈروڈ ہر جا کہ رفت خیمہ زرد بارگاہ ساخت چلو کہ سستی لگادی ہے خون دل کی کشید۔

آپ پیسے والے ہیں یا ناک چڑھے ہیں اور زندگی کا لطف نہیں اٹھانا چاہتے تو ریفلکس پلیس میں رابنسن کے

اسٹور میں گھس جائے جو چیز چاہے مل جائے گی بند ہوا لیجے لیکن جو مزہ چینیج ایلپی allqy change

یا آرکیڈ میں خریداری کا ہے وہ کہیں اور نہیں یہ دو پتلی سی گلیاں ہیں چینج ایلے کے باہر تو نوٹ بدلنے والے کھڑے ہیں کسی بھی ملک کا سکھ آپ کو خریدنا یا بیچنا چاہیں ان کی خدمات حاضر ہیں اور بھاؤ کا بھی انتظام ہے اس گلی کو چینج ایلے اسی لئے کہتے ہیں گلی میں گھسے توفیق کرشمہ ہی نہیں بلکہ دکاندار بھی دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔

گھڑیاں کیمرے۔ پین۔ کپڑے۔ جو تیز دیر و بتاؤ کیا خریدو گے اور ہاں جیب پاکٹ سے بھی ہشیار یہاں ٹک ناگہ چوکی اور مال دوستوں کا دس کی چیز پانچ میں مل تو جاتی ہے لیکن دل کو دگدھا رہتی ہے کہ شاید چار میں مل جاتی ہے یہاں یہاں یہ بھی امکان ہے کہ آپ آٹھ روپے میں پارکر پین لے لیں اور خوش خوش گھر جائیں اور چند روز میں ملع اتر جائے کیونکہ کون چیز ہے جس کی نقل ہانگ کانگ کے کارخانوں میں نہیں بنتی اور یہاں نہیں بکتی۔

لب ساحل کے خیابان یعنی اسپینڈ میں شام کو رومانی جوڑے آ بیٹھتے ہیں بیچ میں اور وہ ہیں اور ان کی دنیا ہے یہاں کیا نہیں ہوتا ظالم سماج کنکھیوں سے دیکھتا اور دانت کچکچاتا گزر جاتا ہے ایک کشتی بیچ سمندر کے لنگر انداز ہے اس تک جانے کے لئے ایک لانچ ہے اس کے اوپر کے حصے میں موم بتیوں کی روشنی میں نا و نوش کا انتظام ہے نیچے رقص گاہ ہے ایک شب محفوظ میاں ہمیں وہاں بھی لے گئے پینے والا تو جمعیت میں فقط ہمارا ایرانی دوست تھا ہم نے کوکا کولا سے شوق کیا اور بیٹھ کر چلے آئے ہمیں یہ ایک بوتل بھی سات روپے میں پڑی آگے کی بات آگے والے جانیں کبیرے نائٹ کلب اور نہ جانے کیا کیا بہت ہیں لیکن بنکاک کے پاسنگ بھی نہیں ویٹ نام سے چھٹی پر آنے والے امریکیوں کی پورش رہی تو یہ شہر بھی بنکاک بن جائے گا۔

۷۸ فیصد چینی ہیں کوئی ۱۲ فی صدی ملائی چھ فی صدی ہندوستانی پاکستانی باقی تین میں نہ تیرہ میں ہندوستانی زیادہ تر جنوبی ہند کے پھر بھی سندھی دکاندار اور سکھ بہت بڑی تعداد میں ہیں سندھی تو قریب قریب بھی

حیدر آباد کے اور سب کے سب پیسے والے سکھوں میں کچھ بڑے متمول باقی دکانوں اور بینکوں کے چوکیدار ان دنوں سنگا پور میں رونق افروز ہونے والوں میں فقط ہمیں تنہا مشہور آدمی نہ تھے ہی لوگوں کے گود گھنٹائی شری مہیش یوگی بھی آپدھارے تھے لیکن آج کل مشرق میں روحانیت کی اتنی قدر نہیں جتنی مغرب میں ہوتی ہے کیوں کہ یہ مال ادھر ہی کا ہے ادھر ہی سے جاتا ہے سنگا پور کے اخبار نویسوں نے تو ان کے تقدس کو نظر انداز کرتے ہوئے فقرہ بازی تک کی اور کہا یہ آپ کیا مالاہیں مٹکے لئے پھرتے ہیں اور یہ مرگ چھالا ہرن کی کھال کس مرض کی دوا ہے وہ آئیں باتیں شائیں کر کے رہ گئے اور بولے سادھوؤں کا یہی سامان ہوتا ہے بین الاقوامی محبت کے بھوکوں کو انھوں نے رشی کیش آنے کی دعوت دی تا کہ ہمالیہ کے دامن میں سکون سے بیٹھ کر اپنی آتما کو سکون سے مالا مال کر سکیں یہاں ۲۵ جنوری سے ان کی بین الاقوامی کلاس شروع ہو رہی ہے رشی جی تارک دنیا آدمی ہیں لہذا سنگا پور کے سب سے اونچے ہوٹل۔۔۔ ہوٹل ملائیشیا میں ٹھہرے تھے لیکن صوفے پر آلتی پالتی مار کر ہی بیٹھتے تھے ایک صاحب نے پوچھا سنا ہے آپ لکھ پتی ہیں آپ کے پاس پیسہ کہاں سے آتا ہے انھوں نے جواب میں فقط انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کر دیا سچ یہ ہے کہ ہمارے رشی جی بین الاقوامی پیمانے کے ڈبہ پیر ہیں اب انہوں نے اعلان کیا ہے کہ دو سال کے اندر میں نیم ریٹائر ہو کر ہمالیہ کے دامن میں جا بیٹھوں گا ریٹائر کا لفظ انھوں نے استعمال نہیں کیا پبلک کے پرزداد اصرار کی صورت میں یہ ارادہ ترک کر دینے کی گنجائش رکھی ہے ۔

Virtual Home  
for Real People

## ہائے راما ہم کہاں آگئے

بنکاک میں راما ہوٹل ہماری قسمت میں لکھا تھا یہ بھی الفتا نزوالوں نے لکھ دیا تھا یہ ہلٹن ہوٹلوں کے سلسلے کی ایک کڑی اور اس کڑی میں پر دئے جانے پر ہم خوش بھی ہوئے تھائی لوگوں کی حبالوطنی کا پہلا ثبوت ہمیں اس ہوٹل میں ملا انگریزی کو یہاں قہ مقام حاصل نہیں جو ہمارے ہاں ہے زیادہ تر دکانوں کی نام اور اشتہارات تھا زبان ہی میں نظر آئے نمکاک پوسٹ یہاں کا ایک ممتاز انگریزی اخبار ہے رائے تھا مسن کی جاگیر میں شامل ہے اور میجنگ ایڈیٹر اس کے ہمارے دوست سید محمد علی ہیں جو ڈان اور پاکستان ٹائمز وغیرہ میں رہ چکے ہیں اس کی پیشانی پر نمایاں طور پر لکھا رہتا ہے

سب سے کثیر الا شاعت اخبار تعداد اشاعت پندرہ ہزار

راما ہوٹل میں حب الوطنی کا مظاہرہ یہ لوگ بایں انداز کرتے تھے کہ تھوڑا کئے مسافر کی انگریزی نہیں سمجھتے تھے تا کہ وہ تھائی سیکھے کونٹر پر ہماری گفتگو کچھ اس قسم کی ہوئی۔

ہم ہمارے دوست تنویر احمد خاں کی کوئی خبر ہے انھیں ہمارے انتظار میں یہاں ٹھہرنا تھا۔

جواب ،، لُنج کا کمرہ وہ اس طرف ہے

ہم ،، وہ ٹوکیو سے آج یہاں پہنچنے والے تھے

جواب ،، زیورات کی دکانیں سامنے کی گلی میں ہیں

ہم ،، وہ یہاں نہیں آئے تو کوئی پیغام تو ہوگا

جواب جی ہاں ،، سنگل کمرے کا کرایہ ایک سو چالیس بھات روزانہ ہے۔

ہم ،، آپ کے بنکاک کے بارے میاں کوئی ٹورسٹ لٹرچر ہے ۔

جواب ،، جی نہیں بارش کل نہیں ہوئی شاید آج ہو ۔

ہم نے تنگ آکر کہا سوال از آسماں جواب از ریسمان۔

جواب جی نہیں میرے پاس ریز گاری نہیں ہے

عاجز آکر ہم نے کہا ہائے راما، ہوئے راما ہم کہاں آگئے

شام کو ابو الحسین آئے اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہمیں بنکاک دکھایا وہ انگلی سے اشارہ کر کے کہتے یہ ہندوؤں کا پرانا مندر ہے ہم نے کہا تو اس پر سیو ہیڈ کوارٹرز لکھاتھا معلوم ہوا اتنے میں وہ مندر آدھا میل پیچھے نکل گیا وہ کہتے یہ نہر دیکھو ہمیں وہ کاخانہ نظر آیا انھوں نے کہا یہ شاہی محل ہے وہاں ہمیں جوہڑ میں بطخیں تیرتی نظر آئیں آخر ہم نے کہا یا تو گاڑی کی رفتار کم کرو یا پھر اس مقام کا ذکر کر جو آدھ میل آگے ہے تاکہ جتنی دیر ہم گردن ادھر کو گھمائیں وہ ہمارے سامنے ہو فرمائش کی کہ بنکاک کو مشرق کا وینس کہتے ہیں ذرا وہ نہروں کا جال تو دکھاؤ جس کی وجہ سے اسے وینس گردانتے ہیں ابو الحسین بولے سرکار۔۔۔ ان سب کو پاٹ دیا اس پہرہ دکانیں اور سڑکیں بنادیں ایک جگہ اونچا مرد منارہ نظر آیا ہم نے کہا یہ کیا -

بولے،، یہ منارہ فتح کہلاتا ہے

ہم نے کہا،، کس کی کس پر فتح کی یادگار ہے ؟

ابو الحسین بولے تھائی لینڈ نے کسی لڑائی میں فرانس کو شکست دی تھی اس کی یادگار ہے

ہم نے کہا،، تھوڑی سی تاریخ ہم نے بھی پڑھی ہے آخر وہ کون سی لڑائی تھی -

تب ابو الحسین نے کہا یہ تمہیں کیا کسی کو بھی معلوم نہیں پچھلے سال فرانسیسی بیفر کو بھی اس جشن میں بلایا گیا تھا جو اس مقام پر ہوتا ہے اس نے کہا صاحبو مجھے خود معلوم نہیں وہ کونسی لڑائی تھی کب ہوئی تھی اگر کبھی ہوئی بھی تھی تو اسے ہم کبھی کا بھول چکے ہیں لیکن چونکہ سبھی ملکوں میں منارہ فتح قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے تھائیوں نے بھی اے ضروری سمجھا اصل چیز واقعہ نہیں ہے جذبہ ہے۔ دیت ناصر کی

لڑائی بند ہونے کے خیال سے اگر کوئی ملک کوف کھاتا ہے تو وہ تھائی لینڈ ہے کیونکہ یہاں ڈالروں کی بھر مار اسی طفیل تو ہے ہر روز ہزار فوجی یہاں چھٹی گزارنے کے لئے آتے ہیں انھیں ۵ روز کی مہلت ملتی ہے اور ہر روز ۶۰ ڈالر خرچ کرنے ان کو لازمی ہیں یہ اسی مقصد سے ملتے ہیں اگر کوئی خرچ نہیں کرتا تو اسے نہیں ملتے یہی وجہ ہے کہ ہمارے انٹرکانٹینٹل کے درجے کے کوئی ۵۰ ہوٹل ہوں گے بار نائٹ کلب اور حمام جس میں سب ننگے ہوتے ہیں یہاں اس طرح ہیں جس طرح کراچی میں پان کی دکانیں ان کے نام بھی امریکیوں کو وطن یاد دلاتے ۸۰ میں میامی کلب۔ واشنگٹن کیرے ناس اینجلز حمام یہ سب امریکیوں کے کپڑے اتارنے کے کاخانے ہیں فقط محاورے میں نہیں ویسے بھی ہمارے ایک دوست بتاتے ہیں کہ پہلی بار ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرا ۴۵ نمبر کمرہ مقرر ہوا میں نے چابی لے کر کمرہ کھولا تو دیکھا کہ وہاں ایک صاحبہ فروش ہیں۔

میں نے معذرت کی کہ معاف کیجئے میں شاید غلط کمرے میں آ گیا۔

پٹاخ سے بولیں ،، جی نہیں آپ بالکل صحیح کمرے میں ہیں۔

آپ کا تعارف۔

یعنی کمرے کے کرائے میں

بولیں جی نہیں میری فیس الگ ہے پچاس ڈالر۔

یہ صاحب تھے مولوی قسم کے آدمی۔ بولے۔ بی بی تم جاؤ مجھے یہاں فقط ٹھہرنا ہے وہ بمشکل مانیں وہ بھی پانچ ڈالر ہر جانے لے لے کر جہاں امریکیوں کی پورش ہو جائے وہاں ڈالر کی ریل پیل تو ہو جاتی ہے لیکن اور ہر چیز مع غیرت کے نایاب ہو جاتی ہے یہ جاپان میں ہوا دوسری جنگ کے زمانے میں بنکاک میں آج ہو رہا ہے آبرد کی سوداگری میں لوگوں کو خدا کے علاوہ کچھ ہمسائے کا بھی ہوتا ہے لیکن جب سب ایک ہی رنگ میں برنگے جائیں تو کوئی خیال روکنے والا نہ ۹ میں راما ہوٹل بڑا معزز ہوٹل ہے لیکن جس بوائے نے سا۔



مان پہچانا اس نے مسکراتے ہوئے اپنی لنگڑی انگریزی اور کنایوں کی مدد سے جتا دیا کہ وہ ہمارے آرام کے لئے ہر طرح کی خدمات بجالانے کو تیار ہے خیر مسافروں میں ہم ایسے بد تفہیق بہت ہوتے ہیں لیکن ویت نام سے آنے والے سپاہی کو تو یہ پانچ دن زندگی کے مستعار ملتے ہیں ویت کانگ کی گولی اس کی منتظر ہوتی ہے پھر سحر ہو نہ ہو کسے معلوم ہوائی اڈے سے باہر ایک امریکی کو تو ہم نے دیکھا کہ بیٹھا بھوں رد رہا ہے ہم نے جانا کہ کسی تکلیف میں ہے ،

ہم نے کہا ،، ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں

بولا جاؤ جاؤ تم میری مدد نہیں کر سکتے تم یہ لٹائی بند نہیں کرا سکتے ہو یہ شخص پانچ دن زندگی مستعار کے گزار کر واپس جا رہا تھا اس وقت وہ زندہ ہے کہ نہیں کہنا مشکل ہے ،

## لعبت چین کا نظر بٹو

جس طرح کسی خوش منظر عمارت کی پیشانی پر ایک کالی ہنڈیا لٹکا دی جاتی ہے تا کہ اسے نظر نہ لگے اس طرح چین کی اقلیم عظیم کے گلے میں بھی ایک نظر بٹو ہے اور اسے ہانگ کانگ کہتے ہیں ۔

دراصل ہانگ کانگ کوئی ایک جگہ نہیں کم از کم دو جگہوں کا نام ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان میں ایک کا نام ہانگ ہوگا دوسرے کا کانگ یہ بات نہیں ایک تو جزیرہ ہے کوئی گیارہ میل لمبا چوڑائی کہیں

دو میل ہے کہیں تین میل حد سے حد پانچ میل اس کا نام ہانگ کانگ یا وکٹوریا ہے اور دوسری چین کے

جزیرہ نما کی ایک نوک جسے ہم ہاتھی کی دم کے ڈھائی بالوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں برطانیہ کی فوجی باریکیں

بھی اور وہ فروش گاہیں بھی جہاں سے سیاح لوگ میرے دور نہیں ٹرانزسٹر سوٹ قمیض اور الا بالا خرید کے لوٹتے

ہیں لینٹن کوریل بھی یہیں سے جاتی ہے سرکاری دفاتر البتہ ہانگ کانگ میں ہیں اور جزیرہ ہانگ کانگ سے

کالون جانے کے لئے فیری میں جانا ہوتا ہے فیری ایکہت بڑی سطح لانچ سمجھئے درمیانی خلیج کہیں میل بھر چوڑی ہے کہیں کم ایک جگہ تو بس ڈھائی فرلانگ کا فاصلہ ہے دونوں ساحلوں میں اور اسی میں سے بڑے بڑے جہاز گزرتے ہیں جہازوں کی گزر گاہ نہ ہوتی تو کبھی کا پل بن گیا ہوتا کچھ اور جزیریاں بھی ہیں اور ساحل چین پر نئے علاقہ جات کے نام سے ایک خاصا بڑا رقبہ زمین ۳۵۵ مربع میل بھی لیکن بنیادی علاقے کولون اور ہانگ کانگ ہی جانیئے۔

ہمارا سفرنامہ یکم جون کی شام کے ساڑھے چار بجے سے شروع ہوتا ہے جب بی او اے سی کا طیارہ کولون کے ہوائی اڈے پر اترا اور قلی نے ہمارے سامان کو ہاتھ لگانے کے دو ڈالر ہم سے لے لئے ہوٹل کی ہمیں تشویش نہ تھی کیونکہ ایک مشہور ہوائی کمپنی نے جس کا ٹکٹ لے کر ہم کراچی سے چلے تھے ہم سے کہہ دیا تھا فورچونا ہوٹل میں جا کر فروکش ہو جانا ہمارے دوسرے ساتھی تو ہمیں حیرت سے تکتے رہ گئے کیونکہ انھیں ہوائی اڈے پر واقع معلوماتی دفتر برائے ہوٹل سے معلومات کرنی تھیں ہم گردن اکڑائے ہوٹل فورچونا کی گاڑی میں بیٹھ گرد پیش کا منظر دیکھتے سیٹی بجاتے جھٹ پٹ فورچونا پہنچ گئے اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھتے مینجر سے جا کر کہا لائیے حضرت ہمارے کمرے کی چابی اور بھجواتے رہیئے ہمارا سامان اوپر مینجر نے کہا،، اسم شریف

ہم نے اپنا اسم شریف بتایا لیکن مینجر کی حیرانی دور نہ ہوئی بولا آپ کہاں سے آئے ہیں ٹوکیو سے۔۔۔ اور کہاں سے آتے

نہ ہمارے ہاں آپ کا نام ہے نہ آپ کے لئے کوئی کمرہ،،

ہم نے کہا عزیز من ذرا غور سے دیکھو ہم کراچی سے انتظام کرا کے چلے تھے۔

عزیز من نے غور سے دیکھ کر کہا یہاں مسٹر ابن کا نام تو ہے آپ اپنا نام انشا بتا رہے ہیں۔

ہم نے کہا،، ہمیں تو ہیں مسٹر اپنے۔۔ ہمارا پورا نام ابن انشا ہے

مینجر صاحب بولے،، پھر آپ پرسوں تشریف لائیے آپ کی بکنگ تین تاریخ سے ہے آج کوئی کمرہ نہیں۔

بات یہ ہے کہ ہم تین جوب کے بجائے یکم ہی وارد ہانگ کانگ ہو گئے تھے ٹوکیو ہم رہتے لیکن کھاتے کیا اتنا ضرور ہے کہ ہم نے کراچی اور ہانگ کانگ دونوں جگہ اپنے پروگرام کی تبدیلی کی صلاح بھجوائی تھی اور اب ہوٹل والے کہہ رہے تھے کہ ہم کو نہیں معلوم۔

اب ہم کہاں جائیں، مینجر بولا کسی اور ہوٹل میں چلے جائیے قریب ترین ہوٹل کنسا ہے؟

قریب ترین تو کلور cliver ہوٹل ہے یہ سامنے رہا میں اس کے مینجر کو فون کئے دیتا ہوں ابھی آپ کا سامان لے جاتا ہے،،

اچھا ہوٹل ہے؟

ہمارے ہوٹل کے پائے کا تو نہیں خیر آپ خود دیکھ لیجئے گا کرایہ بھی کچھ کم ہے ہمارا ۴۵ ڈالر روزانہ ان کا ۳۵ ڈالر

کلور ہوٹل کی نیچے کی منزل پر تو کوئی سینما ہے اوپر دس گیارہ منزلیں ہوٹل کی ہیں دفتر تیسری منزل پر وہاں تو ہم نے بس اپنا نام اور کام وغیرہ لکھوایا اور ایک بیرا ہمیں آٹھ سو بارہ نمبر کے کمرے میں لے گیا اس کے اندر مشین دھڑ دھڑا رہی تھی ہم نے کہا یہ کیا ہے۔

بولے،، ایئر کنڈیشنر ہے اس سے کمرہ ٹھنڈا رہتا ہے

ٹھنڈا تو نہیں ہے،،

جی رات کو ٹھنڈا ہوگا،،

بس اس میں سے تو ٹھنڈی ہوا نہیں آرہی،،

بیرے نے کہا حضور آپ اس کے سامنے بیٹھ کے دیکھئے تو محسوس ہو ،  
لیکن یہ ہوا اور خشکی پلنگ تک تو آنی چاہئے ،،

جی بیشک آنی چاہئے لیکن پلنگ گھسیٹ کر اس کے پاس لے جائیے گا آرام پائیے گا۔

اچھا تو جاؤ۔۔۔ چابی دے دو کرے کی۔۔۔ خدا حافظ

بیرا بولا جناب چابی تو ہم گاہگ کو نہیں دیتے یہ ہمارے ہی پاس رہتی ہے ہوٹل کی چیزوں کی حفاظت جو کرنی ہوئی ہم نے غسل خانہ وغیرہ دیکھا سب ٹھیک ٹھاک تھا اگرچہ ٹھاٹھ کے مقابلے میں کچھ جس کے ہم ٹوکیو میں عادی ہو گئے تھے تھرماں میں سے پانی پینا چاہا تو گرم ہم نے پھر بیرے کو بلایا اچھا جناب لاتا ہوں بیرے کو بلایا بالا اچھا جناب لاتا ہوں ٹھنڈا پانی کہیں سے۔

ٹوکیو میں تو موسم بہت ہی خوشگوار تھا اور ہم گرم سوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے لیکن ہانگ کانگ کا موسم اور حابس۔۔۔ ہم نے خیریت اسی میں جانی کہ کپڑے بدل لیں سوٹ کیس میں نیچے دو جوڑے ٹھنڈے کپڑوں کے رکھے تو تھے۔

لیکن جیب میں ہاتھ ڈالا تو سوٹ کیس کی چابی غائب خدا جانے کہاں رہ گئی ہم چابیاں پیسے ہوائی جہاز کے وغیرہ گم کرنے میں شہرت عام اور بقائے دوام تو رکھتے ہیں لیکن یہ بھلا کون سا موقع تھا چابیاں گم ہونے کا بیرے کو بلایا اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر سمجھایا کہ یہ تالا معمولی قسم کا ہے اس کو کسی بھی سوٹ کیس چابی لگ سکتی ہے کہیں سے چابیاں لاؤ اور کھول دو شاباش اس نے صاف جواب دے دیا کہ جناب ہمارے پاس نہیں ہم نہیں کھولتے تالا۔

ہم نے کہا ،، کسی تالا کھولنے والے کو بلاؤ۔

بیرا بولا اس وقت تو صبر کیجئے صبح دس بجے ملے گا تالا کھولنے والا۔

دس بجے کل ؟ بلاؤ مینجر کو۔۔۔ اچھا ہم خود ہی مینجر کے پاس جاتے ہیں

مینجر نے بھی کل دس بجے کا مڑوہ سنایا ہم نے کہا نا ممکن کسی تالا توڑنے والے کو بلاؤ ورنہ ہم خود توڑیں گے تالا خیر مینجر نے کسی کو پھر بھیجا کہ کوشش کرے۔

تھوڑی دیر بعد میں کوریڈ سے ایک بڈھا برآمد ہوا جس کے ہاتھ میں سوا تھا ایک ہتھوڑا۔ ہماری باچھیں کھل گئیں لیکن اس وقت ان کو سمیٹنا مشکل ہو گیا جب اس نے اپنے کام کا ہدیہ طلب کیا۔۔۔ چار ڈالر ہم نے کہا بیرے سے فریاد کی چار ڈالر غضب خدا کا ارے میاں نکھے سوٹ کیس خریدنا نہیں نہ تالا بنوانا ہے حتیٰ کہ چابی تک بنوائی منظور نہیں فقط کوئی تار یا سواتا لے میں داخل کر کے اسے کھولنا ہے ایک ڈالر دے دوں گا

،، نا،،

دو ڈالر ،،

جی نہیں

تین ڈالر

بڈھا منغض ہو کر چل دیا کہ جناب میں نے پہلے ہی مناسب دام بتائے تھے چار ڈالر سے ایک پیسہ کم نہ ہوگا ہم نے اسے بلایا اس کی ہتھیلی پر چار ڈالر رکھے اس کی مٹھی کو اپنے ہاتھ سے بند کیا اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا اچھا حضور تادان حاضر ہے اب کھولیں تالا۔ اس مرد متمکن نے چابی کت سورخ میں سوا داخل کیا ہی تھا کہ تالا کھٹ سے کھل گیا اگر کچھ وقت سے کھلتا اور شاید ہمیں اپنے چار ڈالر کے جانے کا اتنا نقصان نہ ہوتا لیکن اب طیش آیا اور ہم نے اس شخص سے کہا شکریہ لیکن ہماری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔۔۔ اور بیرا صاحب تم بھی۔

بیرا بولا۔۔ جناب اور کوئی ہوٹل ہوتا تو اتنے سارے کام کے سات آٹھ ڈالر سے کم نہ لگتے وہ میری وجہ سے اس نے چار ڈالر میں یہ کام کر دیا مطلب اس یہ تھا کہ میں بھی امیسوار کرم ہوں دو ڈالر

بخشش میری بھی یاد رکھئے گا اور وہ واقعی اپنی بخشش لے کر ٹلا تالا کھولنے سے کتنی بخشش وصول کی ہوگی ہم نہیں کہہ سکتے۔

کمرے دو طرح ایر کنڈیشن کئے جاتے ہیں گرمیوں میں انھیں ٹھنڈا رکھا جاتا ہے اور سردیوں میں گرم ہمارا خیال ہے کلورو ہوٹل نے اس خیال سے کہ ہم ٹوکیو کے ٹھنڈے شہر سے آئے ہیں اور گرم سوٹ پہنے ہوئے ہیں ہمارے لئے سردیوں والے ایر کنڈیشن کا انتظام کیا تھا خیر ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ غسل خانے میں گئے اپنی از غزل گنگنائی نہائے بھی تب کچھ سکون ہوا اب ہم نے پتلون اور بوشرٹ زیب تن کی ایر کنڈیشنز بند کیا جس سے گرمی میں قدرے افاقہ ہوا اب ہمارے پاس دو پونے دو دن تھے جو کچھ کرنا تھا انھی میں کرنا تھا پہلے تو ٹوکیو کے ٹھاٹھ کے بعد کا عالم دیکھ کر چار آنسو ردئے حساب لگایا کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی کمرے کا کرایہ یہی تھا زیادہ نہ تھا لیکن نوکر چاکر، ماما، اصلیں بلائیں لینے کے لئے تیار رہتی تھیں اور من موہنی لڑکیاں گیشاس کا لباس پہنے لفٹ میں سلام دعا کرتی تھیں اور دل باغ باغ ہو جاتا تھا خیر میاں آزاد ع عید نیست کہ حلوہ خورد کسے ہوٹلوں کے کمروں میں ایک برڈ لٹکا رہتا ہے کہ کرایہ اتنا ہے اور اگر آپ کے ہاں کوئی چوری چکاری ہوئی تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے اور بارہ بجے کمرہ خالی کرنا ہوگا یہ اور ایک چھوٹا سا نوٹس البتہ لمپ کے پیچھے اور تھا۔

ہم اپنے کرم فرماؤں کو ناشائستہ لوگوں اور ان کے ٹیلی فون سے محفوظ رکھنے کے لئے مناسب خیال کرتے ہیں کہ آدھی رات کے بعد کوئی ناشائستہ فرد آئے یا اس فون آئے تو اپنے کرم فرما کے کمرے سے نہ ملائیں البتہ اگر ہمارے کرم فرما ایسی ممنعت ضروری نہ سمجھیں تو ہر طرح سے آزاد ہیں۔

اسے دیکھا اور فلور بوائے کی مونچھوں میں سرسرائی مسکراہٹ کو دیکھا تو ہمارا ماتھا ٹھنکا یا اللہ ہماری عصمت اور آبرو تیرے ہاتھ ہے۔



## نمبر ۷۹ کی تلاش میں

فورچونا ہوٹل میں کمرہ نہ ملنا اور ہمارا کلور ہوٹل میں وارد ہونا سوء التفاقات کے سلسلے کی پہلی رو کڑیاں تھیں تیسری لڑی تھی ہمارے سوٹ کیس کی چابی کا گم ہونا اور اس کھلوانے کی کوشش میں ہمارا بقدر چار ڈالر مفلس تر ہو جاتا ہانگ کانگ کا پروگرام ہی اس طرح بنا تھا کہ ایر کمپنی کے خرچ پر ہوٹل میں ٹھہرے اور جو چند ٹکے جیب میں ہیں ان سے شہر دیکھیں گے اور کوئی چھوٹی موٹی چیز قمیض وغیرہ خریدیں گے لیکن یہ کیا پتہ تھا کہ ہانگ کانگ میں جہاں ہم یکسیر اجنبی تھے ہمارے لئے عشق کے امتحان اور بھی ہیں ہم نے سوٹ کیس کھولا اور وہ پیکٹ نکالا جو کراچی سے ہمارے ایک دوست نے ہمیں دیا تھا کہ ہانگ کانگ پہنچو تو فلاں صاحب کو پہنچا دینا فون کر دینا وہ خود پہی آکر لے جائیں گے اور چونکہ وہ لوگ پنجابی میں تمہاری رہنمائی اور مدد کا حق بھی ادا کریں گے پس ہم نے فون کیا پھر فون کیا پھر فون کیا لیکن ڈائے برخاست آخر سوچا کہ کیوں نہ خود ان لوگوں سے شرف ملاقات حاصل کیا جائے یہ جگہ واٹر نو روڈ پر تھی اور وہاں وکٹوریہ مینشن تلاش کر کے اس کی چھٹی منزل پر فلیٹ ۴۷ میں جانا تھا ہوٹل ہمارا نتھان روڈ پر تھا کسے کولون کی بندر روڈ سمجھئے اب ہم نے وہ نقشہ نکالا ہوٹل فورچونا کی لابی سے لے لیا تھا اور بیرے سے کہا ہمیں ذرا اس پر بتاؤ کہ واٹر روڈ کہاں ہے بیرے نے نہایت شفقت سے نقشہ پر انگلی پھیرنی شروع کی جو بہت جلد نقشے کی سرحد پار کر کے میز پر چلی گئی معلوم ہوا ہوٹل فورچونا والوں نے یہ احتیاط کی تھی کہ اپنے گرد نواح کی چند سڑکوں اور گلیوں کے علاوہ نقشے پر کچھ نہ دیا جائے تا کہ کوئی مسافر غریب بھٹک نہ جائے خیر بیرے نے کہا جہاں یہ نقشہ ختم ہوتا ہے وہاں سے دو سو گز آگے جائیے اور پھر کسی سے پوچھ لیجئے کہ واٹر روڈ کدھر ہے ہم نے کہ کتنے ہی شہروں کی گلیوں کو پیادہ پارندہ چکے ہیں سز نقشہ اٹھایا پیکٹ بغل میں مارا اور خضرا راہ بیرے کی بتائی ہوئی سمت میں روانہ ہو گئے کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ کہ چند چوک کے بعد واٹر نو روڈ مل گئی نتھان روڈ سے داہنے ہاتھ کو ایک ترچھی سی

شاخ نکل گئی تھی اس وقت ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ اتنے چھوٹے آم میں اتنی بڑی گٹھلی ہو سکتی ہے یعنی اس چھوٹے شہر میں اتنی لمبی سڑکیں ہو سکتی ہیں ہم یہی سمجھے کہ سڑک مل گئی تو گھر بھی مل گیا سمجھو وکٹوریہ میٹن کا نمبر ۷۹ تھا کہیں تو جا کے رکے گاسفینہ غم دل لیکن اس شب سست موج کا ساحل نہ تھا اول تو واٹر بورڈ پر نمبر تھے تو آٹھ دس مکانوں کے بعد ایک نظر آتا اب ہم نے پوچھنا شروع کیا جس چینی کو ہم اس کے کپڑوں سے تعلیم یافتہ جان کر سوال کرتے تھے وہ کاندھے اچکا کر رہ جاتا اور اپنی راہ ہولیتا ایک آدھ نے انگریزی میں کہا ہمیں نہیں معلوم لیکن ایسے بھی ملے کہ ہمارے سوال کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا نہ کاندھے اچکائے نہ معذرت کی بلکہ ہمیں بھرپور نظر سے دیکھ کر چل دیئے اور ہم اپنا سامنہ لے کے رہ گئے چلتے چلتے، چلتے چلتے کئی پار کرنے کے بعد ہم کو ۸۰ ایک جگہ لکھا مل گیا اور ہم نے کہا لومعرکہ مارلیا اب ایک اگلا یا اس سے پچھلا نمبر ۷۹ ہوگا لیکن ۸۰ کی یہ عمارت کوئی گرجا تھی اور اس کے ساتھ والے مکان کا نمبر ۷۳ تھا اس کے بعد ایک گلی تھی اور گلی کے پار ۵۹ نمبر کا مکان تھا معلوم ہوا اس سڑک کے مکانوں کی ترتیب کا فرسودا اصول استعمال نہ کیا گیا تھا اب تک ہم ڈھائی میل کی راہ طے چکے تھے اور اب تک ہمارے ساتھ جو گزری تھی اس کی بناء پر غنجہ دل بھی نہ کھلا تھا بلکہ دل تنگی کی کیفیت تھی خیر اب جو ایک بھلے مانس گزرے ان سے ہم نے فرمائش کی کہ وکٹوریہ یہ میٹن بتاؤ اس شخص نے سڑک کی دوسری طرف اونچی اونچی عمارتوں کے ایک سلسلے کی طرف اشارہ کیا کوئی دو فرلانگ دور اور کہا وہیں کہیں ہے ڈھونڈ لیجئے۔

قصہ کو تاہ ۸۰ سے کوئی دو فرلانگ دور ۷۹ مل گئی اب فقط چھٹی منزل پر جانے اور ۴۷ نمبر فلیٹ تلاش کرنے کی بات تھی بلڈنگ میں دو تین لفٹ لگے تھے ایک کا بٹن دبایا اور انتظار کیا کہ دروازہ کھلے دروازہ کھلا تھوڑی دیر بعد اسے ہم نے اپنی طرف کھینچا تو دروازے کے کواڑ کی طرح باہر کو کھل گیا اندر جا کر ہم نے چھ نمبر کا بٹن دبایا لیکن لفٹ ساکت پھر دبایا اب کے بھی کوئی حیرت نہ ہوئی آخر دروازے کو جھٹکا دیا اور

لفٹ نے اوپر چڑھنا شروع کیا ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ گویا ہم تیرھویں منزل پر پہنچ گئے تھے اب ہم نے پھر دبایا اور لفٹ نے نیچے اترنا شروع کیا لیکن ۶ پر اب کے بھی نہ رکا اور زمین پر آکر دم لیا اب کے ہم نے یہ ترکیب کی کہ منزل مقصود کے قریب جا کر stop کا بٹن دبایا لیکن اس لفٹ کی تعمیر میں صورت خرابی کی یہ نگلی کہ یہ پانچویں اور چھٹے مالے کے درمیان جا کے رکا پھر دبایا تو چھٹے اور ساتویں کے درمیان سفید دروازے کے دامنے معلق ہو گیا ناچار ہم اوپر جا کر پھر نیچے آئے اور پھر زمینی منزل پر نکل آئے کہ کوئی شخص ملے تو اس نادر روز گار لفٹ کی ترکیب استعمال معلوم کی جائے۔ اتنے میں ایک دوسرے لفٹ سے ایک انگریز نما بزرگ برآمد ہوئے ان سے ہم نے احوال کہا تو وہ مسکرا کر دوسرے لفٹ میں لے گئے اور ہمیں ۶ پر جا کراتارا۔

۴۷ نمبر کافلیٹ کاریڈیو کے سرے پر تھا لیکن دروازہ اس کا بند تھا اور دروازے کے باہر ایک آہنی جنگلا لگا تھا خیر ہم نے بٹن دبایا تھوڑی دیر بعد کسی خاتون بے دروازے کو جزوی طور پر کھولا اور کہا،، کیا کام ہے کس سے ملنا ہے ؟

ہم نے کہا، ڈاکٹر فلاں اور ان کی بیگم فلاں یہاں رہتی ہیں ؟

اس خاتون نے کہا یہ تو بعد میں بتاؤں گی پہلے آپ کا نام بتائیے ؟

ہم نے کام عرض کیا یہ ایک پیکٹ کراچی سے لایا ہوں انھیں دینا ہے ۔

اب انھوں نے دروازہ کھول دیا بدر دو تین صاحب بیٹھے تھے جنھوں نے ہمیں دیکھ کر کسی کی گرمجوشی کا اظہار

نہ کیا بلکہ اپنے سلام علیکم کا جواب بھی نہ سنا اور خود ہی ایک کرسی لے کر بیٹھ گئے انھوں نے یہ پوچھا

کہ آپ کون ہی کہاں سے آئے ہیں بہر حال ہم نے ایک اپنی پیتا سنائی آخر ایک صاحب بولے ہاں ہمارا

فون خراب ہے آپ خوش قسمت ہیں کہ ہم آپ کو مل گئے کیونکہ آج ہم یہ فلیٹ بدل رہے ہیں

کہیں اور چلے جائیں گے ہم نے ان کا بہت شکریہ ادا کیا کہ آج مکان نہ بدل کر ہماری اتنی زحمت

بچالی اور پھر سلام کر کے چلے آئے۔

وقت کھانے کا ہو رہا تھا اور ہماری بھوک کی چمک اٹھی تھی راستے میں ایک دو چینی ریستوران نظر آئے لیکن جاپانی چینی کھانا اتنے دن کھایا تھا کہ اب اس کا شوق نہ تھا ہم بے خیالی میں اپنے ہوٹل سے کوئی آدھ میل آگئے نکل گئے جہاں دہنی طرف فوجی بیرکس اور خاردار تاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم غلط جگہ آگئے اب کے جو ہم لوٹے تو چوک ہی پر ایک صاحب نے کھسیس نکال کر ہم سے کچھ سوال کیا پتہ نہیں کیا کہہ رہا تھا ہم نے پوچھا کیا ؟

بولا،، چوکری،،

چینی ہم جانتے نہیں اور انگریزی میں ایسا لفظ ہمیں یاد نہ تھا لہذا مزید وضاحت طلب کی اب کے اس نے کہا چوکری چاہئے۔

ہم نے کہا what چوکری

بولا،، عمدہ نفیس young

اب ہم جان گئے کہ ہندوستانیوں پاکستانیوں کی آسانی کے لئے انھوں نے یہ لفظ یاد کر رکھا ہے اس پر ہانگ کانگ کی حکایات اور روایات یاد آئیں ایک زمانے میں شنگھائی میں بھی یہ عالم تھا کہ راہ چلتوں کو چلتوں کو روکا جاتا تھا اور سارے شہر میں قبہ خانوں - چنڈ خانوں اور دلالوں کے ٹھکانوں کا جال بچھا تھا چین میں تو اب یہ چیز ناپید ہے ایسی ناپید جیسے کبھی نہ رہی ہو لیکن ہانگ کانگ میں مسافر نوازی کا معقول انتظام ہے یہاں جیب بھی کٹتی ہے اور قدم قدم پر تیرتھ رام فیروز پوری کے ڈاکٹر فومانچو اور سنہری بکچھو بھی موجود ہیں ہوٹلوں میں آپ کا سوٹ کیس بھی کھول لیا جاتا ہے اور اس پر ہمیں ہوٹل کے کمرے کا وہ نوٹس کے کمرے کا وہ نوٹس بھی یاد آیا کہ ناشتہ لوگوں اور ان کے ٹیلی فونوں سے خبردار۔

ہم جلدی سے لندن تھیٹر والی گلی میں مڑ گئے اور اگلے ہی چوک میں پھر گھر گئے پہلے تو ایک رکشا والے

نے جس کے چہرے پر سب کچھ لکھا تھا ہمارا راستہ روکا ہم نے فٹ پاتھ بھلا تو ایک چھبے کی آڑ سے دو آدمی اور نکلے ان کے پاس مال تجارت ایک ہی تھا اچھا اور ہانگ کانگ کی روایت کے مطابق سستا پسند ہو تو دام واپس خیریت اسمیں نظر آئی کہ نتھان روڈ ہی پکڑو۔۔۔۔۔ ریسٹوران کی تلاش بھی ملتوی آ خر کلورو ہوٹل ہی میں آ کر لیا اس کی چھت پر بھی ایک ریسٹوران ہے جس کے ساتھ جنت بگاہ اور فردوس گوش کے کچھ التزامات ہیں ہم نے اوپر پہنچ کر ایک نیم تاریک برآمدے میں جلدی جلدی کچھ منگا کر کھایا ایک کوکا کولا پیا اور بیروں کو مایوس اور متحیر چھوڑ اپنے کمرے میں آ گئے یہ عزم ہم نے کر لیا تھا ایک آدمی روت کو کوئی فون آئے ہم علی الصباح اس ہوٹل سے کنارہ کریں گے پہلے چابی گم ہوئی تھی اب کے کہیں خود ہی نہ گم ہو جائیں

افغانستان

۱۹۶۶ء

Virtual Home  
for Real People



## ایک سفر نامہ جو کہیں کا بھی نہیں ہے

ہم نے سفر نامے بہت لکھے ہیں چین واپچین کے سفر نامے ایران توران کے سفر نامے ان جگہوں کے سفر نامے جہاں ہم نہیں گئے اور ان وارداتوں کا چشم دید احوال جو ہم نے نہیں دیکھیں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے ٹانگیں بے شک دی ہیں لیکن دماغ بھی تو دیا ہے جس کی اہمیت ٹانگوں کے برابر نہ ہو بہر حال ہے تو۔

آج کا سفر نامہ ہے تو سفر نامہ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ کہاں کا ہے تو بتا بھی نہ سکیں آج صبح ہم کابل کے لئے چلے تھے لیکن رات ہو گئی ہے اور کابل پہنچے نہیں ہیں پہلے راولپنڈی میں لیٹ ہوئے پھر پشاور سے چلنے میں تعویق ہوئی آخر چلے پائلٹ نے بتایا کہ آپ کے نیچے اس وقت درہ خیبر ہے پھر کہا یہ وئی طرف کو جلال آباد کا قصبہ ہے اور یہ ٹیڑھی میڑھی جوئے کم آب دریائے کابل کہلاتا ہے اب آپ حکومت افغانستان کے وہ فارم بھر دیجئے جن میں وطنیت قومیت وغیرہ لکھنی ہوتی ہے اور اب صاحبان پائلٹ نے کھنکار کر کہا اب تھوڑی دیر میں ہم پشاور کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں کیونکہ کابل گھنگو ر بادلوں میں چھپا ہوا ہے وہاں ہم اتر نہیں سکتے امید کا سفر خوشگوار گزارا ہوگا دراصل آثار شروع ہی سے ٹھیک نہیں تھے جب سے کابل جانے کا سنا لوگ ہمیں برا برڈرا رہے تھے کہ سردی ہے جانا نہیں مرجاؤ گے مولانا حامد علی خاں نے کہا میں کابل میں دو دو اور کوٹ پہن کر بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ تن زیب کا انگرکھا پہنے ہوئے ہیں حمید اختر نے نصیحت کی کہ جاتے ہی وہاں سے وگلہ نما افغانی کوٹ خرید لینا ورنہ نتائج کا ذمہ دار نہ ہوگا ان لوگوں کا ہم ذکر نہیں کرتے جو ہم سے جل کر طعنے تشنے پر اتر آئے تھے ایک تو یہاں تک کہا کہ کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے جو تم وہاں جا رہے ہو خیر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

ایک جونا مارکیٹ ہم شرما شرمی میں نہیں گئے ورنہ کون سی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنے لئے کپڑے جمع نہیں کئے ہمیں دراصل اوور کوٹ درکار تھے اور کوئی اونی زیر جامہ تو سبحان اللہ لیکن ہماری شہرت ایسی خراب ہوئی کہ لوگوں نے قیاس کیا ہم شاید فلسطین کے مہاجروں یا افغانستان کے پابندوں کے لئے کپڑے



جمع کر رہے ہیں نتیجہ سب نے اپنے پھٹے ہوئے گھسے ہوئے کپڑے ہمارے سر منڈھے کی کوشش کی وہ جانتے تھے کہ اگر واپس دے گا یو ڈرائی کلین کرا کے دے گا نہ دے گا تو ہماری جان ان کپڑوں سے چھوٹے گی۔۔۔ دونوں صورتوں میں نقصان اسی شخص کا ہے اور کوٹ ہمارے پاس دو ہو گئے ایک تو آغا جعفری کا عطیہ اتنا خوبصورت اور دیدہ زیب کہ پہننے کو جی نہ چاہئے دوسرا حبیب اللہ شہاب کا جو شاید انھوں نے قطب شمالی کی مہم کے لئے بنوایا تھا۔

کیونکہ ہم نے اسے پہنا تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ گئے دو آدمیوں نے ہماری بانہوں میں ہاتھ دے کر ہمیں دوبارہ کھڑا کیا اور پھر اسے پہن کر ہم بالکل برفانی ریچھ معلوم ہوتے تھے بس رنگ کا فرق تھا کیونکہ برفانی ریچھ غالباً سفید ہوتا ہے کلمہ و دستانہ ہم پر نہیں رکھتے لیکن اس خاص موقع کے لئے ایک فلیٹ خریدی اس کا الٹا سیدھا معلوم کیا لومڑی کی کھال کے دستانے لیئے گلے میں کانگری ڈالنے کا بھی خیال تھا لیکن وہ کشمیر کی خاص چیز ہے ہمارے کراچی میں نہیں ملتی اس سارے سازو سامان سے لیس ہو کر دم تحریر ہم پشاور میں پڑے ہیں یہ ڈین ہوٹل کا کمرہ ۴۷ ہے آشدان میں آگ دہک رہی ہے جس طرح ہمارے گاؤں کے فتح دین درزی نے کراچی ایف، ڈین اینڈ سنز ٹیلرز اینڈ آؤٹ فٹرز کے نام سے اپنی دکان لگائی اور چمکائی اس سے ہم سمجھتے تھے کہ ڈین ہوٹل بھی کسی احمد دین یا نور دین کا ہوگا لیکن ہوٹل کا ناک نقشہ بتایا ہے کہ یہ واقعی کسی انگریز بہادر کی ملکیت رہا ہے لان کشادہ۔ احاطہ۔ کشادہ، کمرے کشادہ، ہر چیز کشادہ ہے سوائے مالکوں کے دل کے کیونکہ ہمارے کمرے میں بجائے غالیچوں کے ان کی کترین پڑی ہیں ٹھنڈے کمرے کے فرش پر ان پر پاؤں رکھتے ہوئے یوں گزرنا پڑتا ہے جیسے کیچڑ میں پڑی ہوئی اینٹوں پر بچتے بچاتے قدم رکھتے ہوئے چلتے ہیں لاؤنج کے قالین بھی گھسے پھٹے ہیں اور عظمت رفتہ کی کہانی کہہ رہے ہیں جدید ہوٹلوں کی سی نہ اس میں شان ہے نہ آسائش اپنی عمر طبعی میں سے یہ کچھ ہنس کر گزار چکا ہے اور کچھ رو کر گزار رہا ہے سید محمد جعفری نے جو مصرع پرانے کوٹ کی مدح میں لکھا تھا ہمیں

اس ہوٹل کو دیکھ کر یاد آیا۔

ع کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ

باوجود فون کرنے کے کوئی دوست پشاور میں نہ مل سکا پشاور والوں کی عالی حوصلگی سے ہم کما حقہ متاثر ہو چکے ہیں ہمیں پی آئی اے کے دفتر جانا تھا کسی نے بتایا کہ انٹرنیشنل ہوٹل میں ہے ہم نے اپنے ہوٹل کے کونٹر پر جا کر پوچھا کہ کتنی دور ہے یہ جگہ تو کونٹر کلرک نے بتایا کہ جناب بالکل ہمارے پچھواڑے ہے بس کوئی ایک فرلانگ ہوگی آپ ہوٹل کے دروازے سے نکل کر بڑی سڑک پر آئیے اور بائیں ہاتھ کو چلیئے بس سامنے ہی ہے جب ہم اس ہدایت کے مطابق کوئی پون میل کی مسافت طے کر چکے تو ایک صاحب سے پوچھا۔۔۔ انھوں نے کہا پی آئی اے کا دفتر اجی وہ تو یہ رہا آپ کو اسی راستے پر ایک سیما ملے گا اس کے بعد پی آئی اے کا دفتر ہے اور واقعی اس جگہ سے کوئی آدھ میل آگے ہمیں وہ دفتر مل گیا یہ جگہ واقعی ڈین ہوٹل کے پچھواڑے میں ہے لیکن ایسا ہی ہے جیسے کراچی کے پچھواڑے میں کاٹھیاواڑ ہے اور لاہور کے پچھواڑے میں تبت پڑتا ہے انسان عالی حوصلہ ہو تو اسے میل اور فرسنگ کے فاصلے فرلانگیں اور گز ہی معلوم ہوتے ہمارا پشاور کی مزید سیر کرنے کا بھی ارادہ تھا لیکن اس ایک مثال سے خائف ہو گئے کیونکہ ہم ان بزرگ سے پوچھتے کہ درہ خیبر کتنی دور ہے تو وہ یقیناً یہی فرماتے کہ بس دومنٹ کا راستہ ہے سیدھے اس سڑک پر چلے جائیے اگلے چوک پر داہنے ہاتھ کو درہ خیبر ہی تو ہے ۔

Virtual Home  
for Real People

## ہاں کابل میں گدھے ہوتے ہیں

ہم اور رحمان شریف قبلہ کابل میں ایک ہی روز وارد ہوئے پاکستان اس لحاظ سے افغانستان کے مقابلے میں پسماندہ ہے کہ یہاں ابھی ماہ شعبان چل رہا تھا [شاہور سے ڈین ہوٹل کی میزبانی کا لطف اٹھاتے اور چلغوزے ٹھونگتے ہم جہاز میں سوار ہوئے تھے لیکن پون گھنٹے کابل کے خوبصورت ہوائی اڈے پر اترے تو پرچہ لگا کہ صاحبو۔۔ آج ہر طرف یکم رمضان کی تعطیل ہے آپ کی باچھوں جو چلغوزوں کے چھلکے لگے ہیں انھوں اچھی طرح صاف کر لیجئے۔

کابل میں ہم دونوں چیزوں کا رعب دل میں لے کر گئے تھے ایک سرکاری کا دوسرے رمضان شریف کا۔ سردی کے ڈر سے ہم نے جو پوسٹینوں، دہرے تہرے سوٹروں، مفکروں طرح طرح کی ٹوپوں اور کنٹوپوں دستانوں اور قطب شمالی والے اور کوٹوں کا انتظام کیا تھا جاڑے میاں شاید اس کا سن کر دبک گئے اور کابل والے سے کہا یہ شخص یہاں سے جائے گا تو پھر تم لوگوں سے سمجھو گے جتنے دن ہم کابل میں رہے جاڑا بس ایسا ہی تھا جیسا پنڈی میں ہوتا ہے پشاور میں تھا بلکہ لاہور میں بھی کوئٹہ سے اک ذرا سردی کی لہر آجائے تو ایسا نقشہ تو کراچی میں بھی ہو جاتا ہے دستانے سوٹر مفکر اور کنٹوپ اور حبیب اللہ شہاب والامہا اور اور کوٹ دیکھ دیکھ کر ہم اتنے دنوں جھلایا کئے ایک روز بھی کڑا کے کی دندان شکن سردی پڑ جاتی تو ان کا مصرف نکل آتا اور ہمیں گلہ نہ رہتا۔

روزوں کے متعلق اپنے افغان اور پٹھان بھائیوں کے مشدد رویے کا ذکر بھی ہم سن چکے تھے بیشک ہوٹل جس میں ہم ٹھہرے وہ روشن خیال اور مغربی قسم کا تھا تا ہم لوگوں نے بتا رکھا تھا کہ سنا ہے وہاں تڑکے ہی مسافرہروں کو ٹانگوں سے گھسیٹ اٹھا دیتے ہیں اور بنوک شمشیر روزہ رکھواتے ہیں الحمد للہ کہ یہ اندیشے بھی باطل ثابت ہوئے ہم نے کابل کے ریتارنوں اور بھٹیاری خانوں کو اسی طرح احترام کے پردے لٹکائے کاروبار کرتے دیکھا جیسا کراچی میں دیکھتے ہیں ہم نے ایک آدھ بار روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا

تو ہمارے ایک افغان دوست نے کہا کہ شوق سے رکھو ہم منع نہیں کرتے لیکن اتنا دیکھ لو کہ تم سفر میں روزے کی احتیاط رکھی جاتی ہے یہ لوگ ہمارے جذبہ ایمانی کو اتنی ڈھیل نہ دیتے تو ہماری روزہ کشائی کی خبر کابل سے آتی۔

کابل میں دو ہی اچھے ہوٹل ہیں کابل اور سپن زر۔۔۔ سپن تو ابھی حال ہی بنا ہے اور الٹرا ماڈرن گنا جاتا ہے اگرچہ زیادہ بڑا نہیں کابل پرانا ہے وضعدادانہ شریفانہ اور آرام دہ باہر سے اس کی سہ منزلہ عمارت بے رنگ سی ہے لیکن اندر جائیے تو لاؤنچ اور کمرے اور سازو اور سامان سب نفیس ہم کابل ہوٹل میں اترے کمرے کا بھاڑ ٹھہرایا معلوم ہوا تین سو افغانی روزانہ دینے ہوں گے دس فیصد سروس اس پر مستزاد ناشتہ اور کھانا اس کے علاوہ کسی چیز کے دام سینکڑوں میں سنیں تو ہمیں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن یہ معلوم کر کے سکون ہوا کہ ایک افغانی ہماری مرحومہ دونی کے برابر ہوتا ہے ہم نے سو روپے پاکستانی دیئے اور ہوٹل والے نے آٹھ سو افغانی ہمیں گن دیئے حساب سے چالیس پینتالیس روپے کا کمرہ پڑا جسے آٹھ جسے کم نہیں تو زیادہ بھی نہیں کہہ سکتے لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر گلبرگ تو یہ دام سن کر اچھل ہی پڑے کیونکہ ڈالر کے حساب سے گئیں تو یہی افغانی ایک آنے کا پڑتا ہے اور تین سو افغانی کا مطلب ہوا چار ڈالر روزانہ بات یہ ہے کہ افغانستان میں سکے کی بین الاقوامی قیمت مقرر نہیں ہے ہر بازار کا بھاؤ نکلتا ہے ڈالر کے ستر پچھتر افغانی مل جاتے ہیں اور روپے کے بہت دوڑ دھوپ سے شاید نو افغانی مل جاتے ہیں بہر حال ہم کسی چیز کے دام سن لر اسے فوراً پاکستانی سکے میں ڈھالتے تو وہ خاصی مہنگی معلوم ہوتی گلبرگ صاحب کی آنکھیں ارزانی دیکھ کر چمک اٹھتیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کابل جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آگئے کچھ بھی نہ لاسکے اور ڈاکٹر گلبرگ وہاں سے لدے پھندے گئے۔

پشاور کے ہوائی اڈے پر ہم نے اپنے سفروں میں ایک ادھیڑ عمر کے بزرگ کو دیکھا کہ لمبی سرخ داڑھی ہے اور سر پر بھی کنگھی نے نیاز بالوں کا جھاڑ کھڑا ہے تھوڑا لنگڑا تے ہیں اور چھڑی لے کر چلتے ہیں پھولدار

لے کر چلتے ہیں پھولدار باسکٹ پہنے ہوئے تھے یعنی ان کی وضع قطع سج دھج سب سے سلگ تھی ہم پی آئی اے کے کونٹر پر اپنا ٹکٹ دکھا رہے تھے کہ وہ مسکراتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور فرمایا تمہارے پاس یہ sas یعنی سکندے نیوین ایئر سروس کا ٹکٹ کہاں سے آگیا ہم نے بتایا کہ یونیکسیو جس کی طرف سے ہم نے یہ سفر اختیار کیا ہے اس نے پیرس اس کا انتظام کیا تھا بولے مجھے یوں جستجو ہوئی کہ یہ ڈنمارک کا ہوں اور sas میرے وطن کی کمپنی ہے اس پر بات چل نکلی ہم نے انھیں بتایا کہ آپ کے وطن کی زیارت بھی ہم کر چکے ہیں کوپن ہیگن کے علاوہ اسی نور بھی گئے تھے جہاں ہملٹ کا قلعہ ہے اور جہاں سے سمندر پار سویڈن نظر آتا ہے

بولے مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساری عمر ڈنمارک میں گزار کر اسی نور آج تک نہیں دیکھا ہم نے یہ کہہ کر ان کی ڈھارین بندھائی کہ ہم نے بھی کراچی میں آدھی عمر گزاری ہے لیکن منگھو پیر نہیں گئے تا کہ ہمارا منگھو پیر ان کے اسی نور کے مقابلے میں کچا نہ پڑے یہ ڈاکٹر گلبرگ تھے ڈاکٹر گلبرگ دوا دارو والے ڈاکٹر ہیں لیکن نسخوں کے علاوہ کتابیں بھی لکھتے ہیں اور یہی ہماری دوستی کی وجہ ہوئی انھوں نے بتایا کہ ان کی کتاب اسکیمو ڈاکٹر،، برطانیہ اور امریکہ کے علاوہ کئی ملکوں میں چھپ چکی ہے ہم نے ریڈر ڈائجسٹ میں اس کا ذکر یا خلاصہ پڑھا تھا اور کچھ کچھ یاد تھا یہ سن کر وہ اور خوش ہوئے اور اپنی بی بی سے کہا دیکھو یہ شخص کتنا پڑھا لکھا ہے اس نے عید ع ڈائجسٹ میں میری کتاب کا ذکر پڑھا لکھا ہے فرانسیوں کی طرح ر کا تلفظ وہ ہمیشہ ہی کرتے رہے۔

ڈاکٹر گلبرگ مہم جو آدمی ہیں برسوں وہ گرین لینڈ جا کر اسکیموں کے ساتھ رہے ان کی زبان اور معا۔ شرت اختیار کی اٹھی کا سبے نمک کھانا کھاتے رہے یہی مچھلی ریچھ کا گوشت وغیرہ برف کے جھونپڑوں میں قیام کیا اور پھر یہ کتاب لکھی اب میاں بی بی ایشیا اور مشرق بعید کے دورے پر نکلے تھے کینیا - ہندوستان تھائی لینڈ اور نیپال ہوتے ہوئے پاکستان آئے تھے اب کابل اور تہران ہو کر وطن واپسی کا پروگرام



تھا ہندوستان سے یہ لوگ ایک شب ٹھہر کر بھاگے کیونکہ یہ پارلیمنٹ اٹریٹ پر جن پتھ ہوٹل میں ٹھہرے تھے اس روز سا دھوؤں اور غیر سادھوؤں کی طرف سے گؤ گشی کے معاملے پر وہ خوف ناک مظاہرہ ہوا تھا جس میں جان و مال کا بے حد نقصان ہوا ماہرین نے مغربی ٹورسٹوں کو بھی جہاں وہ نظر آئے گھیر لیا اور کہا یہ لوگ بھی مسلمانوں سے کم نہیں یہ بھی گائے کا گوشت کھاتے ہیں بڑی مشکل سے یہ خشمگین مجمع کے زرنے سے نکل کر ہوٹل واپس پہنچے اور اسی دن نیپال روانہ ہو گئے۔

پاکستانیوں --- خصوصاً پشاور والوں کے یہ بہت معترف تھے کہ بڑے تپاک اور خلوص سے ملتے ہیں پی آئی اے کی خاص طور پر طعریف کرتے تھے کہ اس کے آدمی بہت خلیق اور متاضع ہیں ہاں اپنے پشاور والے ہوٹل کے نام سے بے مزہ ہوتے تھے کہتے تھے یہ نظر بٹو ہے تاکہ پاکستان کو نظر نہ لگ جائے دیکھو کابل ہوٹل میں یہ چار ڈالر روزانہ کا کتنا اچھا کمرہ ہے اسے گرم رکھنے کا مرکزی نظام بھی ہے قالین، فرنیچر سروس بھی معقول پشاور میں میں رہا اور اس باوا آدم کے زمانے کے کمرے کے تیرہ ڈالر روزانہ نہ دیتا رہا یہی نہیں ان لوگوں نے پانچ روپے روزانہ اس لکڑی کے بھی مجھ سے وصول کئے جو کمرہ گرم رکھنے یا اس میں دھواں پھیلانے کے لئے روزانہ جلانی پڑتی تھی جاتے ہوئے جن لوگوں نے ہم سے پوچھا تھا کہ کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے ان کی اطلاع کے لئے گزارش ہے کہ کہ ہوتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں یہاں ہمارا مطلب چار ٹانگوں والی بلاسینگ کی مخلوق سے ہے دو ٹانگوں والے بھی یقیناً ہوں گے ہم نے زیادتی جستجو نہیں کی یہ گدھے وہ تھے جو زرنکار پارک کے سامنے قطار و قطار کھڑے تھے اور ان کے پالان سنگتروں سے بھرے تھے یہاں سنگترے تل کر بکتے ہیں ڈاکٹر گلبرگ کی بی بی سنگتروں پر مچل گئی اور بولیں ان کا بھاؤ پوچھو ہم نے بھاؤ پوچھا آغا چنداست ایران کی طرح یہاں بھی یہ معلوم ہوا کہ فارسی بولنا آسان ہے سمجھنا مشکل آغا نے جواب دیا وہ ہمارے پلے نہ پڑا حالانکہ ہم نے چہ چہ کر کے ایک دو بار وضاحت بھی چاہی ان غیر ملکیوں کو یہ بتانا غیر ضروری تھا کہ یہ گدھے والا ان الفاظ میں ادائے کا



مطلب سے قاصر ہے جو ہماری سمجھ میں آسکیں لیذا ہم نے کہا چھوڑیے مہنگا بہت دیتا ہے لیکن وہ خاتون تھوڑی دور ایک اور گدھے کے پاس مچل گئیں کہ یہاں سے لے لو یہ سستا دے گا ہم نے ایک باٹ کی طرف اشارہ کر کے سنگتروں والے سے کہا کہ آغا نس این قدرے دو اس نے تولا تو چار سنگترے پڑے قیمت ہم نے پوچھی کہا افہام و تفہیم میں وقت نہ ہو آخر با ہم زبان سمجھنے کا معاملہ ہمارا اور ہمارے افغان بھائیوں کا ہے ڈنمارک والوں کو اس سے کیا مطلب ہم نے دس افغانی کا نوٹی دیا اس نے چار افغانی کاٹ کر باقی ریز گاری ہمیں دے دی ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی نے ہمارا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس دیار غیر میں جہاں ہماری زبان اور انگریزی سمجھنے والا کوئی نہیں تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہم کیا کرتے ہم نے موزوں الفاظ میں کسر نفسی کرنے کے بعد کہا کہ خیر انسان انسان کے کام آتا ہی ہے بنی آدم اعضائے یک دیگر اند وغیرہ۔

## ریلوے --- کونسی ریلوے ؟

جس کام سے ہم کابل گئے تھے اس کا تعلق کتابوں سے تھا ہم نے کہا ایک افغانی دوست سے کہا کہ ہمیں کسی پبلشر سے ملوایے۔

بولے ،، یہاں کوئی پبلشر نہیں ،،

چھوٹا موٹا تو ہوگا ،،

نہ چھوٹا نہ موٹا

پھر کتب فروش کتابیں کہاں سے لیتے ہیں ،،

کتب فروش ؟ کونسے کتب فروش ؟

ہم نے بازار میں کتابوں بیچنے والوں سے، طلب کیا اس کے علاوہ ریلوے اسٹیشنوں پر بھی بک اسٹال ہوتے ہیں کابل قندھار ویرہ میں ہوں گے ہی جہاں سے مسافر سفر میں دل بہلانے کے لئے ناول رسالے جنتریاں وغیرہ خریدتے ہیں

ہمارے دوست نے کسی قدر جھلاہٹ سے کہا  
 میاں ہوش کی دوا کرو کونسے ریلوے اسٹیشن اور کیسی ریلوے تمہیں معلوم ہے افغانستان میں ریلوے نام کی کوئی چیز نہیں یہ شیطانی چرخہ تمہی کو مبارک ہو تب ہمیں افغانستان کے متعلق وہ مضمون یاد آیا جو ہم نے کابل جانے سے پہلے پڑھا تھا لکھا تھا کہ ادھر آپ نے درہ خیبر کے پار افغانستان کی نئی سر زمین میں قدم رکھا ادھر ایک صدی پیچھے پہنچ گئے۔

لیکن کبھی کبھی مسافر کے ساتھ ابو الحسن سوتے جاگتے کا قصہ بھی ہو جاتا ہے اگر آپ پرانے شہر کے محلہ شور بازار میں کسی کی آنکھیں بند کیجئے اور کابل یونیورسٹی لائبریری میں جا کر کھولئے تو گرم سرد یا شادی مرگ قسم کی واردات ہونے کا خطرہ ہے ہماری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ایسی الٹا ماڈرن لائبریری جدید ترین سازو سامان سے لیس ہم نے اپنے ملک می تو دیکھی نہیں اور بھی کم ہی ملکوں میں ہو گی نقشہ اس کا امریکہ کی دعوت پر ایک جاپانی ماہر تعمیرات نے بنایا اور باقی ہر چیز میزیں، کرسیاں الماریاں روسی کتبوں کی بھی دکھائی دیں۔

پبلیشروں کی حد تک تو ٹھیک ہے کہ افغانستان میں اس نام کی کوئی مخلوق نہی حکومت کے محکمے اور ادا۔ رے سرکاری مطبعوں میں کتابیں چھاپتے ہیں ان کی بھی مکمل تعداد پورے ملک میں پانچ ہے پرائیویٹ پریس کوئی نہیں ہے اول تو ان حالات میں کوئی شخص کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں کرتا اگر کوئی مرزا غا۔ لب یا فیض احمد فیض پیدا ہو بھی جائے تو ازراہ قانون اسے حکومت کو عرضی دینی چاہیے کہ بندے کی یہ تالیف لطیف زیور طبع سے آراستہ کی جائے وہ ٹھوک بجا کر (کسی کام میں جلدی نہیں کی جاتی) دیکھیں

گے ہاں کوئی مضائقہ نہیں تو حکم ملے گا کہ اچھا چھاپے دیتے ہیں کاغذ کتابت طباعت کے پیسے لاؤ اور جب چھپ جائے تو جہاں جی چاہئے جیسے جی چاہے بیجو۔

مانگ کا حال یہ ہے کہ کچھ کتابیں شائقین خرید لے جاتے ہیں کچھ بنیالے جاتا ہے اور اس میں کشمش چلغوزے وغیرہ ڈال کر بیچتا ہے ہمارے انہی دوست نے فرمایا کہ تم جو کچھ بھی کہو اس نظام میں یہ مصلحت یہ ہے کہ لوگ بیہودہ شاعری اور رنگیلے ناولو وغیرہ سے محفظ رہتے ہیں۔

ریلوے کی کہانی یہ معلوم ہوئی کہ شاہ امان اللہ خان اپنے زمانے میں دار الامان نام کی زیادہ بستی بسائی تھی وہاں تک ریلوے لائن۔۔۔ ریلوے نہ کیئے ٹرالی لائن بچھائی تھی بچہ سقہ نے ان کا تاج و تخت چھینا تو پوچھا یہ کیا چیز ہے چنانچہ فرنگیوں کی بدعت قرار دے کر اکھاڑ پھینکا ہم نے دار الامان میں اس کے طور پر ہوئے زنگ خوردہ سلپر اور دو تین ٹوٹی پھوٹی بوگیاں آثار رضاوید کے طور پر ایک جھونپڑے کے سامنے کھڑی پائیں جو ایک زمانے میں ریلوے اسٹیشن تھا اس وقت بھی ریلوے لائن فوری طور پر کوئی منصوبہ نہیں کیونکہ سڑکوں کے ذریعے آمروفت کو بہتر بنانا آسان بھی ہے اور کم خرچ بھی دوسرے ممالک اس میں بڑی مدد دے رہے ہیں کچھ سڑکیں روس نے بنائی اور کچھ ان کی ضد میں آ کر امریکہ نے بنا دیں روس نے کوہ ہندو کش میں دو میل لمبی سرنگ لگا کر کھود کر یا بنا کر افغانستان میں تجارتی مال کی نقل و حرکت میں غیر معمولی آسانی پیدا کر دی ہے بڑی طاقتوں کے دلوں میں افغانستان کا درد ایسا جاگا ہے یا پھر اسے کچھ نام دے دیجئے کہ روس اور امریکہ کے علاوہ جو امداد دینے کے معاملے میں اول اور روم ہیں مغربی جرمنی فرانس، اور برطانیہ بھی دامے درمے قدمے سخنے افغانستان کی خدمت کو عین سعادت سمجھتے ہیں اور برطانیہ جو امداد دینے میں دینے میں پانچویں نمبر پر ہے دو کارخانے شکر کے اور ایک کارخانہ سرسوں کا تیل نکالنے کا قائم کر رہے کیوں نہ کرے اس نے کڑوا پھیکا ہو کر دیکھ لیا جنگیں بھی لڑیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا جب دیکھا کہ ان تلوں میں تیل نہیں یعنی افغانستان واٹ سلطنت انگلیشہ کے سایہ عاطفت میں

آنے سے انکاری ہیں تو سرسوں کا تیل نکالنے کے کارخانے کی پیش کش کردی اور کڑوے کیلے پن کی تلافی کے لئے دو فیکٹریاں شکر کی بھی لاڈالیں۔

کتب فروشوں کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سرے سے ناپید ہیں ہم نے شہر نو کے علاقے میں دو تین کیمین نما دکانیں دیکھیں جن میں پرائمری اور مڈل کلاسوں کے لئے حکومت کی شائع کردہ چند درسی کتابوں کے علاوہ کچھ ایران ان کی پیسریک کتابیں کچھ امریکہ کے سٹے ایڈیشن اور شمع دہلی کے پرچے نظر آئے ایک دو جگہ فٹ پاتھوں پر پرانے امریکی ناول اور رسالے دکھائی دیئے جو کابل میں رہنے والے کسی گورے نے ردی میں بیچے ہوں گے پھر دریائے کابل کی دیواروں کی منڈیر پر بے قاعدہ اور حساب وغیرہ کی درسی کتابیں تھیں ہاں ایک دکان وزارت تعلیم کے دفتر کے نیچے ضرور سرکار نے حال ہی میں کھولی ہے جس میں فارسی کے علاوہ کچھ روسی اور انگریزی کتابیں بھی دکھائی دیں یا پھر ایک دکان فرنیکلن والوں نے باجارت سرکار قائم کی ہے اس میں زیادہ تر درسی مواد ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ملک میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہیں پہلا مدرسہ پہلی جنگ عظیم لے لگ بھگ امیر حبیب اللہ نے قائم کیا جس کا نام تو حبیبیہ کالج تھا لیکن مولوی محمد علی قصوری وغیرہ نے جو وہاں پڑھاتے رہے ہیں لکھا ہے کہ اس کی حیثیت مڈل اسکول سے زیادہ نہ تھی نصاب نہایت ناقص مولوی صاحب نے قرآن مجید اور اس کا ترجمہ نصاب میں شامل کرنا چاہا تو مفتی شہر نے سخت اعتراض کیا کہ طالب علم وہاں بھی ہو جائیں گے اور آخر دم تک مخالفت جاری رکھی مولانا سلیمان ندوی ۱۹۳۳ء میں بمعیت ولامہ اقبال مرحوم اور سر اس مسعود کابل گئے تو ان کو مدرسے دیکھنے کا بھی شوق ہوا سخت مایوس ہوئے ایک ملا دوران کار غلط کتاب پڑھا رہا تھا اور غلط مسئلے بیان کر رہا تھا مولوی صاحب چپکے سے سٹک آئے پہلی جنگ عظیم سے پہلے اوتر بعد بے شمار پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان ان مکاتب میں جا کر پڑھاتے رہے ہیں کیونکہ افغانی ٹیچر کہیں نہیں ملتے بعضے ان میں زمانے کی سیاست کا شکار ہوئے آخر میں ملک

بدر ہوئے بعضے جان سے بھی گئے مغربی طرز کی مدرسے میں فرانسیسی اور جرمن مدرس بھی تھے مگر بہت سے افغان نوجوان یورپ کے مختلف ملکوں سے بھی تعلیم حاصل کر کے آئے اب افغانستان میں دو طرح کے آدمی ملتے ہیں یا تو بالکل ان پڑھ یا کو لمبیا یونیورسٹی کے گریجویٹ خواندگی کا تناسب پانچ فیصدی کے قریب ہے اور اسکول اب بھی بہت کم ہیں اتنا ہے کہ تعلیم نیچے سے اوپر تک یعنی یونیورسٹی تک بالکل مفت ہے حتیٰ کہ کتابوں کا خرچ بھی سرکار دیتی ہے۔

دریائے کابل جو شہر کے بچوں بہتا ہے ہمارے ہوٹل سے کچھ دور نہ تھا دریا لفظ کے استعمال کے لئے ہم دریائے ستلج اور سندھ، دریائے گنگا اور جمنا دریائے ہوانگ ہو اور نگلیسی وغیرہ سے ت دل سے معذرت خواہ ہیں۔

کراچی والے دریا دریائے کابل کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہیں تو اس گندے نالے کو دیکھ لیں جو نہ جانے کہاں سے آتا ہے اور کہاں سے جاتا ہے لیکن وومن کالج کے پاس سے گزرتا ہے فرق اس نالے اور دریائے کابل میں یہ ہے کہ اس نالے کا پانی نسبتاً صاف ہے اور اس میں اتنی زیادہ بو نہیں آتی پانی کی مقدار بھی آج کل تو اسی نالے میں زیادہ ہے ہاں گرمیوں میں سنا ہے برف پگھلتی ہے تو دریائے کابل کی نا طاقی کچھ دور ہو جاتی ہے دیوار پر سے نیچے جھانکیں تو دریا کی غریب نوازی کا نقشہ یہ نظر آتا ہے کہ یہاں ایک بڑھیا کپڑے دھو رہی ہے دس قدم پرے اس میں سے چلو بھر پانی بھر کر کوئی آبدست کر رہا ہے تھوڑا آگے اس میں بچے نہا بھی رہے ہیں اور آس پاس کے گھر والوں کو بھی کوڑا پھینکنے کا بڑا آرام ہے ٹوکری اٹھائی اور دریا میں جھاڑ دی یہی دریا پیاسوں کی تشنگی بھی رفع کرتا ہے کیونکہ نئے حصہ شہر کو چھوڑ کر پرانے شہر میں گھروں تک پانی کے پائپ لے جانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہتھی والے اور کہیں کہیں دوسرے نلکے البتہ ہیں جن سے محلے والے اپنی باری سے مٹی کے مٹکے اور جھجھریں بھر لے جاتے ہیں ان مٹکوں کی وضع قطع کے ظرف ہم نے یا تو عجائب گھروں میں دیکھے یا پھر رباعایت عمر خیام کی بعض تصویروں میں صراحی آپ نے دیکھی ہے ان سے ذرا بڑے ہوتے ہیں لہذا انھیں صراحا کہہ لیجئے ایک طرف کو پکڑنے کے



لئے دستہ بھی لگا دیجئے بیشک ان حکومت پانی پائپوں کے ذریعے گھروں تک پہنچانے کے کا بندوبست کر رہی ہے لیکن فی الحال ۶ تو شہر میں سقوں کارج ہے ایک سقہ تو کچھ تو کچھ دنوں تک ملک کا بادشاہ بھی رہا ہے لیکن وہ الگ کہانی ہے ۔

www.HallaGulla.com

## ست سری اکال

افغانستان سے آ کر کشمیش میوے، سلاجیت اور ہینگ بیچنے والے آغا ہوتے تو دکاندار ہی ہیں لیکن ڈیل کاری کارینگی کی کتابیں ذرا کم پڑھے ہوتے ہیں لیذا کاروبار کرتے وقت بھی اپنی خودی کو بلند رکھتے ہیں ایسے ہی ایک کابلی آغا نے ہمارے ایک میر صاحب کو کاندھے سے چھٹک کر کہا -----  
خو ہینگ خریدو ہینگ میر صاحب لکھنؤ کے تھے نہایت شائستگی سے بولے قبلہ آغا صاحب اس بچہ داں کو ہینگ درکار نہیں آغا موصوف نے لال پیلے ہو کر ایک جھٹکا اور دیا اور فرمایا خو کا پر کا بچہ ----  
کیسے نہیں خریدے گا ہم کوئی تمہارے باپ کا نوکر ہے جو اتنی دور سے اٹھا کے لایا ہے ۔ نکالو پیسے۔  
ایک شاعر نے اس مضمون کو شعر میں بھی باندھا ہے ۔

واسطے تیرے بچہ کافر

ہینگ غزنی سے جا کے لایا ہے

کابل کے بازاروں میں خریدنے والا بھی آغا ہوتا ہے بیچنے والا بھی البتہ آغا کی دکانداری دوڈ پھل میوے، پرانے کوٹوں اور غالیچوں تک ہے کبابی اور نانباہی، موچی اور دھنیا بھی بے شک افغان ہی ہے لیکن ہم جو ہوٹل سے نکل کر بازار کی طرف آئے اور کپڑے کی دکان میں جھانکا تو دوسرا سردار جی بیٹھے نظر آئے ہانک جی کی چاہیدا اے جلدی سے آگے بڑھے تو دوسری دکان میں بھی سکھ --- تیسری میں بھی



---چوک زر نگار سے مسجد پلِ نشتی تک مسجد پلِ نشتی سے جادہ لیونڈ کے دو رویہ اور ادھر پارک کی طرف آتے ہیں اس چوک تک جس کا نام ہی لینا چاہتے دو رویہ خالصہ دربار کا نقشہ دیکھا --- بڑی سڑک سے ہٹ کر ہم گلیوں میں گھس گئے --- وہاں بھی سردار جی شدھ فارسی بولتے نظر آئے ہم نے ساری عمر میں اتنے سکھ نہیں دیکھے جتنے اب کے کابل میں دیکھ لئے سکھ ایران میں بھی ہیں تہران میں ہم نے ان کی دکانیں دیکھیں اور زایدان کی توجہ تسمیہ ہی سکھ ہیں یہ لوگ کوئٹہ اور زایدان ریلوے وغیرہ کی ٹھیکیداری اور مزدوری کے سلسلے میں ادھر گئے تھے --- پھر وہیں بس گئے اس بستی کا نام پہلے دزدآب تھا سادہ لوح ایرانیوں کو یہ بڑی بڑی داڑھیوں والوں کی ریل پیل نظر آئی --- تو انھوں نے ان کو خاصا خدا اور زایدان شب بیدار کی صف میں شمار کر کے پوری بستی کو زایدان کہنا شروع کر دیا۔

پھر ایک دن یوں ہوا کہ ہم کابل کے ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھے تھے کہ ایک بزرگ سفید ریش دو تین خالصہ حضرات کے جلوس آہستہ قدم اٹھاتے وارد ہوئے ہم نے غور سے دیکھا اور ان کو پہچاننے کی کوشش کی آخر جب وہ ہمارے سامنے کی میز پر آن کر بیٹھ گئے اور ہمارے ایک پاکستانی صحافی دوست (م - ش) نے لپک کر ان سے علیک سلیک یعنی ست سری اکال وغیرہ کی تب ہم پر کھلا کہ ماسٹر تارا سکھ جی ہیں ہم نے بھی ان سے دعا سلام کی اور خیریت پوچھی لیکن ہم حیران تھے کہ یہ یہاں کہاں ان کے ساتھ جو سردار جی تھے ان سے پوچھا کہ ماسٹر جی کا ارادہ کدھر کا ہے وہ گول کر گئے کہ پتہ نہیں اصل میں وہ ہمیں ہندوستانی سمجھے جب ہم نے کہا اس کہ ایسی کوئی بات نہیں تو بولے پھر ٹھیک ہے بات یہ ہے کہ ماسٹر جی بالکل چپ چاپ آتے ہیں ح کسی کو خبر نہیں دی اس میں مصلحت ہے۔

ماسٹر جی آکر بیٹھے ہی تھے کہ سکھوں کا تانتا بندھ گیا کابل کے سکھ شلوار پہنتے ہیں اور اکثر گھیس کی بکل مارتے ہیں ان کی پگڑیاں بھی ڈھیلے ڈھالے پگڑ ہوتے ہیں بلکہ انھیں منڈا دسا کہنا چاہئے وہ جو نئی نسل کے سکھ ٹیڈی کوٹ پتلون پہنتے ہیں منڈا سے ان کے بھی عجیب ہوتے ہیں ہمارے دیکھتے دیکھتے کابل

ہوٹل کا وسیع لاؤنج دربار صاحب امر تسر بن گیا ہم کسی سکھ سے یوں بھی بات کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک بزرگ سے کہا کہ سردور جی آپ لوگ کب سے یہاں ہیں بولے کئی پشتوں سے ہیں بلکہ صدیوں سے ایک نے ان میں سے آگے بڑھ کر کہا جی ہم پٹھان ہیں ہم نے کہا آپ لوگ پشتہا پشت یہاں کر بھی اتنی فصیح اور بامحاورہ اور دریائے بیاس میں دھلی ہوئی پنجابی کیسے بولتے ہیں بولے واہ جی یہ ہماری مادری زبان جو ٹھہری ہمارے بچے گھروں میں پنجابی ہی تو بولتے ہیں فارسی اور پشتو تو بڑے ہو کر دکانداری کے لئے سیکھتے ہیں ہم نے پوچھا کہ آپ کی تعداد کیا ہوگی ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہوئے بولے داہگرہ جی کرپاسے کوئی دس ہزار جی ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دس بارہ گوردوارے بھی ہیں --- جلال آباد میں بھی ان کی آبادی بہت ہے دوسرے شہروں میں بھی کچھ نہ کچھ ہوگا کابل میں ہندو بھی ہیں لیکن سکھوں سے کم ایک آدھ جگہ کسی مہاجن کی دکان نظر آئی ارجنداس وپسران کابل ایشیا میں ہے اس لئے بھاؤ تاؤ یہاں بھی خریداری کا لازمی جزو ہے ایک آدھ جگہ ہم نے خریداری میں ڈاکٹر گلبرگ اور ان کی بی بی کی رہنمائی کی اور ترجمانی کی دکاندار نے ہمیشہ یہی کہا کہ تمہارے دوست ہیں لہذا ہم ان کو مال بارعایت دیتے ہیں بے شک وہ کم بھی دیتے تھے چیزوں کا حال ہم لکھ چکے کہ سستی ہیں لیکن ٹورسٹوں والی چوٹ ایک روز کھا ہی گئے ہم کھانے کی میز بیٹھے تھے کہ میاں بیوی جوش سے متمتاتے آئے اور کہا دیکھو ہم کیسی نادر چیزیں لائے ہیں بس قسمت سے مل گئیں ہم نے کہا دکھاؤ تو --- تب ان کی بی بی نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر دو ٹوٹے ہوئے تانبے کے بادئے نکالے کہا دیکھو کتنی قیمت کے ہوں گے ہم نے پوچھا آپ لوگوں نے کتنی قیمت دی معلوم ہوا اٹھارہ ڈالر نقد ہم چپ ہو رہے لیکن وہ برا بردعاد حاصل کرنے پر مصر تھے بولے تم ان کی قیمت بتاؤ یہ دیکھو اس پر یہ پرانی فارسی تحریر بھی ہے اس کا ترجمہ بھی ہمیں مطلوب ہے ہم نے کہا بہر حال آپ لوگوں نے اسے نشانی کے طور پر خریدا ہے اب اس کی قیمت سے کیا مطلب اسے جا کر گھر میں سجائیے بہت معمولی بادیئے تھے دو

ڈھائی روپے ان کی قیمت اس وقت ہوگی جب بالکل نئے تھے ہندوستان کا بنا ہوا مال تھا نہایت بھدے لفظوں میں ایک پر لکھا تھا ۔

جناب پیالہ حاضر ہے،

دوسرے پر بھی ذرا مختلف عبادت تھی جناب جام حاضر ہے مراد آباد جب ہم نے بتایا کہ ہمارے نزدیک ان کی کیا قیمت ہوگی اور یہ کہ عبادت اردو میں ہے اور شہر کا نام بھی ہے مراد آباد، جو ہندوستان میں واقع ہے تو بیچاروں کے چہرے ٹک گئے بولے ہمیں تو خاص افغانی چیز کہہ دیا کرتے تھے ہمارے ساتھ چلو واپس کریں ہم گئے خاسی دور دکان تھی لیکن افسوس وہ دن جمعرات کا دن تھا دکان بند ہو گئی اور ہفتے کے روز کھلی تھی ادھر ان بیچاروں کا جہاز جمعے کو جاتا تھا اٹھارہ آنے کے پیالے کے اٹھارہ ڈالر دیئے اگلی کچھلی کفایت کی سب کسر نکل گئی ہم نے سلاسا دیا کہ خیر سردار گلبرگ سنگھ جی ڈنمارک میں کیسے معلوم ہوگا کہ اردو ہے یا فارسی ہے اور مراد آباد افغانستان میں ہے یا بھارت میں ۔

ٹورسٹوں کے ساتھ دوسرے ملکوں میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں تو یہ بھی نہیں مشہور بات ہے کہ دلی میں کسی دکاندار نے ایک امریکن کے ہاتھ ایک کھوپڑی بیچی تھی کہ یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ہے اس نے پچاس ڈالر میں خوشی خوشی لے لی چند روز بعد وہ امریکن پھر اس دکان پر گیا تو دکاندار نے پھر ایک اور نسبتاً چھوٹی کھوپڑی اسے تھمادی اور اسے بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ سے منسوب کیا امریکن بہت جھلایا کہ رنجیت سنگھ کی کھوپڑی تو میں ابھی پرسوں پر لے روز لے کر گیا ہوں دکاندار نے کہا۔

جناب یہ ان کے بچپن کے دنوں کی ہے،

## آ غاگپ برنند

۱۹۶۴ء میں ایرانی فارسی ہماری رطب اللسانی کی گرفت میں آئی ہی تھی کہ ہمیں تہران سے لوٹنا پڑا کابل جانے سے پہلے ہم نے کراچی میں اس تیغ اصیل کو صیقل کیا اور افغانستان پہنچتے ہی کابل آ غاؤں پر اس کے وار کرنے شروع کئے لیکن افسوس ہمارے سارے محاورے اور روز مرے دھرے کے دھرے رہ گئے ہم جس ملک میں جاتے ہیں وہاں سے گڑیا یا گڑیا نہیں ضرور لاتے ہیں۔

آغا لعبت می خوا ہم ،،

دکاندار نے جواب دیا ،،

بعت ،، لعبت چہ ،، یعنی لعبت کیا شے ہوتی ہے۔

ہم نے گڑیا کی طنف اشارہ کیا تو بولا اخاہ۔ عروسک می خواہی۔ ایس است مطلب یہ کہ سیدھے سیدھے عروسک کیوں نہیں کہتے۔

ہم عروسک کے لفظ کو پلے باندھ رکھا تھا کابل میں ایک جنرل اسٹور پر جو تمباکو، کپڑا، میوے، باسٹیکل

گڑ اور ریزر بلید بیچتا تھا یعنی وہ کس کھیت کی مولی ہوتی ہے مثالیں دے کر واضح کرو۔

ہم نے انگلی سے اشارہ کیا تو بولا ایس گڈی است یعنی اسے گڈی کہتے ہیں ایک جگہ ہمیں ایک ٹوکری پسند

آئی ٹوکری کے لئے ہماری گرہ میں فقط سبد گل کا لفظ تھا لیکن وہ ہمیں کچھ زیادہ ہی شاعرانہ نظر آیا

بس ہم نے اسٹور والے سے کہا۔

آغا۔ ایس چپست

بولا۔ ایس توکری است ،،

لیذا بعد ازاں اگر کوئی شخص کہتا ایس سرک خیلے خراب است تو ہم جان جاتے کہ اشارہ سڑک کی طرف

ہے من بہداند مندی می روم مندی کا مطلب منڈی ہے درد مندی وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہم ہوٹل میں

صحنہ مانگتے رہے کسی نہ دیا آخر سیدھے سیدھے ناشتہ کہا تو پیرا فوراً باورچی خانے کی طرف بھاگا بوٹ پالش کرانے کے لئے ہم نے بہتیرا کہا کہ آغا واکس بزیند لیکن کسی نے تعمیل حکم نہ کی آخر ہم نے کہا بوت پالش می خواہم تو فوراً پالش اور برش بھی نکل آئے اور کرنے والے کے دانت بھی کابل سے واپس آنے کے بعد ہم جو اس قسم کے اشتہارات دیکھتے ہیں کہ مٹی کے ایک صد چھکڑا جات برائے بھروائی گڑھا جات سڑک ہائے ضلع تیشو پورہ مطلوب ہیں تو ہمیں مطلق ہنسی نہیں آئی نہ ہمیں برما شیل کے رسالہ پیام تیل کا نام عجیب لگتا ہے ہمنے اپنے ایک میزبان کو یہ کہتے سنا کہ اس موٹر خیلے تیل می خوردہ یعنی یہ موٹر بہت تیل کھاتی ہے۔

کابلیوں کو اپنی زبان پر فخر ہے اسے وہ انگریزی بھی کبھی پرشین نہیں لکھتے farsi ہی لکھتے ہیں اور اس کا رشتہ دری سے ملاتے ہیں جبکہ ایرانی فارسی کا رشتہ پہلوی سے ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ فارسی کے اساتذہ کا کلام کابل فارسی کے روز مرے میں ہے اور افغانستان نے فردوسی اور سنائی پیدا کئے ہیں ہرات، غزنی، اور بلخ جو ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے مراکز رہے ہیں افغانستان ہی میں تو ہیں۔

ایک آدھ بار ہمیں مقامی محورے نے برا ماننے کا بھی موقع دیا ایک محفل میں ایک نہایت سنجیدہ مسئلے پر ہم نے اظہار خیال کی اجازت چاہی تو صاحب صدر بولے۔

بلے بلے گپ بزیند۔۔۔۔ یعنی ہاں ہاں گپ مارو ہم بہت جزبز ہوئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب ارشاد فرمائیے بھی ہو سکتا ہے اس میں کوئی پہلو توہین یا استخفاف کا نہیں ہے اگر کوئی داعظ نغز گوو خوش گفتار بھی سر منبر دریائے فصاحت کی جولائی دکھائے گا اور رشد ہدایت کے موتی لٹائے گا تو لوگ از راہ تحسین یہی کہیں گے کہ خوب گپ می زند مطلب اس کا صرف یہ ہوگا کہ اچھی باتیں کرتا ہے۔ جاتے ہوئے گھر والوں نے یہی تاکید کی تھی کہ کابل جا رہے ہو تو اپنی خیریت کی اطلاع ضرور واپسی ڈاک بھیجنا لہذا ہم نے جاتے ہی کاغذ لفافے اور ٹکٹ تلاش کرنے شروع کئے ہمارے پاس کابل کا نقشہ



ضرور تھا لیکن اس میں جہاں ڈاک خانہ لکھا ہوتا وہاں تلاش کرنے پر یا توسبزی کی دکان ملتی یا تنور گلبرگ صاحب اور ان کی بی بی نے بڑے شوق سے کابل کی تصویریں اور اونٹوں کی قطاروں اور کھجوروں والے تہنیتی کارڈ جمع کئے تھے وہ بھی ٹکٹوں اور ڈاک خانے کی تلاش میں سارا شہر گھوم گئے در مقصود ہاتھ نہ آیا اور اپنے بچوں کے لئے یہ تحفے وہ دستی لے گئے یہ بات نہیں کہ وہاں ڈاک خانہ ہے نہیں نہ ہوتا تو وہاں سے خط کیسے آتے ہمارے پاس تلاش کے لئے زیادہ وقت نہ تھا۔

ایک ہفتہ ہی تو تھا۔

ٹکٹ نہیں ملا نہ سہی کاغذ لفافے ہمیں مل گئے تھے اور اس کے لئے ہمیں قصاب کی دکان پر نہ جانا پڑا ظفر حسن ایک نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ جب ہم پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں افغانستان گئے ذکر شہر جلال آباد کا ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں قلم و دات پینسل وغیرہ بیچنے کی کوئی دکان نہیں کاغذ البتہ قصاب کی دکان پر ملتے ہیں ان صاحب نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان دنوں گوشت کہاں سے ملتا تھا غالباً درزی کی دکان پر جاتے ہوں گے۔

## متفرقات کابل

ہم کابل گئے لیکن غلط وقت وہاں کچھ اُو وقت ہے شگفتین گلہائے ناز کا اپریل کے مہینہ میں گل بوٹے جاگ اٹھتے ہیں اور غالب کے معنوں میں نہ لیا جائے تو درد دیوار پر سبزہ اگ آتا ہے برگ درختان سبز اور اودے اودے نیلے، نیلے، پیلے، پیلے پیراہنوں والے پھول یہ ہے وہ بہار جس پر بابر بادشاہ اسلوٹ ہوا تھا اور وصیت کر گیا تھا کہ میری موت کہیں بھی ہو میری آخری آرام گاہ کابل ہی میں بنی چاہئے ہم سے



ہمارے میزبانوں اور دوستوں نے اہلا وسہلا تو کہا لیکن یہ بھی کہ میاں کیوں دسمبر میں آگئے وہ بھی رمضان شریف کے دنوں میں اپریل میں آؤ اور پغمان تو خیر دور کی بات ہے ان دنوں تو تمہارا یہ زر نگار پارک بھی پھولے نہیں سماتا ۔

زرنگار پارک ہمارے ہوٹل کے بالکل پہلو میں تھا بس سڑک درمیان میں تھی اس وقت تو اس کا ایک پتہ بھی سبز نہ تھا سردی سے ساری گھاس جھلسی ہوئی اور روئیں زرد سارے درخت لٹمنڈ اور سارے خیاباں ویران باہر کا باغ شہر نو پارک، چمن حضوری جہاں جہاں ہمارا شوق گلگشت ہمیں لے گیا یہی کیفیت تھی خاک اڑتی تھی اس شہر میں جس کا قصیدہ صائب تبریزی اس شعر سے شروع کرتا ہے ۔

خوشا عشرت سرائے کابل و دامان کہسار رش کہ ناخن بردل گلی می زند مرگان ہر خارش اور اس بیت پر ختم

تعالے اللہ از باغ جہاں آراد شہر آرا

کہ طوبی خشک بر جا ماندہ است از رشک اشخاش

زرنگار پارک پہلے خاصا وسیع تھا اب سمٹ گیا ہے اور کئی سرکاری عمارتوں نے اس کا پہلو دبا لیا ہے اس میں کئی تاریخی یادگاریں ہیں اس کو نے پر جو ہمارے ہوٹل کی طرف پڑتا ہے امیر عبدالرحمن کا سادہ اور سفید مقبرہ ہے امیر عبدالرحمن وہ بادشاہ تھے جن کے رعب اور ہیبت سے دھرتی کانپتی تھی انھوں نے ۱۹۸۰ء تک حکومت کی اس وقت افغانستان میں تین طاقتیں تھیں ایک بادشاہ دوسرے خوانین اور تیسرے ملا امیر عبدالرحمن نے ملا کو تو ساتھ ملائے رکھا خوانین کی بیچ کئی کہ کل کلاں کوئی اور دعویدار تخت کا نہ پیدا ہو جائے امیر عبدالرحمن نے یورپ کا سفر بھی کیا اور باغ بالا میں ہم نے وہ نوادر دیکھے جو موصوف نے اس سیاحت میں جمع کئے تھے ان کے سفر یورپ کے کئی قصے مشہور ہیں مثلاً یہی کہ ملکہ وکٹوریہ نے دعوت پر بلایا انھوں نے چھری کانٹے کو نظر انداز کر کے مرغ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دانتوں سے چھوڑنا شروع کیا اور ہڈیاں زمین پر پھینکیں مہمان عالی مقام کے احترام میں ملکہ وکٹوریہ نے بھی یہی کیا اور فرش

پر ہڈیوں کے ڈھیر لگ گئے اس کے بعد ہاتھ دھونے کے لئے پانی کے پیالے فنگر باڈل سامنے آئے تو امیر صاحب نے اپنا پیالہ غٹا غٹ پی لیا ملکہ معظمہ اوتراں کے درباریوں کو بھی یہی کرنا پڑا کتابوں میں آیا ہے کہ منتظم بہت اچھے تھے اچھے کا مطلب سخت گیر کیجئے ان کے زمانے تک شاہی محل پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ بالا حصار ہی میں ہوتا تھا امیر عبدالرحمن نے اسے ترک کر کے شاہی نیچے میدان میں قلعہ بنایا جسے ارک کہتے ہیں اور جواب بھی شاہی مستقر ہے اللہ بخشے مستبداد شقی القلب اس درجہ تھے کہ تین سگے بھائیوں کو محض اس جرم کی پاداش میں قتل کرا دیا کہ ان میں سے ایک نے خواب میں خود کو بادشاہ بنتے دیکھا تھا اس شامت کے مارے نے صبح اٹھ کر اپنے دوسرے بھائی سے اس کا تذکرہ کیا اس نے اسے منع کیا کہ کسی اور سے نہ کہنا لیکن بات کسی طور باہر نکل گئی اور امیر عبدالرحمن نے دونوں کو پکڑ منگوا یا حتی کہ ان کے تیسرے بھائی کو بھی جو کابل سے کوسوں دور تھا امیر نے جلا د کو حکم دیا کہ تینوں کے سر قلم کر دو اس پر دوسرے بھائی نے کہا مجھے تو نہ مارو میں تو خواب دیکھا نہیں فقط سنا ہے تیسرا بولا حضور میں نے تو سنا بھی نہیں میں تو کابل سے باہر تھا لیکن امیر نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور تینوں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے انہی بزرگ کے عہد میں شنواریوں نے بغاوت کی تو اس کی ناکامی کے بعد قبائل کے سرداروں کے سروں سے ایک اونچا مینار تعمیر کیا گیا امیر عبدالرحمن کے مقبرے کی عمارت بڑی نہیں لیکن اس کی سادگی میں شکوہ ہے ساتھ ہی اس انداز تعمیر کی ایک چھوٹی سی مسجد جس کے صحن میں پچیس تیس آدمیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی مقبرے کے برآمدوں میں مختلف کہتے اور شاعروں کے قصیدے سنگ مر مر پر کندہ ہیں جن میں ان کو کیواں بارگاہ اور نوشیرواں ثانی اور رحمت و بخشش اور جو و سخا کا منبج بتایا گیا ہے خیر وہ اور زمانہ تھا امیر عبدالرحمن کے تو پھر بادشاہ تھے ان کے قصیدے نہ لکھتے تو وہ ان کی کھال کھنچوا دیتا معمولی ڈپٹی کمشنروں اور انسپیکٹر تعلیمات وغیرہ کے خیر مقدم میں بھی ہم نے لوگوں کو اس سے زیادہ لکھتے دیکھا ہے مقبرے سے تھوڑی دور زرنگار پارک ہی میں غازی امان اللہ خاں کے

دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو بچہ سقہ کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے ان مزاروں کی لوحیں اکھڑی ہوئی ہیں پندرھویں صدی کے ایک بزرگ محمد ابن احمد الحصارى کا مزار بھی ایک چھوٹی سی برجی کے نیچے اس کے پاس ہے پارک کے اس علاقے میں تاجداروں کے محل بنے بھی اور ڈھے بھی گئے جن میں ہے ایک وہ تھا جس میں ۹۱۲ء میں دستاویز آزادی پر دستخط ہوئے اور ۱۹۶۴ء میں پیوند زمین کر دیا گیا ایک اور محل یہاں امیر عبدالرحمن نے اپنی چہیتی بیوی کے لئے بنوایا تھا اور جس کا ایک حصہ اب بھی کھڑا ہے اور بوجہ جان کہلاتا ہے کہتے ہیں شہنشاہ بابر کے چچا الغ بیگ نے پندرھویں صدی میں یہاں ایک باغ بنایا تھا جس کی جگہ بعد میں بستان سرائے کے باغ نے لی پارک کے اس سرے پر جو دریائے کابل کی طرف کو ہے اور جہاں اب پشتانی تجارتی بنک اور پی آئی اے کا دفتر ہے ایک چوبی عمارت شیرینی رکھنے کے لئے مخصوص تھی امیر عبدالرحمن کے زمانے میں جانشین کے دور میں بھی یہ دستور تھا کہ اگر کوئی امیر سلام خانے میں بادشاہ کو سلام کرنے آتا تھا تو اسے ایک چمکدار ریشمی رومال میں مصری کا ایک ڈلا باندھ کے دیتے تھے ڈلے کا حجم اس امیر کے درجے کی نسبت سے ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک آدھ سیر شیرینی یعنی شکر آمیز میوے بھی عطا ہوتے تھے چونکہ مختلف تقریبات پر سلام کرنے کے لئے بے شمار لوگ آتے تھے لہذا منوں شیرینی اور مصری تقسیم ہو جاتی اب نہ شیرینی ہے نہ شیرینی کھانے والے محل ہے نہ امیر عبدالرحمن اب اس جگہ پر جمال اور مزدور بیٹھ کر دھوپ تاپتے ہیں اور کپڑوں میں [ن] سے جوئیں چن چن کر مارتے ہیں۔

اس پارک کو شہر کا قلب جاننا چاہیے ایئر پورٹ جانے کا راستہ یہی ہے دونوں اچھے ہوٹل۔۔۔ کابل اور سپن زر۔۔۔ یہیں واقع ہیں افغان ایریانا اور پی آئی اے کے دفاتر بھی یہاں ہیں اطلاعات اور تعلیمات کی وزارتوں کے جدید دفاتر بھی اس سے ملے ہوئے ہیں اور پرانی وزارت خابہ جیھی سامنے آتی ہے ایک سڑک مسجد پل چشتی کی طرف کو نکل گئی ہے ایک مقبرہ تیمور شاہ اور ماشین خانے کے پاس سے ہوتی ہوئی دارالامان اور شہر نوباغ بالا۔ پغمان وغیرہ جانے کی شاہراہ بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے جو سڑک پرانی وزارت خارہ کے

سامنے پڑتی ہے اس پر مختلف ملکوں کے سفارت خانے ہیں یہیں اقوام متحدہ کا دفتر ہے جہاں ہمیں اپنے کام سے جانا پڑتا ہے اور چینی سفارت خانے سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہمسائیگی کے باوجود اقوام متحدہ والے چین والوں کو نہیں پہنچانتے ان کا سائن بورڈ دیکھ کر انجان بن کر گزر جاتے ہیں اور چین والے تو اتنی گھاس بھی نہ ڈالتے ہوں گے ان کے نام کی تختی بھی نہ پڑھتے ہوں گے۔

اس سڑک کے کونے پر ایک روز ہم نیشنل لائبریری میں گئے پرانے زمانے کی خستہ عمارت ہے کبھی یہاں کوئی سرکاری دفتر ہوا کرتا تھا ٹیڑھے میڑھے تنگ و تاریک زینے ہیں لیکن کتابوں کا ذخیرہ نادر ہے مجلس ادبی کے علامہ اقبال اور مولانا سلیمان ندوی مہمان ہوئے تھے اس کا کتب خانہ بھی اب اس لائبریری کا جزو ہے کوئی اسی ہزار کتابیں ہیں فارسی کی انگریزی کی اور اردو کی بھی اردو کا ذخیرہ نہ جانے کس زمانے میں بنا ہوگا اگرچہ انجمن ترقی اردو کتابیں بھی ہیں لیکن زیادہ تر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور منشی محبوب عالم کے زمانے کی ہیں قصے کہانیاں ہیں جن کی مشترکہ جلدیں بنی ہوئی ہیں پرانے پرچوں میں اصلاح انیس امان افغان وغیرہ کے فائل بھی یہاں ہیں جو ۴۲-۱۸۳۹ء کی پہلی افغان جنگ کے متعلق انگریزوں نے لکھ رکھی ہیں یہ جنگ کے متعلق انگریزوں نے لکھ رکھی ہے یہ جنگ جس میں انگریزی سپاہ ایسی تباہ ہوئی تھی کہ اٹھارہ بیس ہزاری فوج میں سے فقط ایک آدمی ڈاکر برائیڈن گرتا پڑتا زخمی حالت میں جلاد آباد پہنچا تھا انگریزوں کو آج تک نہیں بھولی بیسوں کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں اور آج تک لکھی جا رہی ہیں مصوروں نے اس واقعہ ہائلہ پر موقلم آزمایا اور اس کی خیالی تصویریں لندن کی ٹیٹ گیلری میں لٹکی ہوئی ہیں اخباروں کے فائلوں میں ہمیں حبیب الاسلام کی تلاش تھی یہ اخبار بچہ سقہ نے جاری کیا جو خود کو محافظ اسلام امیر حبیب اللہ کہلاتا تھا جب تک بچہ سقہ رہا یہ پرچہ بھی چھپتا رہا اس کے مندرجات عبرت انگیز ہیں یہ قزاق خود کو محافظ اسلام کہتا تھا کہ لوگ بھی اسے یہی کہتے تھے بلکہ ہر روز حبیب الاسلام میں ایک لمبی فہرست بیعت کرنے اور اطاعت قبول کرنے والوں اور امان اللہ خاں پر تبرہ بھیجنے والوں کی چھپتی تھی۔

## ایران

۱۹۶۸ء

## اک ذرا تہران تک

ایک بار پھر ہمارے آوارہ گر دپاؤں میں کھلی ہوئی اور ہم نے تہران جانے کا اذن پا کر اپنی فارسی کو دم لگا کر رگڑ رگڑ کر مانجھا اچھا تو آقائے ابن انشا اس دیار میں پھر جاؤ اور صبحانہ کھاؤ کوچوں میں گھومو اور جوتا گھس جائے تو اسے تعمیر کراؤ کہ وہاں مرمت کے لئے یہی لفظ ہے مکانِ ساختمان ہے اور ادارہ سازمان نوکرانی کلفت ہے اور ڈرائیور آقائے رانندہ دستگیر کا مطلب گرفتار ہے اور گرفتار کا مطلب مصروف ہمارے ایک دوست نئے نئے سفارتخانے میں آئے تو دوسرے روز اپنی سیکریٹری کی درخواست رخصت میز پر پا کر بہت پریشان ہوئے اس میں لکھا تھا بوجہ گرفتاری شخصی آج دفتر نہیں آ سکتی یہ بڑے ہمدرد قسم کے ہیں فون کر کے پوچھا کہ بی بی تیرا شخص گرفتار ہو گیا ہے ہم ضمانت دے کر چھڑا دیں تب معلوم ہوا کہ گرفتار شخصی کا مطلب پرسنل کام یعنی ذاتی مصروفیت ہے کسی ایرانی غریب کے گھر جائیے تو ازراہ خاکساری یہ مت اصرار کیجئے کہ میں فرش پر بیٹھوں گا وہ بیچارا آپ کے لئے فرش کا بندوبست کرتا پھرے گا فرش کے معنی قالین ہیں آج کی فارسی ہیں

ہم ہمہمارے تھے کہ اب کے بہار کی باگی دیکھیں گے خیاباں ارم پائیں گے ایک بار جانا ہوا تو کڑا کے جاڑے کا عمل تھا دسمبر کا مہینہ۔ برف دیکھتے دانت کسکاتے لوٹے دوسری بار اپریل تھا ہم اپنے ٹھنڈے لباس میں







شاید اسی سمندر کو کہتے ہیں تو یوں سمجھئے کہ یہ ہفتہ ہمیں بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑاتے گزرا یہ گھوڑے بھی ہم اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے تھے وہیں خریدے تھے۔

۱۹۶۴ء میں ہم جس ہجوم میں تھے اس میں کئی ملکوں کے لوگ تھے انگریز، ہندوستانی سیلونی وغیرہ ان لوگوں کو تو کوئی وہاں تکلیف نہ ہوئی ہماری فارسی نے ہمیں بہت دکھ دیا ان لوگوں کو فارسی جاننے کا ادعا نہ تھا لہذا انگریزی بولتے تھے کوئی سمجھے سمجھے ورنہ خصماں نوں کھائے ہم فارسی بولتے تو ایسی زناٹے کی تھی کہ خود ایرانی ہمارا منہ تکتے رہ جاتے تھے لیکن جب ایرانی جواب دیتا تھا تو رفت گیا اور بود تھا سے آگے نہ سمجھ پاتے تھے بس بلے بلے چشم چشم مری مری کرتے رہ جاتے تھے کوئی بھی زبان ہو اس کا بولنا آسان ہے سمجھنا مشکل ہے اب کے ایئر پورٹ ہی سے ایسا ڈرائیور ملا کہ ہم فارسی بولیں تو انگریزی میں جواب دیتا تھا ہم نے پوچھا یعنی تب معلوم ہوا کہ وہ شخص تین سال کراچی میں رہا ہے اور پندرہ سال اس سے پہلے بمبئی میں پس ہوٹل میں اردو چلی جس میٹنگ میں ہم گئے تھے اس میں انگریزی چلی خوبی قسمت سے ہمارے دوست بشیر خالد آر سی ڈی والے پہلے ہی روز سے ساتھ ہو گئے تھے ان کے ساتھ پنجابی چلی فارسی بولنی ہوتی تھی تو ہم انہی کو آگے کر دیتے تھے لیکن ایک روز تو وہ بھی رنجک چاٹ گئے ہوا یہ کہ ہم نے کلیم سہرامی اور شبیر احمد اختر کو فون کیا یہ دونوں تہران کی دانش گاہ میں ڈاکٹری پاس کونے گئے ہیں فون کے ادھر سے لینڈ لیڈی فارسی میں جواب دیا ہم ہمت کر کے فارسی بولتے رہے لیکن جب وہ گوشہ گوشہ کرنے لگے تو ہم نیچونگا بشیر خالد کو تھا دیا کہ اب فارسی کا پانی ہمارے سر سے اونچا ہو گیا ہے انھوں نے گوشہ گوشہ سن کر فون بند کر دیا اور کہا اس کا مطلب میں سمجھتا ہوں کہ وہ کلیم صاحب کو اطلاع دے رہی ہیں تھوڑی دیر میں خود فون کر لیں گے بعد میں کھلا کہ آنچہ ماپند اشتیم غلط تھا وہ کچھ گوش خدمت وغیرہ کہہ رہی تھیں جس کا مطلب ہوتا ہے ہولڈن۔ یعنی تھا مے رکھئے میں بلا کے لاتی ہوں۔

ہم سوچتے ہیں کہ سعدی اور حافظ زندہ ہو کر بازاروں کا چکر لگائیں تو خود چکرا جائیں خانہ کو خونہ آسمان کو

آسمون تو خیر سن لیں گے اخبار میں رژیم کا مطلب کیا کر لیں گے سائن بورڈ پر دیسکا ریسپون اور سالن اور مبل اور اپار تمنہتہائے کوکیا سمجھیں گے یہ سبھی انگریزی اور فرانسیسی کے لفظ ہیں ڈیکوریشن میل فرنیچر پارٹ منٹ وغیرہ سالن کا لفظ دیکھ کر آپ کے منہ میں پانی نہ بھر آنا چاہئے اس کا مطلب salon ہے اس میں بال کٹائیے چھپی کرائیے یا اپنی جلد پر جھانواں پھر وائیے ۔

۱۹۶۴ء تک ایران کی ٹیکسیوں میں ہیٹر نہ ہوا کرتے تھے تہران میں آپ کہیں بھی چلیں جائیں پندرہ ریال یعنی پندرہ آنے میں جا سکتے تھے اصفہان چھوٹا ہے ہاں دس ریال دے کر کہیں بھی چلے جائیں شیراز کا ریٹ پانچ ریال تھا لیکن اب میٹر لگ گئے ہیں ٹیکسی دس ریال سے شروع ہوتی ہے ایک ایک ریال بڑھتا ہے آخر میں کچھ بطور اضافہ بھی دینا پڑا ہے ایر پورٹ سے شہر اس زمانے میں پچاس ریال میں چلے جاتے تھے اب کیا ایک سو بیس ریال دے کے چھوٹے یہاں کی ٹیکسیاں بھی خوب ہیں آواز سے دگنی رفتار سے چلتی ہیں اور ہر ایک نے پیچھے کے شیشے پر لکھوا کر رکھا ہے آہستہ یعنی اے پیچھے آنے والے تو آہستہ آئیومی ری فکر مت کچے پھر بھی حادثے کم ہوتے ہیں ٹریفک کا سپاہی بے قاعدگی دیکھ کر فوراً روک لیتا ہے اور وہ ہیں جرمانہ وصول کر کے رسید لکھ دیتا ہے اس سے یہ لوگ ڈرتے بھی بہت ہیں کیونکہ سنا ہے وہ رشوت ن نہیں لیتا ایک روز شام کو ہم ایک بڑے میاں کی ٹیکسی میں بیٹھے لائٹیں اس کی خراب تھیں روشن نہیں تھیں سپاہی نے چوراہے پر ردکا اور فوراً پچاس ریال جرمانہ وصول کیا وہ بہت بلتا جھکتا رہا کہ چراغ روشن است لیکن سنتری نے نہ مانا حقیقت یہی تھی کہ اس کی لائٹیں جل نہیں رہی تھیں لیکن بڑے میاں کو اصرار تھا کہ یہ سپاہی جھوٹ بولتا ہے آگے چل کر ہم نے اسے پر چانے کو کہا کہ ایرانی بڑے اچھے لوگ ہوتے ہیں جل کر کہنے لگا بالکل بھی اچھے نہیں ہوتے دیکھا نہیں وہ ٹریفک کا سپاہی کتنا جھوٹا تھا ۔

شب جائے کہ من بودم

ہمارے محب و مشفق اردو کے نامی گرامی ادیب ڈاکٹر حسین روئے پوری آج کل تہران میں ہیں یونیکسیوشن کے سربراہ کے طور پر ان کی کلفت خادمہ ہمارے لئے خاصی کلفت کا باعث ہوئیں ہم نے ڈاکٹر صاحب کا نمبر معلوم کر کے ان کے گھر پر فون کیا تو وہ تو تھے نہیں یہی بی بی بولیں ہم نے اپنا نام پتہ ولدیت سکو نت وغیرہ سب بتائیں وہ بالے بالے بلے ہاں ہاں کرتی رہیں اور ہم مطمئن ہو گئے ڈاکٹر صاحب کو انھوں نے ساری گفتگو کا خلاصہ کچھ اسی طرح بتایا جس طرح کسی نے حضرت ہوسف علیہ سلام کی کہانی کاست نکالا تھا کپ پدرے بود پسرے داشت گم کرو یاز یافت یعنی کہا تو یہ کہاں کسی پاکستانی آقا نے کہیں سے فون کیا تھا نام میں بھول گئی ہوں اگلے روز ہم نے ڈاکٹر صاحب سے ان کے دفتر فون ملا یا تب یہ قصہ معلوم ہوا ہم نے کہا لیکن وہ بی بی تو یوں ظاہر کر رہی تھیں جیسے ہر چیز نوٹ کر رہی ہوں بولے دماغ تماشا دکھائیں ہم نے کہا ہائیکسکوپ بولے نہیں کچھ اور تالار ردو کی دیکھا نا ہم نے کہا فقط کلام ردو کی دیکھا ہے جو کچھ مولیوں وغیرہ کی تعریف میں ہے بوئے جوئے مولیاں آید ہے فرمایا یہ اس سے الگ چیز ہے یہ ایک بہت بڑا ہال ہے جس میں کینسرٹ ہوتے ہیں ڈرامے ہوتے ہیں سیلے ہوتے ہیں بہر حال ہے دیکھنے کی چیز۔ اور تالار ردو کی واقعی دیکھنے کی چیز نکلا ہم نے اسے بھی دیکھا اور جو اسے دیکھنے آئے تھے ان کو بھی دیکھا

اے تماشا گاہ عالم ردئے تو

تو کجا بہر تما شامی رومی

یہ بڑے بڑے پھاٹک یہ بڑا احاطہ اندر سبزہ اور حوض اور فوارے چھت کی اونچائی تھ پانی پھینکتے ہوئے پھر روشنیوں کی جھل جھل ہم مرمریں فرش کو اپنے پاؤں سے میلا کرتے ہوئے اندر پہنچے تو ایک عالیشان گنبد والی نظارہ گاہ تھی اور ہم تھے اور۔۔۔۔۔ صفوی خاندان کا ایک شہزادہ تخت پہر بیٹھا ہے ایک خان قالین باف دو شیراووں کی ایک کلڑی کے ساتھ آتا ہے اور ایک قالین تختے میں پیش کرتا ہے قالین پر دلا

[illegible][illegible]

اس داستان کی بدولت ہمایوں بادشاہ کے بارے میں بھی ہماری روئے کچھ بہتر ہو گئی ہے ہم تو یہی سوچتے تھے کہ بس بابر کا بیٹا تھا تخت پر بیٹھا شیر شاہ کی تاب نہ لا کر بھاگا نظام سقہ کو ایک دن کی بادشاہی ہی بخشی حمیدہ بیگم سے شادی کی اکبر کو پیدا کیا اور سیڑھیوں سے گر کر مر گیا دلآرام کے قصے سے پتہ چلا کہ

کچھ نہ کچھ گزارے لائق زندہ بھی رکھتا تھا حالات سازگار ہوتے تو عاشق ہونے کی صلاحیت بھی تھی اے ہمایوں بادشاہ اتنی سی بات پر ہم نے تیرے گناہ معاف کئے۔

لیجئے کہاں کی بات تھی ہم کہاں جانکے قصہ دل آرام کا کسی صورت حال میں تھا اور مقام تالارِ رد کی اس سے پہلے کچھ اور پراگرام بھی تھے ایک بانو نے پری وش ستادہ نام رکھتی تھی مشہور شاعرہ لعبت والا کے دلگزار عشقیہ اشعار سنائے پھر فرامر زیانور نے سنتور نامی ساز بجا کر حاضر بن کر مسحور کیا ایک چھوٹا سار قص بھی ہوا اور آرکسٹر نے اپنے کمال دکھائے پروگرام فارسی میں چھپا ہوا ہمارے سامنے تھا جو آئٹم ختم ہوتا تھا ہم اس پر نشان کرتے جارہے تھے اگلی باری آنتراکت کی تھی ہم اسے دیکھنے کے مشتاق تھے کہ لوگ اٹھ گئے اور باہر نکلنے لگے ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا یہ آنتراکت بھی تو دیکھیں بولے باہر نکل کے دیکھو آنتراکت فرانسیسی زبان میں انٹر ویل کو کہتے ہیں مونگ پھلی اور کوکا کو؛ لا والا انٹر ویل ۔

## کہ اہل درد کو پنجاہیوں نے لوٹ لیا

کل بشیر خالد صاحب نے کہا آج شام میرے ساتھ چلو ایک جگہ کھانا ہے اور گانا ہے ہم نے کہا کھانے میں عذر نہیں لیکن گانا ہمیں گانا نہیں آتا بولے تم سے کون کہہ رہا ہے گانے کو اور لوگ گائیں گے ہم نے کہا اچھا لیکن زیادہ پکا اور زیادہ کچا گانا ہم نہیں سن سکتے فرمایا بین بین ہو گا اور تہران کے بہت سے پاکستانیوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

خدا جانے کتنی راہوں سے ہو کر ہماری ٹیکسی ایک جگہ رکی چس گھر میں ہم داخل ہوئے وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا لوگ مصف بہ صف بیٹھے قرآن خوانی کر رہے تھے ہم بھی سر پر رومال باندھ تھو تھا منہ بنا بیٹھ گئے اور ایک پارہ پڑھنے لگے اسے ختم کر کے ہم نے خالد صاحب کے کان میں کہا دیر ہو رہی ہے اس گانے والے گھر میں بھی جانا ہے اور یہاں کا آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں تھا خدا بخشنے بہت سی خوبیاں



ہوں گی مرنے والے ہیں لیکن وہ غریب الوطن تھا کون حیران ہو کر بولے کس کو پوچھ رہے ہو ہم نے کہا جس کے ایصالِ ثواب کا یہ سامان کیا گیا ہے خالد صاحب نے کہا خدا نخواستہ میاں تمہارے خیال میں قرآن شریف صرف کسی موت پر پڑھنے کی چیز ہے۔

ہم نے کہا،، ہم نے تو اکثر ہاں یہی دیکھا ہے،

بولے یہاں کے پاکستانی بڑے متدین ہیں مذہب کے پاسداد بلکہ والا و شیدا۔۔۔۔۔ یہ صادق بٹ صاحب جن کا یہ گھر ہے مہینے میں ایک بار برکت کے لئے قرآن خوانی ضرور کراتے ہیں احباب کو بلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں محبت اور موت بڑھتی ہے دل بہلا رہتا ہے اچھا پارہ پڑھ چکے اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ نماز، ہم نے کہا

بولے،، ہاں مغرب کا وقت ہے۔

ہم نے کہا ہاں ہاں بے شک مغرب کا وقت ہے ہمیں خیال ہی نہیں تھا جو نیت امام کی سو ہماری منہ قبلہ شریف۔ اللہ اکبر۔

اس محفل میں ہمارا مزہ تھوڑا سا کرکرا ہوا اور ہم نے بشیر خالد کا مزار کرکرا کیا ایک صاحب حافظ یونس کہیں اپنا قصہ لے بیٹھے کہ امواز میں ایک ہوٹل میں فروش ہوئے گرمی کے دن تھے کمرے کو تالا لگا کر سامنے چا رہائی ڈال سو رہے صبح اٹھے تو اندر چھاڑ دھری ہوئی تھی تالا اسی طرح لگا ہوا تھا ہوٹل والوں سے شکایت کی تو بولے نمی دانی ہم کیا جانیں ہم کیا جانیں یہ بیچارے اسی سلیپنگ سوٹ میں تہران پہنچے۔۔

ان کا قصہ تو تہران بعد میں پہنچا ہم نے اس سے پہلے ہی اپنی جیب پر ہاتھ رکھا جس میں اپنا زاد راہ تو مانوں کی صورت رکھتے تھے کبیہ خالی تھا غور کیا تو معلوم ہوا کہ رقم تو دوسرے کوٹ میں رکھی ہے ہم نے سوٹ بدلا لیکن جیبوں کی موجودات نہ بدلیں بس پھر کیا تھا دیوانہ راہوئے بس است ہمارا آدراہ گرد ذہن بھی امواز پہنچا ہوٹل کے بل کا خیال آیا یہ کون ادا کرے گا بشیر خالد نے کہہ تو دیا کہ بابا میں ادا



کروں گا چتا نہ کرو محفل ختم ہونے کے بعد ہوٹل میں جا کر اپنی ہمیانی ٹولنا۔۔۔ لیکن دے کہ عاشق و صابر  
بود مگر سنگ است۔

ہم نے حاضرین سے معذرت چاہ بشیر خالد کو گھسیٹ ٹیکسی لے ہوٹل کا رخ کیا اس دن ہمیں ٹیکسی لینے شیت  
کا بہت تلخ تجربہ ہوا پورا گھنٹہ سڑک کنارے کھڑے رہے آخر ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے استمداد کی ہمارے  
واپس آنے تک نہ صرف کھانا ہو چکا تھا بلکہ گانا بھی شروع ہو گیا تھا ہم نے میز پر بیٹھ کر چن کھانی  
شروع کی لیکن چونکہ اب اپنا مال عرب پیش عرب تھا لہذا ایکسوئی اور اطمینان سے سننے لگے۔

یہ سرور سیال صاحب تھے عجیب باغ و بہار آدمی تھے تہران میں شاید کوئی بزنس کرتے تھے ایک آدھ غزل  
بھی انھوں گائی لیکن محفل کا رنگ دیگر تھا حاضرین میں اکثر زندہ دلان پنجاب تھے ان کی فرمائش پٹوں  
اور بولیوں کے لئے تھے ہاں تو سرور صاحب ذرا دہ ہو جائے چٹا کٹر بینرے تے نی کاسنی دوپٹہ والیئے منڈا  
عاشق تیرے تے سچ یہ ہے کہ جس طرح پندی اور بھاشا میں زنانہ پن غائب ہے پنجابی لوک شاعری میں  
مردانہ پن بھرا ہے ایسا کہ پھٹا پڑتا ہے بہر حال اس رات تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا سرور سیال کی  
آواز اور لوگوں کے قہقہوں اور چہچہوں نے سارے ایرانی محلے کو جگائے رکھا ہوگا۔

مینوں لے سے سلپیر کالے

دے جے توں میری نور دیکھنی

( مجھے کالے سلپیر دے اگر میری چال دیکھنی ہے )

تینوں لے دیاں سلپیر کالے

نی چاہے میری مجھ دک جائے

( تجھے کالے سلپیر ضرور لے کر دوں گا خواہ اس کے لئے میری بھینس کیوں نہ بک جائے )

لڈو دندڈی کچھریوں نکلاں

جے ڈاکے وچوں یار چھٹ جائے

( میں لڈو بانٹی ہوئی کچھری سے نکلوں اگر میرا یار ڈاکے کے الزام سے بری ہو جائے )

کتی مر جائے گوانڈ نے تیری

نی بو ہے کولوں یار موڈ یا

( اے پڑوسن خدا کر کے تیری یہ کیسا مرجائے جس نے دروازے پر آئے ہوئے میرے یار کو لوٹا دیا )

حضرات توجہ پنجابی شاعر کو دیکھا بھینس کو کتنی اہمیت دیتا ہے آپ اس سے پوچھیں عقل بڑی کہ بھینس

تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ کیا جواب دے گا آپ خود ہی منصفی کر لیجئے عقل والے در بدرٹھو کر

کھاتے دیکھے ہیں بھینس دودھ دیتی ہے جس کے سوما کرے ہیں خود پیجئے دوسروں کے ہاتھ پانی ڈال کر

بیچ بیچئے اس کا گوبر بھی بڑی کار آمد چیز ہے بھینس کے آگے موسیقی کے بعد سازوں کی مشق بھی کی جاسکتی

عقل کے سامنے ایسی کوئی بات آپ نہیں کر سکتے پڑوسن کی کتیا یا بنئے کی کتیا پنجابی شاعروں کی ولین

ہے حضرت بلھے شاہ نے بھی ایک عورت کی زبانی اسے بد دعا دی ہے ایہ کہتی مرے کراڑ دی جہڑی چوں

چوں نت کرے یہ اس لئے کہ اہل دل کے مراد پانے کی راہ میں حارج ہوتی ہے پڑوسنوں پر بھی پنجابی

شاعر اکثر نا مہربان رہتا ہے حضرت بلھے شاہ اسی کے گیت میں کتیا کے ساتھ ان کا گھن پس گیا ہے اور

یہ پڑوسنیں بھی اللہ کرے مرجائیں جو نہ مریں ان کو تپ چڑھ جائے تاکہ پابند مسکن ہو جائیں گھر سے

باہر نہ نکلیں آخر میں سرور صاحب نے مختلف علاقوں کے لوگوں کی بولیوں کی نقل بھی اتاری مسافر پشاور سے

پشتو سنتا اور کانوں میں تیل ڈلواتا چلتا ہے لاہوریوں کی خاص بولی بلکہ بنکار سنتا ہے پھر پٹیالے کی بولی

دلی کی خنداری زبان کلکتے کی بنگلہ اور آخر میں مدارس کی اگڑم بگڑم ، ہنتے ہنتے ، لوگوں کی پسلیاں دکھنے

لگیں ہم نے گھڑی دیکھی آدھی رات کا عمل تھا ٹیکسی کی مشکل کا خیال کر کے ہم نے خالد کو دامن

سے کھینچ گھسیٹا اور ہوٹل اٹلاستک کی راہ لی یہ محفل جانے کب تک جاری رہی ہوگی بہر حال اس نے

بہت سا غبار مسافر کے دل کا دھویا کرم کر دی عزیزم زندہ باشی

## ڈاک لسی قیلولہ

ہمارے ایرانی بھائی ترقی کی دوڑ میں اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ان کی بعض چیزیں ان کا ساتھ نہیں دے سکیں بہت پیچھے رہ گئی مثلاً ڈاک کا انتظام، تار کا انتظام، ٹیلی فون وغیرہ کا انتظام ہمیں ایک دوست سے ملنا تھا سوچا ایک خط لوکل ڈاک سے لکھ دیں کہ ہم ہوٹل اٹلاسٹک میں مقیم ہیں کرم نماز فرود آ کہ خانہ خانہ تست اس روز نہ سہی اگلے روز مل جائے گا اول تو پتہ چلا کہ جا بجا ڈاک خانے نہیں ہیں لیٹر بکس بھی سڑکوں پر نہ ملیں ٹکٹ لفافے بھی دکانوں وغیرہ پر نہیں ملتے بہت ضرورت ہے کسی ڈاک خانہ میں جاؤ خط لکھ کر وہیں ڈالو اور پھر اللہ کی قدرت کا ملہ کا تماشا دیکھو ہم نے ایک ڈاک خانہ ڈھونڈ نکالا سیڑھیوں پر بیٹھے ایک آدمی سے دو آنے کا کاغذ خط لکھنے کے لئے اسے بند کر کے احتیاطاً مقامی بھی لکھ دیا یہ خیر ایک غلطی ہماری تھی وہاں مقامی یا مہاجر کو کوئی نہیں سمجھتا شہری لکھنا چاہیے تھا خط لکھ کر ہم انتظار کرنے لگے کہ اب فون آتا ہے میاں بشیر احمد اختر کا ہوٹل والے سے پوچھتے تھے کہ کوئی بھلا مانس تو نہیں آیا ہمیں ملنے کے لئے یہ خط گرتا پڑتا چوتھے روز اپنی منزل مقصود پر پہنچا اور شبیر صاحب مل گئے ورنہ ہم تو سمجھے بیٹھے تھے کہ کتنا بے اخلاق آدمی ہے ہم سے ملتا نہیں کہ کسی کام کو نہ کہہ دیں تار بھی کراچی سے دو دن میں پہنچتا ہے ایک بات یہ کہ رہان خط لکھیے تو پتہ انگریزی میں نہ لکھیے ایسے خط وہاں دارالترجمہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں وہ اس پتہ کو فارسی حروف میں مستقل کرتا ہے یونیورسٹی میں ایک پاکستانی طالب علم ہیں عبدالقیوم قریشی ان کا خط گیا انگریزی میں پتہ لکھا ہوا دارالترجمہ میں جو شخص تھا اس نے اس انگریزی کی فارسی یوں بنائی ابو القاسم مویشی وہ خط ان کے برڈنگ ہاؤس کی میز پر ہفتہ بھر پڑا قریشی صاحب خط اٹھاتے تھے اور حیران ہو کر واپس رکھ دیتے تھے کہ چوپایوں کے خط یہاں کیوں

آنے لگے کسی سلور تر خانے ہا کائجی ہاؤس میں کیوں نہیں اور گھر سے میرا خط کیوں نہیں آتا کئی دن بعد کہیں انھوں نے اصل انگریزی پتہ پڑھا اور مکتوب الیہ آدمی کی جون میں آیا۔

بے شک ڈاک کا نظام ہمارے ہاں بہتر ہے بات یہ کہ ہم نے انگریزوں کے دور صد سالہ سے بہت فیض پایا ایران میں پہلی جنگ عظیم تک بڑی ابتری تھی بلکہ قا چاروں کا آخری دور تو سکھا شاہی دور تھا محلاتی سا زشوں کا امیروں کے استبداد کا نفسا نفسی کا ایک امریکی ماہر مالیات مسٹر شوستر پہلی جنگ کے آس پاس شاید کچھ پہلے ایران بلائے گئے اور وزیر خانہ بنائے گئے تو حیران ہوئے کہ کسی نے بجٹ کا نام ہی نہیں سنا آمد خرچ کا کچھ حساب ہی نہیں پہلی فائل جو ان کے پاس آئی یہ تھی کہ مشتر خانے کے لئے تیل چاہیئے اور موٹر خانے کے لئے بھر سے کی ضرورت ہے یہ بہت جربز ہوئے کہ یہ کیا مذاق ہے بعد ازاں کھلا کہ کوئی مذاق نہیں سیدھی بات تھی تیل اونٹوں لی مالش کے لئے چاہیئے تھا اور موٹر خانے کے ملازمین کو تنخواہ بھوسے کی صورت میں ملا کرتی تھی یہ ساری اصلاحات ان پچاس سال میں ہوئیں بلکہ زیادہ تر رضا شاہ پہلوی کے بعد اب تو خیر عالم ہی اور ہے لباس پہلے جبرا مغربی کیا گیا تھا اب اختیاری طور پر ہے جا بجا عورتیں مغربی اسکرٹ پر کالی یا چار خانے کی چادر اوڑھے نظر آئیں گی یہ یا تو دیہاتی ہوتی ہیں یا پرانی چال کی قا چاروں اورز ندوں کے زمانے کے ایرانیوں کی تصویریں دیکھئے کیا شاندار سر سیدی وڑھے ہوا کرتے تھے اب وہاں داڑھی کا رواج نہیں ہاں سکھوں کے ضرور نظر آئیں اور سکھ تھران میں بہت ہیں موٹروں کے پرزے بیچتے ہوئے پٹ پٹ فارسی بولتے ہوئے اس میں پنجابی کارس گھولتے ہوئے ۔ ہم جتنے دن تھران میں رہے لسی پیتے رہے دوغ کھلاتی ہے ترکی میں بھی لسی ہمارا من بھات مشروب رہا ہے وہاں اسے آرن کہتے ہیں کھٹاس لئے ہوئے بوتل میں بند بقدر ذائقہ نمک ڈال لیجئے اے پاکستان لے پاک لوگو سنو کہ ایران میں ملاوٹ نہی ہوتی لوگوں کو موبل آئیل یا بھٹے کی اینٹیں یا لکڑی کا برادہ نہیں کھلایا جاتا دودھ دہی اور مکھن سب خالص ترکی میں بھی ملاوٹ کا تصور نہیں اتحاد ثلاثہ میں یہ فخر بس ہمیں کو حاصل

ہے صفائی کا حال بھی سن لیجئے ہمارے لوگوں نے ڈھونڈے کے خوف سے چند دودکانوں پر جالیاں لگائیں جب دیکھا کہ کوئی نہیں دیکھتا تو اتار پھینکیں تہران میں کسی شخص کو گوشت کی دکان کھولنے کی اجازت نہیں ملتی جب تک اس کے پاس ریفریجریٹر، ڈیپ فریزر نہ ہو یہی انقراہ میں دیکھا قصابات میں جہاں فریج نہیں وہاں بھی صفائی اور جالی انتظام ضرور ہے چلو کباب تو خیر ایرانیوں کی مشہور ڈش ہے ابلے چاول اس میں مکھن کی ٹکیہ ملائیے ایک انڈا بھی کچا توڑ کر ڈال لیجئے اور کباب چپٹا چپلی کباب کا سا ساتھ پیاز اور بہت سا سلاد لیکن عام خوراک کباب اور روٹی کہہ سکتے ہیں اور روٹی یہاں کئی بھانت کی ہوتی ہے نرم اور موٹی سی لے کر پتلی کاغذی سی تک یہ رواج اب صرف پاکستان اور ہندستان میں ہے کہ میاں کو گرم گرم روٹی چاہئے آدھی رات بھی آئے تو بی بی چولھے کے پاس کھڑے ہو کر پھلکے اتارے گی ایران افغانستان یا عرب میں کہیں یہ رواج نہیں سالن گھر میں پکاؤ لیکن روٹی نان بائی کے ہاں سے لاؤ سینڈوچ کارواج بھی یہاں بہت ہیئت اسے ساندہ وتج کہتے ہیں لمبی سی گول ڈبل روٹی کو چیر کر اس کے اندر جو جی چاہے بھر دو ایرانی سبزیاں بہت کھاتے ہیں کھیرے تو ایک طرح سے قومی غذا ہے اس کے علاوہ بھی بھانت بھانت کی لکڑیاں جڑی بوٹیاں اور سلاد سب مزے کی چیزیں ہیں ایرانی شام کا کھانا گھر پر نہیں کھاتا شام ہوئی اور بیوی بچوں کو لے کر گھر سے نکلا کسی باغ میں کسی خوض پر کسی نہرے کے کنارے یا کسی اور پر فضا مقام پر ڈیرہ جا ڈالا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائی پاس کوئی ریستوران ہوگا وہاں جا بیٹھے جیسی جیب ویسا کھانا روپے بھر کا یہ لمبا سینڈوچ کہیں سے بھی لے لیجئے پیٹ بھر جائے اور پھر بھی بچ رہے ورنہ گھر سے ساتھ لے لیجئے کسی ایرانی سے شام کو اس کے گھر پر ملنے کا طے نہ کیجئے اسے تکلیف ہوگی اس کے معمول میں فرق آئے گا دوپہر کے بعد بھی ملنے کا طے نہ کیجئے یہ اس کے قیلوے کا وقت ہے قیلوے کا یہ احوال ہم نے ایران میں دیکھا اور انڈونیشیا میں دیکھا کہ آگیا عین لڑائی میں اگر وقت قیلوہ تو وہ ڈھال تلوار پھینک یہ شعر پڑھتا ہوا لمبا لمبا لیٹ جائے گا



تیرے زانو پہ ہیں سر رکھ کے ابھی سوتا ہوں  
انقلاب آئے تو مجھ کو بھی جگانا ساقی

# ترکی

۱۹۶۸ء

ہمارا یہ سفر بڑا آپا دھاپا کا ہے جمعے کی دوپہر ڈھل چکی تھی کہ ہمیں انقراہ جانے کا اذن ملا اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ پان کل کے لئے لگاتے جائیں میٹنگ جس میں ہمیں شریک ہونا ہے لیکن ہوائی جہازوں کا پرواز کا حساب ایسا ہے کہ ہمیں ستائیس گھنٹے بیروت میں رکنا اور انتظار کرنا ہے ۔

اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے کوچہ و بازار بند تھے ہم نے پی آئی اے میں ایک صاحب کو فون کیا کہ کیا کریں انھوں نے مشورہ دیا یہاں کا شبنہ کا سینو لیبان ضرور دیکھنا ہوٹل والے سے بات کی اس نے بھی کہا کہ سینو لیبان نہ دیکھا تو کچھ نہ دیکھا ایک اور غیر جانبدار مبصر تھے وہ بھی بولے کہ کیا کا سینو لیبان دیکھے بغیر چلے جانے کا ارادہ ہے مت تو نہیں ماری گئی ۔

لیکن اس کے لئے تو ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل سے چلنے کا وقت تھا۔

ہم نے نقشہ لیا اور از خود بازار میں نکل گئے اطلس ہوٹل سے دو تین ٹیڑھی گلیاں طے کر کے الحمرا بازار میں پہنچ گئے کہ مرکزی سڑک یہی ہے پی آئی اے کا دفتر تھیرسینما وغیرہ بھی یہیں مرکوز ہیں ہم نے ناک کی سیدھ ساحل سمندر کا رخ کیا دو تین میل چلے ہونگے کہ سمندر آگیا بحیرہ روم جس کے ساحل سمندر کے ساتھ جنوب رویہ چلتے جائیے تو پورٹ سعید پہنچ جائیے ہائے وہ زیتون کے درختوں اور تاک کی بیلوں والا ہرا بھرا ساحل حسیں پر حیفہ بھی ہے اور العرش بھی جو سارا اپنا تھا اور اب نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔



ساڑھے پانچ بجے تھے خاصی دھوپ تھی اس کے باوجود سیر کرنے والوں کے غول ساحلی سڑک کے فٹ پاتھوں پر جمے تھے زیادہ پیسے والے لوگ تو اتوار کے روز پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے ہیں ساحلی سمندر پر آنے والے غریب غربا تھے اور ان ککی بی بیاں بہنیں، بچے، ایڑھی والوں سے روٹیاں، مرمے بھٹے اور تربوز وغیرہ لے کر کھا رہے تھے اس ہجوم میں عرب دہیتیں بھی تھیں اور عرب شہری بھی کہ نیچے کوٹ پتلون ہے اور سر پر عقاب باندھے ہیں کئی بزرگ بڑھے پھوس کی ٹوپی میں بھی دیکھے کہ ترکی میں اس کا نام کوئی جانتا بھی نہیں پاکستان میں کچھ واعدار اسے ابھی تک سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں یا پھر یہاں یہ نظر آئی ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ مونگ پھلی بیچنے والے اب کے سب افریقی، آہنوس فام غالباً سوڈانی ہونگے۔

الحمر سے دہنے ہاتھ کو چکر کاٹ کر ہم نے شارع پیرس پکڑی کہ سمندر کے ساتھ ساتھ جاتی ہے بڑی بڑی سڑک ہے لیکن کہاں تک ہماری پیدل بازی کا ساتھ دیتی آخر ختم ہو گئی وہ گھنٹہ ہمیں مسلسل چلتے ہو گئے تھے اور اب ہوٹل واپسی کے لئے کسی قریب تر راستے کی تلاش تھی ایک بزرگ نے پوچھا اس نے کہا فرانسه بولتے ہو ہم نے کہا نہیں بولا پھر مجھے معاف رکھو کسی اور سے پوچھو اس ملک میں کیا سارے مشرق وسطے میں ابھی تک فرانسیسی کا خاصا چلن ہے آگے بڑھے تو ایک سپاہی پولیس کی وردی میں کھڑا دکھائی دیا سوال یہ تھا کہ اس سے کیسے راہ پوچھیں عربی ہمیں نہ آئے فرانسیسی سے ہم نا چار چلتے ہوئے جمل الدین عالی نے ٹوٹکا یہ بتایا تھا کہ لبنان کے لوگ پاکستان پر جان چھڑکتے ہیں لہذا سینے پر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنا انانی الباکستان عربی کی لیاقت ہماری بھی اتنی ہی ہے جتنی عالی صاحب کی ہے تاہم عربی حروف جار (سے۔ میں۔ کا۔ کو) وغیرہ کے معنی ہمیں آتے ہیں لہذا ہم نے کہا من الباکستان تو ہو سکتا ہے لیکن فی الباکستان کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں پاکستان میں ہوں بولے اچھا علامہ صاحب آپ من الباکستان کا مطلب ہی کہہ لیجئے گا پولیس کے بزرگ کے جذبہ خیر سگالی کو یوں تحریک دینا تو ہمیں پسند آیا لیکن اپنے ہوٹل

کا کا رڈ ہم نے سامنے کر دیا جس پر عربی اور انگریزی دونوں حروف میں پتہ لکھا تھا مزید سمجھانے کے لئے کہ آیا یہ سڑک جاتی ہے ہم نے انگلی سے ادھر اشارہ کر کے کہا ہذا یعنی یہ سڑک اس پر اس شخص نے نہایت مسالے دار انگریزی میں ہمیں بتایا کہ برادرم یوں جاؤ اور دوسرے چوک سے یوں مڑ جاؤ۔

ہم نے شکریہ ادا کیا اور یوں روانہ ہو گئے لیکن وہ دوسرا چوک جس سے یوں مڑنا تھا کہیں نظر نہ آیا آخر ایک ٹیکسی والے کو آواز دی ڈرائیور انگریزی داں تھا بولا جناب میں لئے چلتا ہوں آپ کو اٹلس ہوٹل اور بھی ٹور کرادونگا میرا نام جوزف ہے فقط تمیں پونڈ لبنانی عطا فرمائیں تو آپ کو ایسا تماشا دکھاؤں کہ آپ عمر بھر یاد رکھیں۔

بات کے مالی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم نے پوچھا کون سا تماشا کیسا تماشا فرمایا کا سینو لیبان لے چلوں گا پریوں کے پرے حوروں کے جگمگٹ اور ہاں اگر وہ تماشا دکھاتے دکھاتے ایک کے بعد ایک اپنے کپڑے اتار پھینکیں تو کچھ حیران نہ ہو جائے گا کیونکہ موسم گرمی کا ہے۔

لیکن یہ گرمی تو عالمگیر ہے اس کا تعلق موسم سے کم جسم سے زیادہ ہے ہم نے اپنی نظم دیوار گرمی میں دو مصرعے یہ بھی لکھے تھے۔

کوئے بیروت و بصرے کے بے آستینو

اپنے جلوؤں کو اتنا نہ ارزاں کرو

کوئی بات آنکھوں دیکھے بنا لکھ دی جائے تو غلط تو ہونی ہوئی آستین اور بے آستینی دونوں کے لئے پیرا ہن کی شرط ہوتی ہے کا سینو لیبان میں تو لباس بے لباسی کا فینسی ڈریس شو تھا کیا ڈھنڈا عمارت ہے ایک طرف جوا خانہ۔۔ دوسری طرف یہ تجلی گاہ روپے ہاریئے یا نقد دل ہاریئے دونوں کا معقول انتظام ہے یہ تو خیر ہمیں گمان نہ تھا کہ حالیہ قیامت صغریٰ کے بعد ہم کسی عرب ملک میں جائیں گے تو وہاں ہر شخص سرفن باندھے ہتھیار سجاوے لفٹ رائٹ کرتا اور مشین گن کی باڑھ مارتا ملے گا ہاں یہ خیال نہ تھا کہ ہمارے

عرب اب بھی مے پرستی عذر مستی اور پیش دستی وغیرہ غالب کے تمام قافیوں کو بحسن و خوبی نبھارہے ہوں گے ایک دوست قاہرہ سے آئے ہوئے ملے ہم نے ان سے کہا کہ اے اس دیس سے آنے والے بتا وہاں کا کیا حال ہے وہاں تو جہاد کے جیکاروں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی ہوگی وہاں لہو و لعبو لوں۔ پر کیا گزری ابریق مے مستان کیسے شکست ہوا قاہرہ کے ان خواباں کا کیا حال ہے جن میں سے ایک کے متعلق کرنیل محمد خاں نے لکھا ہے کہ اس شوخ نے آکر دروازہ کھولا تو اس کے ہونٹوں پر تو مسکراہٹ تھی لیکن باقی جسم پر کچھ نہ تھا۔

وہ مسکرا کر رہ گئے۔

ویسے آپ کا گزر بھی بیروت سے ہو تو سینولیبان دیکھئے ضرور بیشک تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس۔۔۔ لیکن یہ اس تماشے کا فقط ایک پہلو ہے اور زیادہ بھی نہ لپچائیے کیونکہ ہوا ہوس کے جھونکے کتنا ہی اڑانا چاہیں انجیر کا پتہ اپنی جگہ پر رہتا ہے بھان مئی کے تماشے اس بازی گاہ میں دلچسپی کی اصل چیز میں ظالم ایسے بڑے بڑے سیٹ اسٹیج پر لاتے ہیں اور یوں منٹ بھر میں بدلتے ہیں کہ دیکھنے والا آنکھیں ملتارہ جاتا ہے کبھی زمین پھٹتی ہے کبھی چھت شق ہوتی ہے جہاں کچھ بھی نہیں تھا آنکھ جھپکتے ہیں وہاں ایک چوپہیہ گاڑی اسٹیج پر نمود ہیں اس کے جاتے ہی ایک شیشے کا بڑا حوض اسٹیج پر آتا ہے جس میں کئی عورتیں تیر رہی ہیں ایک موقع پر ایک مرتبان بھی آتا ہے جس میں ایک آرام جان مچھلی کی صورت بند ہے اور اورشنا دری کرتی ہیں اور پھر تو سالم ریل گاڑی چھک چھک کہیں سے نمودار ہو جاتی ہے انجن چھک چھک چلتا دھواں چھوڑتا اور سیٹی بجاتا پیچھے ڈبے لگے ہیں اور یہ عین حاضرین کے درمیان کے پلیٹ فارم سے گزر جاتا ہے حوریں چھت میں سے نکلتی ہیں اور فرش غائب ہو جاتی ہیں دو منزلہ مکان اسٹیج پر آتا ہے اس کی دونوں منزلوں پر کمرے ہیں کمروں میں چھپر کھٹ ہیں اور چھپر کھٹوں پر حسنین ہیں پھر عین آپ کے سروں کے اوپر سے ایک ایک بہت بڑا گولہ یا غبارہ کوئی پندرہ فٹ قطر کا چھت میں سے نکل کر نیچے آتا ہے

اور پنکھڑیوں کی صورت کھل جاتا ہے اب دیکھئے تو اس میں سے بھی کئی رہزنان تمکین و ہوش نکلتی ہے اور جلوہ دکھا کر اسی غبارے میں بند ہو کر جہاں سے آئی تھیں ادھر کو غائب ہو جاتی ہیں یہ کہنا مشکل ہے کہ اصل مقصود اس کا سینو کا یہ شعبہ کاریاں ہیں یا خیر میاں آزاد ۔

آج کی رات کا نہ چھیڑ و مذکور  
قدر ایمان سمجھتے ہی مگر آج کی رات

عبرت پکڑنے کا فلسفہ پرانا ہوا ۔ متروک ہوا ۔ انقراہ و استنبول تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں اس وقت خود حظ اٹھاؤ۔۔  
دوسروں کو اٹھانے دو ۔

دیکھنا ہے شب کی نہایت کیا ہے  
بزم اٹھتی ہے کہ سحر آج کی رات

## از روم و از یاران روم

ہم کسی نئے شہر میں جائیں تو ایک مدت یہ ذہن نشین کرنے میں لگ جاتی ہے کہ ہم اگر بازار میں ہیں تو ہمارا گھر کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر پے مشرق اور مغرب کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا ایک روز ہم یہ عزم کر کے صبح صبح اٹھے کہ دیکھیں انقراہ کا سورج کیسا ہے ٹلٹکی باندھ کے ایکھا کئے لیکن سورج میاں نے یہ چال کی کہ پیچھے سے نکل آئے ہمیں خبر اس وقت ہوئی جب ہمارا سایہ سامنے پڑنے لگا آفاق میاں نے گھر اپنا ایسی جگہ لیا ہے کہ اس کے آگے پیچھے دہنے بائیں اوپر نیچے سڑکیں ہیں ہم نے کئی بار اس خیال سے کہ کبھی تنہا بھی آنا پڑ جاتا ہے اس گھر کے نواحیات کی کوئی نشانی مقرر کرنے کی کوشش کی پہلے روز ہم نے یہ یاد رکھا کہ گلی کے سرے پر ایک ٹھیلے پر تربوزوں کا ڈھیر ہے اور پاس ایک

گھوڑا گاڑی کھڑی ہے دوسرے روز اس کی تلاش میں ہم آدھ فرلانگ کاغچہ کھا گئے تربوز والے نے محض ہمیں بھٹکانے کے لئے اگلے روز اپنا ٹھیلہ کہیں اور جا کھڑا کیا یہی حرکت گھوڑا گاڑی والے نے کی آفاق نے کہا ایسی چلتی پھرتی چیزوں کی نشانی تو ملا نصرالدین مقرر کیا کرتے تھے انھوں نے ریگستان میں ایک جگہ روپے دبا دیئے تھے اور نشانی یہ رکھی تھی کہ عین اس جگہ بادل کا سایہ تھا اگلے روز دیکھا کہ نہ بادل ہے نہ اس کا سایہ ہے اور نہ روپے ہیں پکی چیز کی نشانی رکھو ہم نے بات گرہ میں باندھی عین گلی کے سامنے ایک دکان پر پیپسی کولا کا اشتہار لگا تھا پکا دیوار میں جڑا ہوا تھا لیکن شام تک پیپسی کولا والوں نے اس قسم کے اشتہار شہر میں جا بجائے جگہ پر جڑ دیئے آفاق میاں کا کہنا ہے کہ یہ تو پہلے سے جڑے ہیں تمہاری آمد سے اس کا کچھ تعلق نہیں ایسا ہی ہوگا علاقے کا نام بھی کچھ ٹیڑھا سا تھا ہم نے بہت یاد رکھنے کی کوشش کی لیکن حافظے سے پھسل پھسل جاتا تھا اس سے مشابہ فارسی کا لفظ کبک دری معلوم ہوا اسے بنگالی لہجے میں ادا کیجئے کوکودری تو صحیح تو پھر بھی نہ ہوتا تھا لیکن سننے والا اندازہ کر لیتا تھا کہ مراد kvakli dere گھر کی دوسری نشانی امریکن ہسپتال ہے جو آفاق کے گھر سے دو گھر چھوڑ کر ہے ہم نے اسے نوٹ کر لیا اور ایک بار ایک ترک ڈرائیور کو دکھایا تو اس نے کہا اے میری جان مجھے نہیں معلوم اس وقت تو ہم اس کی بے تکلفی پر گھبرائے بعد معلوم ہوا کہ کہ ترکی میں c کا مطلب ج ہے american کو کوئی ترک پڑھے گا تو اسی عاشقانہ انداز میں پڑھے گا ن کے رسم خط میں american لکھنا چاہیے اور بھی آوازیں ان حروف کی ایسی ہیں جن سے ہم مانوس نہیں ج کے لئے g کے نیچے ذرا سا شوشہ ڈال دیتے g اور t دال کی آواز دیتا ہے ایک بادشاہ کی تصویر کے نیچے لکھا تھا abdul mecit خاصا غور کرنے کر پر کھلا کہ سلطان عبدالعجید سے ہے مسجد والدہ سلطان استنبول میں ہمارے ہوٹل کے پاس ہی تھی اس کا نام yeni came لکھا جاتا ہے yeni کا مطلب نئی لیکن کیم کو جامع پڑھتے ہیں خاصی وقت ہوئی۔



فارسی ہم نے اسکول میں ماسٹر پھمن سنگھ اور لالہ مکندی مل اگر وال سے پڑھی تھی دونوں فاضل شخص تھے ایران میں اسے استعمال کرنا چاہا تو وہاں بڑے بڑے پڑھے لکھے اس سے کورے نکلے ہمارا منہ تنکے لگے پھر بھی کچھ گزارہ اس سے چل گیا فرانسیسی ہم اچھی طرح گھر پر پڑھ کر یورپ گئے تھے لیکن اہل فرانس کا لہجہ کچھ ایسا ناقص ہے کہ کچھ پلے نہ پڑا یہ دیکھ کر تو اور بھی افسوس ہوا کہ وہ ہماری فرانسیسی سے نابلد ہیں جب ہم لب کشا ہوتے وہ ایک بھی لفظ نہ سمجھ پاتے چین میں ہمارے ساتھ ترجمان تھے لہذا چینی کے دو تین لفظوں شکریہ، مزاج شریف اور خدا حافظ وغیرہ سے کام چل گیا جاپانی کے معاملے میں ہم نے حضرت بلھے شاہ کی نصیحت پر عمل کیا کہ اکی ہی الف تھے درکار فقط شکریے کے لئے آری گا تو گزاری مشتاپراکتفا کئی لفظوں پر محیط ہے انڈونیشی کے باپ میں ذہن پر بہت زور دینے کے بعد صرف ایک لفظ یاد آتا ہے ناسی کوررنگ یہ بھی شاید کسی مسالے دار کھانے کا نام تھا ہم فلپائن لنکا اور ڈنمارک بھی گئے لیکن وہاں کی مقامی زبانوں کو چنداں قابل اتنا نہ جانا فقط ان کے نام معلوم کر لئے لنکا میں سنگھالی بولی جاتی ہے ڈنمارک میں ڈینش کور فلپائن میں ----- کچھ بھلا سا نام ہے اس وقت ذہن سے اتر گیا ۔

لیکن ترکی چونکہ ہمارا دوست اور اسلامی ملک ہے اس سے ہمارا تہذیبی اشتراک بھی ہے لہذا ترکی کی زبان کی طرف ہم نے بطور خاص توجہ دی ایوت ہاں اور یوق ( نہ ) تو پہلے ہی دن ہماری زبان پر رواں ہو گئے چوق گزیل ( بہت اچھا ) کو ذہن نشیں کرنے میں بھی زیادہ دن نہ لگے استنبول پہنچتے پہنچتے تو اس زبان میں جسے لوگ مشکل ہمیں ایسا درک ہو گیا تھا کہ بے تکلف اپنے کمرے سے ہوٹل کے ریستوران کو فون کرتے آفندم اکئی آ شیشہ سو یعنی اے مسٹر دو بوتل ٹھنڈا پانی اکی لا مطلب ہے دو ایک کو بھی ترکی میں کچھ کہتے ہیں اور ہمیں بتایا بھی گیا تھا لیکن وقت پر کبھی یاد نہ آیا نتیجتاً جہاں ہمیں ایک بوتل پانی کی ضرورت ہوتی دو آتیں وہاں لیکن ہم یہ کرتے کہ بیرے کو ایک بوتل ہاتھ کے ہاتھ واپس کر دیتے کہ یوق ( نہیں ) یعنی ہمیں درکار نہیں بس ایک رکھ لیتے انسان ہوشیار ہو تو تھوڑے لفظوں سے بہت کام چلا سکتا ہے مختصر



گفتگو میں تو ہم بھی مخاطب کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے لیکن جہاں بات لمبی ہوئی ہماری ترکی تمام ہوئی اور پھر ہمیں اشاروں کی زبان سے مدد لینی پڑتی سید آفاق احمد تو ایسے موقع پر اردو سے بھی کام لیتے تھے اور ترکی بولتے بولتے بیچ بیچ میں ٹھہرو۔۔ ٹھہرو۔۔ بھی کہتے جاتے تھے کیونکہ فقرہ بناتے میں کچھ وقت لگتا ہے صرف ونحو کا معاملہ ہے مذاق کی بات نہیں۔

## احوال آفاق میاں کے گھر کا

انقراہ پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک صاف ستھرا شہر ہے نیا انقراہ زیادہ پرانا نہیں چالیس برس کا سمجھئے انگورہ البتہ پرانا ہے جسے اتارک نے اپنے انقلاب کا مستقر بنایا انگورہ کا حصار اور اس کے اندر کی آبادی اپنی جگہ ہے لیکن نیا شہر اس کے دامن میں میلوں تک پھیلتا چلا گیا ہے کشادہ گلی کوچے صاف مجلا دکانیں شارع اتاترک جو شہر کے بچوں کے گزرتی ہے بہت خوبصورت ہے اور چوڑی پھردو رویہ کشادہ فٹ پاتھ سیر کے لائق اور ان کے ساتھ سر راہ ریستوران اوپر کرچ کا سائبان تنا ہوا اکثر لوگ انہی سر راہ ریستورانوں میں کھانا کھاتے ہیں ہم نے بازار بھی دیکھا سبزی اور پھلوں کی مارکیٹ بھی صفائی دیکھ کر جی خوش ہوا استنبول میں تو اتنا زیادہ التزام نہیں لیکن انقراہ میں تو آپ کو ایک تنکا بھی سڑک پر پڑا نہ ملے گا آپ نے سگریٹ جلائی تو تیلی سڑک پر پھینکے کو جی نہ چاہے گا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈرم رکھے ہوئے ہیں ان میں ڈالنے قصائی کی دکان بھی آئینہ خانہ ہے گوشت فروج میں بند ہے یا شیشے کے پیچھے لٹکا ہے گرد اور مکھیوں کا گزر نہیں سبزی اور پھلوں کی مارکیٹ میں ہر چیز کے بھاؤ کی تختی لگی ہے پوچھنے اور جھک جھک کرنے کی ضرورت نہیں بیچنے والے نے ایک نیلے کپڑے کا اپرن باندھ رکھا ہے جس میں دو بڑی بڑی جیبیں ہیں ایک میں نوٹ اور نقدی دوسری میں کاغذ کے لفافے سودا ڈال کر دینے کے لئے دودھ نہایت عمدہ ملتا ہے بوتل میں بند میٹھا ڈالے بغیر پی جائیے وہی بوتل بند اور سی بھی جو ہر کھانے کے ساتھ پی جاتی ہے اور

آرن کہلاتی ہے بوتل مین جتنی لسی ہم نے اب کے ترکی میں پی پنجاب میں عمر بھر میں پی ہوگی نہایت مفرح اور خوش ذائقہ۔ مکھن اور پنیر بھی قسما قسم کا بافراط، شہد بھی۔

کیا یہ سب چیزیں خالص ہوتی ہیں ہم نے آفاق سے پوچھا۔

بالکل۔۔ نا خالص کا یہاں تصور ہی نہیں ہے۔

لکڑی کا برادہ یہ لوگ پھینک دیتے ہوں گے۔۔۔ اس سے مرچیں نہیں بناتے؟

نہیں،،

لال اینٹیں تو بیکار نہ جاتی ہوں گی ضرور ہلدی کی تعمیر میں کام آتی ہوں گی،،

بالکل نہیں،،

اور موبل آئیل

موبل آئیل موٹر میں ضرور استعمال ہوتا ہے مکھن یا گھی کے طور پر نہیں

اب انھوں نے اشتیاق سے وطن عزیز کا حال پوچھا تو ہم نے بتایا کہ ہمارے ہاں تو بھینسوں نے بھی خالص

دینا بند کر دیا ہے کم از کم ہمارے گوالے کا یہی بیان ہے جب کبھی دودھ کے پتلے پن کی شکایت کریں

وہ یہی عذر کرتا ہے کہ حضور کیا کریں ہینسیں ہی نا بکار اور بے ایمان ہیں ایسا ہی دودھ دیتی ہیں قرب

قیامت کی نشانی ہے۔

انقرہ میں بہت سی چیزیں دیکھنے کی ہیں مثلاً میوزیم، اولوس چوک، گیما کا اسٹور، انگورہ کا قلعہ اتاترک کا مزار

ارو سید آفاق احمد کا گھر

باقی چیزیں تو ہم نے ایک نظر دیکھیں اس آخری مقام سید آفاق احمد کے گھر کو ذرا تفصیل سے دیکھنے

کا موقع ملق آفاق ہمارے بہت پرانے دوست ہیں انگریزی کے انشا پرواز ہیں ان کے مضامین جو مزاح لطیف

کی صنف میں ہوتے ہیں ڈان میں اکثر آتے تھے ہیں صلب طرز آدمی ہیں صرف انداز نگارش میں نہیں زندگی

گزارنے میں بھی ۔

دیکھا کہ ایک گھر ہے فرش فروش سے آراستہ یہ بڑے بڑے قالین اور مکلف صوفے ڈرائنگ ٹیبل کے نیچے بھی ایک قالین تھا لیکن بیٹھنے کی جگہ کوئی نہ تھی ایک صوفے پر ہم نے تشریف رکھنا چاہا وہاں چنوں اور نمک پاروں کی تھیلیاں رکھی تھیں دوسری پرٹافیبوں اور بسکٹوں کے لفافے دھرے تھے ڈرائنگ روم کے آدھے قالین پر بڑی بڑی لکڑی کی پیٹیاں پڑی تھیں آدھے پر یہ یہ خود صوفے کی گدیاں سر کے نیچے رکھے استراحت کر رہے تھے صوفوں کے دوسرے سیٹ پر ان کی پتلونیں، قمض، سوٹ پھیلے ہوئے تھے دارڈ ردب اس گھر میں کئی ہیں لیکن ان میں کپڑے رکھنا اور پھر نکالنا بے شک ایک طویل عمل ہے ہمیں دیکھ کر انھوں نے ایک کرسی پر سے ایک تربوز اٹھایا دوسرے پر سے آڑوؤں کی ٹوکری اور کہا اب بیٹھ بھی جاؤ۔ یہ کیا ہے ہم نے کہا لکڑی کے ایک بڑے بکس کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔

ایئر کنڈیشنرز ہے اس میں اور کیا ہوتا ۔

کا ہے کے لئے ،،

گرمی سے بچنے کے لئے ۔

لگوا یا کیوں نہیں ،،

یہاں گرمی ہی نہیں پڑتی بس احتیاط لے لیا تھا ،،

یہ ریڈیو گرام بھی بڑا شاندار ہے ذرا سنو ایسے تو ،،

مجھے کہاں لگانا آتا ہے ۔ آفاق ۲ نے کہا ۔ کوئی آجاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ بھیا خبریں سنو دو

بڑی مہربانی ہوگی ۔

وہ کیا ہے کونے میں ؟

سنگر مشین ہے مصرف تو اس کا کوئی نہیں لیکن پسند آگئی ہے ایک واشنگ مشین بھی دھری تھی بولے میں

تو آئس کریم بنانے کی مشین سمجھ کر لے آیا تھا دھوکا ہو گیا ،،

اب ہم نے باورچی خانے میں جھانکا کوکا کولا دودھ اور دوسرے مشروبات کی کوئی دو سو بوتلیں زمین پر دھری تھیں فریج کا دروازہ بھی آدھا بند تھا اس میں خربوزے جو منھا بھرے تھے۔

یہ بوتلیں یہاں کیا کر رہی ہیں ہم نے پوچھا ،،

اکثر تو خالی تھیں محض سستی کی وجہ سے دکاندار کو واپس نہ کی تھیں بعض میں لسی یا دودھ بھی تھا لیکن استعداد زمانہ سے بگڑ گیا تھا چند ڈبے تھے خوبصورت لیبل دیکھ کر اٹھا لائے تھے بعد میں معلوم ہوا ان میں جھینگے ہیں اور جھینگے آفاق صاحب نہیں کھاتے بعض بوتلیں دکانداروں نے واپس لینے سے انکار کر دیا جناب ہم نے تو چھ ماہ ہوئے ان کا استعمال ترک دیا تھا اب ہم نئے ڈیزائن کی بوتلیں استعمال کر رہے ہیں تب مہتاب ظفر نے بتایا کہ آفاق صاحب دریا دلی سے مجبور ہیں کوئی چیز تھوڑی خریدنے کے قابل نہیں چنوں سے انھیں خاص شوق ہے بازار گئے اور پانچ سیر چنے اٹھا لائے پاؤ بھریا آدھ سیر کھائے باقی خراب ہونے کا انتظار کرتے ہیں مشروبات وغیرہ خود تو چاہت سے نہیں پیتے لوگوں کی تواضع کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں کسی ہفتے لوگ نہ آئیں یا اتنا زیادہ پی سکیں تو ان کا کیا قصور مہتاب ظفر نے کہا آفاق صاحب کا گھر تو کباڑی کی دکان ہے تب ہم نے انھیں سمجھایا کہ ایسا نہیں کہتے کوئی کباڑی سن لے گا تو مرنے مارنے پر اتر آئے گا کباڑی کے ہاں بھانت بھانت کی چیزیں بے شک ہوتی ہیں لیکن ترتیب سے خانوں میں لگی ہوئی وہ تربوزوں کو کرسی پر نہیں رکھتا۔

انقرہ سے جس روز استنبول روانہ ہونا تھا چونکہ پروگرام آٹھ دس روز میں واپسی کا تھا لہذا یہ فکر دا منگیر ہوئی کہ فریج میں جو اتنا ٹھسنا ہے اس کا کیا ہوگا ہم نے طبیعت پر جبر کر کے خاصا تربوز کھایا ایک پورا خربوزہ بھی کھا گئے آدھ سیر تین پاؤ آڑو بھی کچھ انگور تین تین چار بوتلیں کوکا کولا اور آرنج کی پیش شیم صبا ئی مٹھرائی آگئے تھے ان کو بھی زبردستی کھلایا کچھ پلایا پھر بھی پورا دسترخوان بھرا تھا فریج میں چھ سات

درجن انڈے بھی تھے بعضوں میں تو پڑے پڑے بچے بھی نکل آئے تھے۔

اب اس کو اٹھواؤ۔ ہم نے کہا،

دربان کے لئے گھنٹی بجائی وہ یہ سمجھ کر گول ہو گیا کہ کوئی کام ہوگا آخر نیچے جا کر اسے ترکی میں سمجھانا پڑا تب وہ آیا اور سب کچھ سمیٹ کر لے گیا تین چار پھرے کئے ڈبل روٹیوں کے انبار پھر بھی باورچی خانے میں پڑا رہا جو آتی باقاعدگی سے ہیں لیکن استعمال نہیں ہوتیں بعض تو ایک مہینے سے یونہی کاغذ میں لپی رکھی تھیں۔

یہ شوق آفاق صاحب کا پرانا ہے کراچی میں تھے تب بھی چنوں، دال سیوؤں جلیبیوں لڈوؤں، آڑوؤں اور آلوچوں کھارے اور میٹھے بسکٹوں کی پوٹلیاں لالا کرگھر میں سجاتے رہتے تھے ایک بجلی کا ٹیلی فین تھا جسے وہ ایک پیپے میں بند رکھتے تھے ہم ان کے ہاں جائیں تب نکالتے تھے دوواں کا بھی ان کو شوق ہے صلح کل آدمی ہیں کسی طریقہ طب سے تعصب نہیں رکھتے ڈاکٹری دوائیں یونانی حکیموں کی معجونیں ایور ویدک کی پڑیاں ہومیو پتھوں کی گولیاں سب لالا کراچی درازیں بھرتے تھے دو تین ماہ بعد ان سب کو نکال کر ان سب کو نکال کر پھینک دیتے تھے تاکہ نئی دعوواں کے لئے جگہ پیدا ہو آج تک ہمیں معلوم نہ ہوسکا کہ ڈاکٹروں حکیموں کے ہاں جا کر کس مرض کا بہانہ کرتے ہوں گے لوگ ان کی انہی اداؤں کے تو قیل ہیں

Virtual Home  
for Real People

۱۹۶۸ء کا سفر

## کیا دنیا واقعی گول ہے

ہم اس دھرتی کا گزر بنے اور بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑائے لیکن ہمیں تو ہر چیز چھٹی ہی نظر آئی دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں کہ پیننگ سے لڑھکے تو پیرس پہنچ کر دم لیا اور کوپن ہیگن سے پھسلے تو کولمبو میں آ کر کے بلکہ جا کرتا پہنچ کر دم لیا دنیا گول ہونے پر اصرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ چکر کاٹ کر مغرب کی طرف سے پھر اپنے تھان پر آ کر کھڑے ہو گے اس میں ہمیں ہمیشہ ایک بد یہی خطرہ نظر آیا کہ کہیں گولائی کے دوسری طرف ریگتے ہوئے نیچے نہ رگڑیں کیونکہ ہم کوئی چھپکلی تھوڑا ہی میں اس لڑکے کا قصہ آپ نے سنا ہوگا کہ آدھ سیرتیل لینے کے لئے کٹورالے کر گیا تھا کٹورا تھا چھوٹا بھر گیا تو دکاندار نے کہا باقی کس چیز میں ڈالوں برخوددار نے کٹورا اوندھا کر کے کہا ادھر پینڈے کے حلقے میں ڈال دو پینڈا اوپر کئے ہوئے گھر گیا تو ماں نے کہا بیٹے میں نے آدھ سیرتیل کو کہا تھا بس اتنا سا بس یہی اس دانشمند نے اسے بھی الٹا کر کہا نہیں ادھر بھی تو ہے ہم سوچتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ نہ مشرق ہاتھ میں رہے نہ مغرب کیا عجب سند باد کی طرح کسی نا دیدہ جزیرے میں جائلیں جہاں کسی پیرِ تسمہ پاسے مڈ بھیڑ کا بھی اتنا ہی خطرہ ہے جتنا کسی شہزادی مہرا فروز کے ہم پر ہزار جان سے عاشق ہونے کا بلکہ پہلا امکان کچھ زیادہ ہی ہے تاہم اے دوستو اب کیا ہو سکتا ہے اب تو ہم دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے کو چل دیئے گھر سے نکل پڑے جیسے طائی منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برابر اور کوہِ ندا کی تلاش میں نکل گیا تھا کل صبح ہم کراچی میں تھے دوپہر ڈھاکے ہیں رات بنگاک میں گزری اور رومِ تحریر سنگاپور میں ہیں ان سطور کے زیرِ طبع سے آراستہ ہونے تک جانیئے

کوئی وادی میں ہو کوئی منزل میں ہو

عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں



رشتہ آتا ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ کبھی قید قیام سے نہیں گزرتے گوجرانوالہ تک گئے بھی تو دوسرے روز گھر لوٹ آئے ہم سے پوچھیے تو جو مزا اور تھل ملل کا کرتا پہن قوام والا پان کلمے میں دبا، انگ پرٹانگ دھرے گھر میں داستان امیر حمزہ پڑھنے اور لمبی تان کر سونے میں ہے وہ جگہ جگہ مارے مارے پھرنے میں کہاں قیام کی راحتیں اور برکتیں کہاں تک بیان کی جائیں نہ پاسپورٹ کی فکر نہ ویزا کے لئے بھاگ دوڑ نہ فارن ایکس چینج کا ٹنٹا نہ ہوائی کمپنیوں کے دفتر وں کے پھیرے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں ---- بٹھالو ---- ہمیں کہیں چندے قیام کا تجربہ ہو تو ایسا زبردست قیام نامہ لکھیں کہ لوگ حریفوں کے سفر ناموں کو بھول جائیں اے ناظرین۔ کبھی سفر کا ارادہ نہ کرنا اجنبی دیس میں طرح طرح کے خطرات ہوتے ہیں ٹیکسی والے ہیں چورا چکے ہیں سامان لوٹنے والے صبر و قرار لوٹنے والے وغیرہ ---- قلی وغیرہ قسم کی چیز بھی باہر کے ملکوں میں کم ہی ملتی ہے انسان کو اپنے سوٹ کیس اور بچوں کے علاوہ اپنے اسلام کی سلامتی کی بھی فکر ہوتی ہے اوروں کی ہم نہیں کہتے ہمارا اسلام کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ زمینداروں کی حمایت زرداروں کی کاسہ لیس گھی میں موبل آئل اور ہلدی میں اینٹیں ملانے جھوٹ بولنے کم ہے نے وغیرہ سے اسی کوئی گزنہ نہیں پہنچتا ہاں مشین کا کٹا ہوا گوشت اس کے لئے سخت مضر ہے خود ہمارے شہر میں ہزاروں لوگ ایسے ہوں کہ شام کو شراب پینے بیٹھتے ہیں تو اس کے ساتھ فقط ذبیحہ کھاتے ہیں رشوت کا پیشہ بھی بغیر بسم اللہ کے اپنی جیب میں نہیں رکھتے اور جوئے کا داؤں بھی دعائے قنوت پڑھے بغیر نہیں لگاتے بے شک ایمان کے عزیز نہیں ہوتا اپنی سی احتیاط تو کرنی ہی چاہیے ،

اور کراچی یونیورسٹی والو۔۔۔ نہ دو ہمیں ڈاکٹر کی ڈگری ہم ڈاکٹر ہو ہی گئے یہاں کے لوگوں کا ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے ہوئے منہ سوکھتا ہے ہم بھی اپنے دستخط کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا نہیں بھولتے اجمال اس تفصیل کا یہ ہے کہ ہم جس قافلہ سخت جان میں سفر کر رہے ہیں اس میں کچھ ترک ہیں کچھ ایرانی قریب قریب سبھی ڈاکٹر پاکستانیوں میں فضل الباری صاحب مشرقی پاکستان کے وزیر صحت ہیں یعنی ڈاکٹر

وہ کے بھی ڈاکٹر مسلہ فقط بیگم و حبیبہ ہاشمی کا تھا کہ اپوا کی انٹرنیشنل سیکریٹری ہیں اور اسلام آباد کی رہنے والی ہی یا پھر ہمارا لوگوں سے تعارف میں بڑی وقت ہفتی تھی آخر ایک مختصر سی اور سنجیدہ سی کنوینشن میں ہم نے انھیں اعزازی ڈاکٹر کی ڈگری پیش کی اور انھوں نے ہمیں ڈاکٹریٹ کے خریطے سے نوازا انھیں اتنی دواؤں کے نام یاد ہیں اور ان کے نسخے کہ ڈاکٹر بھی ان کے تلمذ میں فخر محسوس کریں لہذا ان کی ڈاکٹری بے غل و غش چل جاتی ہے ہم میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بنتے ہیں اور کوئی ادب و فلسفہ کا سوال کر بیٹھے تو میڈیکل ڈاکٹر ہونے کا عذر کرتے ہیں ایک بزرگ نے دونوں طرح کے سوالات شروع کر دیئے تو ہمیں ہومیو پیتھی میں امان ملی اور ہمیں اس کے فضائل پر تقریر کرنی پڑی ایک بار تو دانتوں کا ڈاکٹر بھی بننا پڑا اور ڈاکٹر طیب محمود کی بتائی ہوئی اصطلاحیں کام آگئیں بہر حال ہم پہلے سے بتائے دیتے ہیں کہ ہم اور ڈاکٹر و حبیبہ ہاشمی پاکستان لوٹیں تو ہمیں باقاعدہ ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے جب دوسرے ملکوں کے لوگوں نے قبول کر لیا ہے تو ہمارے پیارے ہم وطنوں کو اس پر ہرگز اعتراض نہ ہونا چاہیئے ۔

Virtual Home  
for Real People

ذکر چینی اور خوبان چینی کا

بوری کا اور باری کا

کراچی کے ترسے ہوئے ہم آج کل اپنی چائے کی پیالی میں چار چار چمچے چینی کے ڈال کر پیتے ہیں اور اس کے بعد پھانک الگ ہیں وہ تلخی اور ترشی جو پچھلے دنوں ہماری طبیعت میں پیدا ہو گئی تھی میٹھا کھانے سے رفتہ رفتہ زائل ہو رہی ہے وطن عزیز میں ہم نے کیا کیا کھیکھڑیں نہیں اٹھائی گڑ پیا، نمک پیا، خون جگر پیا، اس شہد کی بوتل تک ختم کر دی جسے کبھی کبھی اپنی غزالوں کے دیوان پر لگا کر چاٹا کرتے تھے کہ اس کا اور تو کوئی مصرف نہیں ابھی کچھ روز پہلے تک بازار میں ایسا شہد بخوبی مل جاتا تھا جس میں چینی کے ڈلے تیرے ہوتے تھے اب دکاندار کے پاس جائیے تو کہتا ہے حضور اسے اب بھول جائیے خالص لینا ہے تو لے لیجئے سودہ ہمارے کس کام کا ہمارے ایک کالم میں شربت بزدری اور شربت دینار کا ذکر پڑھ کر ہمارے یمرد حکیم محمد سعید دہلوی نے ہمیں ان کی ایک ایک بوتل بھجوا دی تھی اور ایک ڈبیہ خمیرہ عنبری جواہر والا کی انھیں ہم نے ایک طرف ڈال رکھا تھا ان دنوں یہ بھی خوب کام آئیں چائے میں ایک ایک چمچے ان شربتوں کا ڈالئے اور جی کڑا کر پی جائیے لوگوں نے تو اب کے شکر نہ ہونے سے شب برات تک نہیں منائی لیکن ہماری شب برات دھوم دھام سے ہوئی گھر میں سب نے ایک ایک چمچے خمیرہ عنبری جواہر والا نوش کیا اور الحمد پرہی ۔

کیتھے ہوٹل سنگا پور۔۔۔۔۔ جس میں ہم فروش میں یہاں ح کے ممتاز ہوٹلوں میں سے ہے نیچے اس کے کیتھے سینما ہے اور سویمنگ پول اور نہ جانے کیا کیا رومانی جوڑوں کے پرے کے پرے ان گلیاروں میں گھومتے ہیں اگر کوئی تنہا چلتا ہے تو یہ اس کا قصور ہے شاعر تو دراز دستی کو تہ آستیناں کو روتا ہے یہاں لباس پر بے لباسی رشک کرتی ہے کیوں کہ اشارہ اور استعادہ ہمیشہ تشریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے یہ چینی اکثری کا شہر ہے لہذا خوبان بھی یہاں کے چینی ہی ہیں اوپر کے لباس کی بالائی حد روز بروز نیچے کھسکتی ہوئی اور نیچے کا لباس روز بروز سکڑتا اوپر چڑھتا ہوا۔ اس ندی کے دونوں کنارے جب بالکل ہی مل جائیں گے تو دیکھئے اس میں کتنے سفینے ڈوبتے ہیں ایک سے ایک دشمن ایمان و آگہی۔ پلا مار کے دیوا بھجاتا ہوا لیکن آزاد

آنکھیں ہماری باقی ان کا -

اس دل کو نہ لوگو بھٹکاؤ

یہ دل کسی کے بندھن میں

ہوٹل کی لابی میں ایک بڑے میاں تھوڑا لنگڑا تے چھڑی ٹیکتے کسی نہ کسی کو گھیر کر کھڑے ہو جاتے ہیں ہمیں کسی نے بتایا کہ یہ کراچی میں جج رہ چکے ہیں تو ہم نے بھی ان سے کلام کیا بہت خوش ہوئے عمر اپنی ۷۳ سال بتائی اور نام مسٹر ڈیوس کراچی میں یہ کلکٹر تھے کوئی آدھی صدی پہلے ۱۹۲۳ میں ہم سے سندھی بولے لگے ہمیں انھوں نے ہدایت کی ان کا پیغام دنیا کو پہچادوں کا من ویتھ کا ایک وزیر اعظم ضرور ہونا چاہتے جس روز تمام جھگرا ختم ہم نے پیغام ہنچا دیا اب اس کا مطلب کیا ہے آپ جابیں یا مسٹر ڈیوس جابیں کیتھے ہوٹل ہی میں رستے مہس کا رڈ لکھ کر پوچھ لیجے

فضل الباری صاحب مشرقی پاکستان کے وزیر صحت کہ ہمارے ساتھی اور ہم سفر میں بہت نیک آدمی میں ایسے کہ چائے تک نہیں پیتے زیادہ تر اپنے میں کھوئے رہتے ہیں پاجامہ اور شيروانی پہن کر نکلتے ہیں تو سبھی کی آنکھیں ان ہی پر ہوتی ہیں کبھی روپے کا حساب نہ کر سکے آج سنگا پور سے روانگی ہے لیکن سنگا پور کا ڈالر آج تک ان کی سمجھ میں نہیں آیا ہم نے کئی بار بتایا کہ ایکی امریکن ڈالر میں تین سنگا پوری ڈالر ہوتے ہیں لیکن وہ ہر بار سنگا پور کے ڈالر کو امریکہ کے ڈالر میں بدلتے ہیں اور پھر اسے روپوں میں نوٹ نکال کر دکھاتے ہیں کہ دیکھو تو کتنے کا ہے ایک روز تو قلی کو سوڈا لر کا نوٹ ٹپ دے دے چلے تھے ایک ڈالر کا سمجھ کر ہم نے بروقت روک لیا فرماتے ہیں کہ یہ تو ڈالر ہیں وطن میں روپے کبھی نہیں گن سکا ہم نے ایک بار گن دیئے تو بولے تم تو بہت لائق آدمی ہو بڑا حساب جانتے ہو انھیں کیا معلوم کہ ہم بھی اپنے روپے دوسروں سے گنواتے ہیں اس لحاظ سے فضل الباری صاحب کو اپنے صوبے کا وزیر خزانہ ہونا چاہیئے کیا عجب ہو ہی جائیں -

حلم اور خاکساری کے ایسے پتلے بہت کم ہم نے دیکھے ہیں پاکستان کا سفارتی نمائندہ ان کو لینے پہنچتا ہے وی آئی پی روم کھلواتا ہے اپنے ہاں ٹھہرانے کی پیش کش کرتا ہے لیکن یہ کبھی نہیں گئے چونکہ اپنے کمرہ کا نمبر بھول جاتے ہیں اس لئے ہمیشہ اپنا کمرہ ہمارے کمرے کے برابر لیتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے ساتھ لے کر باہر نکلنا بھولنا ہمارا بھی مشہور ہے ایک روز وزن پر ہے صحرا کی خاک مجنوں سے چھنوائے اور پھر مصفیٰ لیجئے کہ کون زیادہ اچھی اور باریک چھانتا ہے کراچی کی سڑکیں جو روز مرمت کی محتاج رہتی ہیں اس میں ہماری ترکتاری کو بہت دخل ہے جتنی جلدی ہمیں جوتا بدلنا پڑتا ہے اتنی جلدی تو صاحب فہم سیاست دان پارٹی بھی نہ بدلتے ہوں گے القصد شائستہ اور آرام طلب لوگوں کے ساتھ ہمارا گزارا نہیں یہاں ہم نے اپنے ہمراہیوں سے کہا یار چلو تمہیں پاسلم میں گھما لائیں سنگا پور کی شبینہ گزری دکھا لائیں لیکن کوئی بروئے کار نہ آیا سنگا پور میں انگریزی عام سمجھی جاتی ہیں لیکن بالعموم ناشتے کا آرڈر دیا تو کمرہ نمبر باری صاحب کا بتا دیا جب ہمارے کمرہ میں ناشتہ نہ آیا تو مینجر کو ڈانٹا اصل میں ناشتہ ہمارا باری صاحب کے کمرے میں چلا گیا تھا وہ اپنا ناشتہ کھا چکے تھے یہ دوسرا بھی بے خیالی میں چٹ کر گئے ہم نے صورت حال بتائی تو بولے میں بھی حیران تھا کہ مجھے بھوک کیوں نہیں ہے۔

سنگا پور میں چوکیدار کا مطلب ہے سکھ اور سکھ کا مطلب ہے چوکیدار اگرچہ بہت سے برنس بھی کرتے ہیں جس دکان یا بینک کو دیکھئے سامنے اسی نوے برس کا کوئی دقیانوسی سکھ بابا بیٹھا اونگھ رہا ہے بھویں لٹکی ہوتی ہے نہ ہاتھ میں طاقت نہ آنکھوں میں دم پاس پڑی لٹھیا بھی نہیں اٹھا سکتے لیکن شاندار داڑھی اچھی لگتی ہے سجاوٹ کے لئے بٹھا رکھے ہیں ایک دو سے ہم نے بھی بات کی اور جی خوش ہو مالائی بھی بول لیتے ہیں اور چینی بھی لیکن پنجابی کی ملاوٹ ان میں بھی کرتے جاتے ہی ان سے راستہ مت پوچھئے پتہ غلط بتاتے ہیں کیونکہ خود انھیں بھی معلوم نہیں ہوتا ایک سے ہم نے دریافت کیا کہ بابا جی یہ کیا دفتر ہے جس سامنے آپ سامنے بیٹھے ہیں بولے آپاں نوں تے پتہ نہیں آپاں تے اتھے نوکر ہاں تنخواہ لیندے ہاں یعنی ہماری



جانے بلا ہم تو یہاں نوکر ہیں تنخواہ لیتے ہیں -

ہم ٹھہرے میلوں میں گھومنے والے سیلانی و ہقانی پیدل چلنے کا ہمیں ہو کا غلط اور الٹی لہذا اپنی گاڑی کے ڈرائیور سے جب ہم نے کہا میاں ہمیں پاسالم میں چھوڑ آؤ تو اس نے ہمارے ساتھ وہی کیا جو خضر نے سکندر کے ساتھ کیا تھا ایک چکر ہمیں دیا اور پھر ہمارے ہوٹل کے سامنے لاکھڑا کیا طبیعت بہت بے مزہ ہوئی میاں محفوظ یاد آئے یہی سنگاپور تھا اور یہی گلیاں ستمبر کی چاندنی میں رت جگا ہوتا ہے اب ہم ہیں اور ہماری تہبائی ہے اے غم دل کیا کریں اے وحشت دل کیا کریں آج ہم نے اپنا سوٹ اتار پھینکا قمیض پتلون میں نکل گئے یہ بازار - وہ بازار - اور جب لوگ باگ دکانیں بند کر گھروں کو سدھارے تو ہم نے ایک سکھر بھائی کو پکڑا اور کہا سردار جی اب کدھر اس عزیز نے جانے ہمیں کیا سمجھا کہ ہماری اچھی بھلی پنجابی کے جواب میں اردو میں منہ مارنا شروع کیا کہ ادھر سے بچے کو جائے اگاں جا کے کھبے کو بھوں جائے جتھے لائیاں نظر آئیں اوتھے رک جائے اوہ چائنا ٹاؤن ہے دکانوں ساری رات کھلی ہندی ہیں خریدا ہم نے چائنا ٹاؤن میں کچھ نہیں بس بھاؤ پوچھتے رہے ایک جگہ البتہ پھنس گئے ایک قمیض کے ایک بھلے مانس نے ساڑھے بارہ روپے لگائے ہم نے پانچ روپے کہے وہ ہنسا ہم آگے چل دیئے لیکن اسے ہماری خاطر منظور تھی تھوڑی دور پر آ کر پکڑا اور کہا لائیے چھ روپے دے دیجئے ساڑھے پانچ سہی اچھا تو پانچ ہی لائیے قمیض کی ایسی بات نہیں اس کا دامن تو زور دیا بدیر چاک ہونا ہی ہے آگے سے ہو یا پیچھے سے ہو ہاں پاؤں کے چھالے گھاتے میں رہے جنہیں ہم ابھی ابھی پھوڑ کر بیٹھے ہیں دل کے پھپھولوں کا ذکر اخبار میں کیا سارے لوگ پڑھتے ہیں -

## تری گٹھڑی کولا گا چور رے

ہم نے ہوٹل والوں سے حضرت مجذوب مرحوم کی زبان میں بہت کہا -

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ



لیکن ان لوگوں نے کیا تو اتنا کہ ہمارا کمرہ تیسویں منزل سے اتار کر انیسویں منزل کا کر دیا اس سے نیچے ہمیں جگہ دینا ہماری شان سے فردتر سمجھا اس کے علاوہ جگہ بھی نہ تھی ہانگ کانگ میں یہ نورسٹ سیزن ہے آدمی پہ آدمی چڑھا ہوا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ ہانگ کانگ کے دوحصے ہیں ایک تو سر زمین چین کی جنوبی نوک جسے کولون کہتے ہیں خریداری کا مرکز یہی ہے دوسرا وکٹوریہ کا جزیرہ جس تک پہنچنے کے لئے فیری (بیڑی) سے سمندر عبور کرنا پڑتا ہے یوں سمجھئے کہ کولون کراچی کی کیاڑی ہے اور وکٹوریہ یعنی اصل ہانگ کانگ منوڑا لیکن اس مشابہت کو بس یہیں پہ ختم جانئے ہم پہلے دوبار ہانگ کانگ آچکے ہیں لیکن کولون ہی میں ٹھہرا کئے اب کے ہمارا ہوٹل پیشگی بک تھا یہ جزیرہ ہانگ کانگ پر ہی ہے جو فیشن ایبل آبادی کا مرکز ہے بڑے بڑے بینک یہیں ہیں سرکاری دفتر بھی قریب قریب سارے ادھر ہی جانئے انگریزوں کی عظمت رفتہ کے نشانات بھی یہیں ہیں وہ بلند بالا عمارتیں کہ انیسویں صدی کی انگریزی صولت کی علامتیں تھیں انگریز ہونے کو اب بھی یہیں ہے لیکن نظر نہیں آتا چینوں کی مہربانی مصلحت جانئے کہ طرح دیئے جا رہے ہیں ورنہ وہ جس دن چاہیں اپنی اس متاع گم گشتہ کو جو انگریزوں نے کوئی سوا برس پہلے دھوکے دھڑی اور دھونس سے ہتھیالی تھی کسی بھی وقت واپس لے سکتے ہیں۔

ہانگ کانگ ہلٹن بلاد مشرق لے ہلٹن ہوٹلوں کا سر تاج ہے آدگی رات کا عمل ہے اور ہم اس کی کھڑکی میں دور سے پہاڑی کی جگ جگ روشنیوں کو دیکھ رہے ہیں یہ نظارہ بھولنے والا نہیں گھنٹوں بیٹھے دیکھے جائیے پہاڑی کی چوٹی تک دولت والوں کے مکانوں اور بنگلوں اور بیس بیس پچیس پچیس منزلہ عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے سمندر کی کھاڑی کا ایک حصہ بھی یہاں سے نظر آتا ہے جاگنے والے نیچے لابی میں بیٹھے ہوں گے یا نائٹ کلب میں اپنے غموں کو غلط یا صحیح کر رہے ہوں جو کمروں میں ہیں وہ پڑھتے پڑھتے سو گئے ہوں گے الا اس مسو فرتہا کے جو رفتہ اور آئندہ کی فکروں کا اسیر اور خوابوں کا مبتلا ہے ریڈیو پہ بڑا سافٹ میوزک بج رہا ہے جو ہوٹل کے بال سے آ رہا ہے صبح کے جھٹ پٹے تک یونہی جتا رہے گا نیم روشن

کمرے میں سے بھی یادوں کے غبار اٹھ رہے ہیں -

جانے اس کمرے میں کیا لوگ تھے ہم سے پہلے

اس کمرے میں ہم کیسے رہتے ہیں اور کتنے پیسے ہیں یعنی جاتے وقت دے کر اپنا سامان اٹھاپائیں گے اسے جانے دیجئے اتنا جان لیجئے کہ ہمارے ملک میں اچھے خاصے ملازمین کی ماہوار تنخواہ یہاں کے روزانہ خرچ سے کم ہے کل ہم نے بیرے کو بلا کر کہا میاں ہمارا کوٹ ذرا استری کرادعو بولا ضرور ضرور ہم نے کہا ہدیہ اس کام کا کیا ہوگا معلوم ہوا گیارہ روپے ہم نے کہا ہم سوٹ خریدنا نہیں چاہتے نہ ڈرائی کلین مقصود ہے فقط استری کرنے کا کہہ رہے میض بولا جی ہاں استری ہی کی بات ہے ویسے ڈرائی کلین تو بہتر ہے ساڑھے بیس روپے میں ہو جائے گا ہم نے کہا آج دیر ہوگئی کل دیں گے اس کے جاتے ہی ہم نے اسے تہہ کر کے تئکے کے نیچے رکھا نرخیانہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹائی ڈرائی کلین کرانے کے بھی ساڑھے چار روپے ہوتے ہیں ہاں اس پر استری آپ فقط سوا روپے میں کر سکتے ہیں قمیض بھی ہم ہر دوسرے روز رھو کر ڈال دیتے ہیں اور صبح بیرے آمد سے پہلے اٹھا لیتے ہیں کیونکہ قمیض دھلائی تین روپے ہے ریشمی کی قمیض کی پونے چار روپے بنیان ڈیڑھ روپے میں مدھتا ہے اور موزہ بھی فقط رومال کے معاملے میں رعایت کی جاتی ہے بس بارہ آنے اگر ہمیں یہاں کچھ دھلوانا پڑا تو شاید ایک آدھ رومال دھولالیں اپنی اپنی استطاعت کی بات ہے انڈے ہم نے ڈھاکہ میں کھا لئے اب پاکستان واپسی کے بعد پھر سہی کیونکہ ناشتے میں لیں تو وہ ساڑھے بارہ روپے کا ہو جاتا ہے ہم کانٹی نینٹل بریک فاسٹ لے لیتے ہیں ایک بند قسم کی چیز تھوڑا سا مکھن اور چائے ساڑھے سات روپے کہیں بیرے نیسلا مکر دیا تو ٹپ ملا کر آٹھ روپے قرض کی پیتے ہیں مے لیکن سمجھتے ہیں کہ ہاں ---- ہم نے یہ مانا رہیں ہلٹن میں پر کھائیں گے کیا واضح کہ یہ رونا اپنی بے زری کا ہے ہوٹل کے گراں ہونے کا نہیں کیونکہ اپنے ہاں انٹر کانٹی نینٹل کا بھی یہی حال ہے جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں فضل الباری صاحب جو اپنے پیسے ہم سے گنواتے ہیں

اور ہانگ کانگ کی کرنسی سے ابھی تک سمجھوتہ نہیں کر سکے وزیر خزانہ ہوں نہ ہوں کامرس منسٹر بہت عمدہ ہو سکتے ہیں ان کے جوہر آج کھلے ویسے تو وہ کوئی چیز خریدنے کے قائل نہیں اور ہم ان کی حب الوطنی کو قابل تقلید جانتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کوئی چیز مت خریدو پاکستان میں مہنگی سستی مل جاتی ہے کیوں اپنا زرمبادلہ گناتے ہو ملک کو اس کی ضرورت ہے لیکن آج ہم انھیں بازار کھینچ لے ہی گئے فرمانے لگے چیزیں پسند تم کرو بھاؤ تاؤ ہم پر چھوڑ دو جانے کوئی چیز تھی دکاندار نے اس کے نوے ڈالر مانگے ہم نے باری صاحب سے اردو میں کہا کہ پچاس سے شروع کرنا چاہیے لیکن انھوں نے چالیس ڈالر دام لگائے دکاندار نے بہت زور مارا کہ یہ ساٹھ کر دیں پچاس کر دیں پینتالیس کر دیں اکتالیس کر دیں لیکن باری صاحب نے کہا چالیس سے ایک دھیلہ زیادہ نہیں آخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے تو باری صاحب نے کہا ایسے بد معاملہ لوگوں سے چیز خریدنی ہی نہیں چاہیے اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئے۔

سنگا پور کے بازاروں سے ہم واقف تھے وہاں چیزیں اچھی خاصی مل جاتی ہیں بلکہ کپڑا زیادہ اچھا وہیں ملتا ہے لیکن باری صاحب نے کہا ہانگ کانگ سے لینا ہانگ کانگ میں قیمتوں کا تعین اپنے ذمے لے لیا تو ہمارے کچھ خریدنے کا سوال ہی نہ رہا ایک روز ضرور جب وہ آرام کر رہے تھے ہم چوری چھپے بازار سے چند چیزیں مول لے آئے اور نہ ان کا تو کہنا ہے کہ ٹوکیو میں دیکھیں گے بلکہ ڈھاکہ آنا وہاں یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے ہم ہانگ کانگ سے اسی شان سے جائیں گے جس سکندر سے گیا تھا یعنی خالی ہاتھ۔ ساگا پور کی طرح یہاں بھی سکھوں کو لال دردی پہنا کر ہوٹلوں کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے بہت شاندار معلوم ہوتے ہیں مسافروں کے لئے دروازے کھولنا ٹیکسی بلانا وغیرہ انہی کا کام ہے سنگا پور کے پراٹم اور ازکار رفتہ بڈھوں کے مقابلے میں یہاں کے سکھ دربان جوان اور درشنی لوگ ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ اپنی لال وردی میں بہت خوش ہیں دوسرے ہندوستانی بھی ہیں اور راہ چلتے چنس ساڑھی پوش خواتین ضرور نظر آ جاتی ہیں آج کو سنز روڈ کے چوک پر ایک پاکستانی جوان بھی ملے انھوں نے باری صاحب کو شیروانی پاجامے اور جناح

کیپ میں دیکھ کر خود ہی سلام کیا ہم لوگ ان سے بات کرنے کو رک گئے ہم نے کہا یہاں کب سے ہو معلوم ہوا چار سال سے کام کیا کرتے ہو فرمایا وہ سامنے کی نائٹ کلب میں نوکر ہوں ہم نے دیکھا کہ ان کے کالے کوٹ کے اوپر پیتل کے حروف میں کلب کا نام بھی لکھا تھا اس سے آگے ہم نے نہیں پوچھا انھوں نے خود ہی بتایا کہ کراچی کا ہوں بوہری خاندان سے تعلق ہے فلاں خانوہ سے قریبی عزیز داری ہے یعنی میرے کزن ہیں اب اس میں خانوادے کا نام کیا لیا جائے پاکستان کے بیس سب سے اونچے قسمت والے خاندانوں میں اس کا شمار خاصے اونچے درجے پر ہوتا ہے کپڑے کی ملیں ہیں سیمنٹ کے کارخانے ہیں دولت کے انبار ہیں لیکن یہ صاحبزادے اپنے موجودہ حال میں بہت خوش تھے جانے نائٹ کلب میں انھیں تنخواہ کے علاوہ کیا ملتا ہوگا ہمارے پرانے رئیس زادے اور نواب زادے بھی تو کوٹھوں پر پڑے رہا کرتے تھے خیر میاں آزاد تو ان لذتوں کو کیا جانے ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان صاحب کو اس حال میں دیکھ کے افسوس ہوا کیونکہ نام لیوا تو پاکستان کے ہیں ۔

## ہانگ کانگ کے سوٹ بنانے والے

ہانگ کانگ میں چوبیس گھنٹے میں سوٹ بنا کر دینے والے درزی سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے ہر جگہ انھوں نے گماشتے چھوڑ رکھے ہیں جو لوگوں کو گھیر کر لاتے ہیں ہوٹلوں سے ائرپورٹ سے اسٹیشن سے کسی کو بہت ہی جلدی ہو تو ایسا بھی کرتے ہیں کہ صبح آٹھ بجے آڈر لیا گیا رہ بجے پہلی ٹرائی لی تین بجے دو سری اور پانچ بجے پورا سوٹ تیار ہانگ کانگ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں دو چیزوں سے مفر نہیں ایک موت سے دوسرے درزی سے ہانگ کانگ آنے والا ایک نہ ایک درزی کی قینچی تلے آتا ہی ہے جن کی قوت آزادی کمزور اور مال حالت مضبوط ہو وہ تو دس دس سوٹ بنواتے ہیں ہم بھی پہلی بار ہانگ کانگ

گئے تو ہمیں دوسوٹ بنا کر دوسرے دن دے دیئے گئے بلکہ اندر کڑھا ہوا تھا ،،

specilly made for mr. abne ansha

دوسری بار گئے تو ایک اور سوٹ بنوایا جن سے ہم نے بنوائے یہ تو خیر پنجاب کے ہیں دکان بھی ان کی پنجاب ہاؤس کہلاتی ہے اب کے ہمیں سوٹ نہیں بنوانا تھا یو نہی ملنے گئے تھے فضل الباری صاحب ہمارے ساتھ تھے اس سے ہم نے کہا آپ چاہیں تو بنوالیں انھیں کپڑا پسند آیا لیکن دام پسند نہ آئے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ اس سے اچھا اور سستا کپڑا تو ڈھاکے میں ملتا ہے ہم بھی جلدی میں تھے ہاں میں ہاں ملائی کہ بے شک ملتا ہے باری صاحب کے سے طبع آدمی ہم نے بہت کم دیکھے ہیں لیکن خریداری اور پیسے کا معاملہ اور ہے اس سے سادگی اور شرافت کا کیا تعلق پھر ہانگ کانگ سے آنے سے پہلے یہ تہیہ کر کے آئے تھے کہ کسی کے دام میں نہ آئیں گے بھاؤ تاؤ ضرور کری گے کوئی دس مانگے تو دو بتائیں گے خریداری کی حد تک تو یہ ٹھیک ہے لیکن ہانگ کانگ میں تو انھوں نے کسی بھی چیز پر اعتبار کرنا مناسب نہ سمجھا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں پر بھی نہیں ہلٹن ہوٹل میں یہ لفٹ پر چھوٹے چھوٹے چینی لڑکے کام کرتے ہیں گول مٹول سے اور اس میں شک نہیں کہ چینیوں کی عمر کے بارے میں ہم بھی زخم خوردہ ہیں چین کے سفر میں ایک صاحبہ کاسن بیس بائیس کا سمجھ کر اس سے اخلاق برتنا شروع کیا تھا پتہ چلا کہ اڑتالیس برس کی ہیں انچا سواں لگنے کو ہے لفٹ میں چڑھتے ہی باری باری صاحب ہم سے پوچھتے کہ معلوم یہ لڑکا کس عمر کا ہوگا ہم نے کہا تیرہ چودہ سال کا لگتا ہے ممکن ہے اٹھارہ بیس کا ہو چوبیس پچیس سال سے زیادہ کا تو ہو ہی نہیں سکتا ہنسے بولے کم از کم چالیس سال کا ہے

آخر ایک روز ہم نے اس سے پوچھ ہی لیا برخودار کتنے برس کے ہو گے کہنے لگا جی تیرا برس کا ہوں دوسرے لڑکے کی عمر انھوں نے سینتیس اڑتیس تشخیص کی تھی ہم نے کہا دیکھئے اتنا فرق نہیں ہوتا یہ تو بالکل ہی بچہ سا ہے فرمایا بس انہی باتوں سے تو لوگ دھوکا کھاتے ہیں آخر باری صاحب کے سامنے اس کی عمر بھی



ہم نے پوچھ لی وہ گیا رہ برس کا تھا ویسے یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ چینی عمر چور ہیں جو شخص تیس سال کا نظر آتا ہے وہ یا تو ساٹھ سال کا ہوگا یا پھر دس برس کا ۔

ہانگ کانگ میں لوگ دودن کو آتے ہیں کولون میں ٹھہرتے ہیں اور خریداری کر کے چلے جاتے ہیں ایک زمانے میں حکیم لوگ اشتہار دیا کرتے تھے باتصور ایک طرف ایک سوکھے مارا آدمی جس کے نیچے رقم ہے دو استعمال کرنے سے پہلے دوسری طرف ایک کسرتی اور ورزشی پہلوان دوا استعمال کرنے کے بعد ہانگ کانگ میں قدم رکھنے والے مسافر کا بھی یہی احوال ہوتا ہے کہ آتا ہے تو ایک چمکا ہوا سوٹ کیس اٹھائے جاتے ہوئے شان دیکھتے کہ دو دو سوٹ کیس پھولے ہوئے اس ہاتھ میں ڈبے دوسرے میں تھیلے گلے میں کیمرا جمائل ہے اور ایک انگلی میں ٹرا نرسٹر اٹھائے ہیں پہلے دو سفروں میں ہم خود اسی ہیئت میں آئے اور گئے تھے کولون میں نا تھان روڈ کے پھیرے لے کئے ایک دو سفر فیری کے اور جزیرہ ہانگ کانگ کے بڑے اسٹوروں پر نظرے خوش گزرے اب کے ہانگ کانگ میں قیام تھا اور مقصد خریداری نہیں کام تھا لہذا مقدور بھر ہانگ کانگ کا شہر بھی دیکھا اور کولون بھی اور اس کے پیچھے جو علاقے نئے علاقے کہلاتے ہیں ان کا ایک چکر بھی کاٹا اور ہانگ کانگ اور چین کی سرحد بھی دیکھ آئے کولون کے پیچھے کے ان علاقوں میں گاؤں بھی ہیں قصبے بھی فصلیں بھی ۔ کھیت بھی ہانگ کانگ اور کولون تو خیر انگریزوں کے باقاعدہ مقبوضے ہیں انھیں وہ بادا کمال سمجھتے ہیں نئے علاقے ننانوے برس کے پٹے پر لئے گئے تھے جس کی میعار ۱۹۹۷ء میں ختم ہوئی اچھا خاصا علاقہ ہے ساڑھے تین سو مربع میل سے زیادہ ( ہانگ کانگ کا جزیرہ اور کولون دونوں مل کل ۳۳ مربع میل بنتے ہیں ) راستے میں مشہور ریستوران ڈریگن ان میں لُچ بھی کیا وہاں بیٹھے آپ خیال بھی نہیں کر سکتے کہ یہ پر فضا جگہ ہانگ کانگ کے تجارتی مرکز کا حصہ ہے جو محض سمینٹ کی عمارتوں کا جنگل ہے اور جس میں بیس بیس پچیس پچیس منزل کی عمارتوں کے سوا کچھ نہیں پھر ایک روز ایبر ڈین کا قصبہ بھی دیکھا جس میں زیدہ آبادی ماہی گیروں کی ہے اچھا خاصا بازار بھی ہے اور کم آمدنی لوگوں کے لئے فلیٹوں کی بلند



و بلا عمارتیں یہاں کے دو ریستوران مشہور ہیں جو بیچ دریا کے کھڑے ہیں یعنی اصل میں کشتیاں ہیں لوگ دور دور سے ان میں کھانا کھانے آتے ہیں پھر وکٹوریا چوٹی کو بھی ہم نے سر کیا بالکل مری کا سانقشہ ہے پہاڑ کوگردشوں میں کاٹی ہوئی سڑک اس ڈھلوان پر ایک کیبل ٹرین بھی چڑھتی ہے اپنے انجن کے زور پر نہیں بلکہ ایک کیبل کے سہارے کچے دھاگے سے بندھی آتی ہے سرکار مری ۔

ہم چڑھے تو کار سے لیکن اترے اس سے وکٹوریا کی چوٹی سے شہر کا منظر دیکھنے کا ہے افسوس کہ پرتگالی کالونی میکاؤ میں اب کے بھی ہمارا جانا نہ ہو سکا ہم کتنے دن یہاں قیام کریں ضرورت سے ہمیشہ ایک دن کم رہتا ہے اور وہ دن وہی ہوتا ہے جس میں ہمارا میکاؤ جانے کا ارادہ ہوتا ہے خیر میکاؤ زندہ صحبت باقی پچھلی بار تو یوں بھی یہاں فساد اور ہنگامے ہو رہے تھے ہمارے خیر اندیشوں نے ہمیں روک لیا تھا۔

دنیا کا کون سا کونا ہے جس میں یہ ہی خانہ خراب نہیں پہنچے یہاں ہلٹن کی کافی بار میں بھی بیٹھے ہیں ایک صاحب نے مونچھیں بڑھائی ہیں جو لنگتی ہوئی ان کی چھاتی پر آ رہی ہیں دوسرے نے چہار ابرد کا صفایا کرا رکھا ہے اور جٹا دھاری بنے ہیں سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ پیٹ کے اندر بچے کی جنس معلوم کر لی جاتی ہے اور انڈے کے اندر کے چوزے پر حکم لگا دیا جاتا ہے کہ اولاد نرینہ ہے یا مرغی کی نور چشمی ہے ہم کہ سائنس سے بہرہ ہیں ہسپیوں کو دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ مس کہیں یا مسٹر کہہ کر بلائیں دوسرے ہم پکچر کارڈ اور تحفے بچنے والوں کے ہاتھوں زچ ہیں اہرام مصر پر جائیے تو یک لخت ایک شخص کارڈ لئے نمو دار ہوتا ہے جیسے تابوت کا ڈھکن اٹھا کر نکل آیا ہو دمشق میں غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار کے مجادر نے

فاتحہ میں ہمارا ساتھ دیا اور ہمارے ہاتھ کارڈ بیچے ہانگ کانگ اور چین کی سرحد پر بھی اس کے کارڈ موجود بلکہ ہانگ کانگ کے بعد ایک کنفیوش نما بڈھا بھی گیان دھیان میں بیٹھا تھا ہم نے اس کی تصویر لینی چاہی تو بھاگا بھاگا آیا کہ پہلے پیسے دو تب تصویر اتار نے دوں گا اور سرمایہ کارڈ بھی ہیں ٹوڈ الر فنی ایچ دیری گڈ دیری گڈ ۔

## چڑھتے سورج کی دھرتی سے ایک خط

ہجوم جا کر گم ہو جانا ہماری ہمیشہ سے کمزوری یا عشرت رہی ہے، ارویہ ٹوکیو کا شہر کا شہر تو کہنے کا شہر ہے ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی، اقوام متحدہ کے اراکین میں بھی ایسے ایسے ملک ہیں کہ ٹوکیو شہر کی آبادی میں سے کم از کم بیس پچیس بن سکتے ہیں، اور انورا جیسے ملکوں کو لیجئے تو سو بنالیجئے، عماتوں کے لحاظ سے یہ شہر سراسر مغربی ہے۔ ہم بچپن میں پڑھا کرتے تھے کہ ٹوکیو میں مکان لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ تاکہ زلزلے میں گرنا جائے بھلا لکڑی ایسے ملکوں کی ترقی کہاں تک ساتھ دے سکتی ہے۔ جو دنیا بھر کو پیچھے چھوڑے جا رہے ہوں۔ صنعتوں کی ترقی میں اور بابر بہ عیش کوش میں بھی۔ ہمارے یہاں یہ تصور ہے کہ یہاں گناہ کرو گے تو دوسری دنیا میں ڈنڈے کھاؤ گے، اللہ میاں کان پکڑوائیں گے۔ لیکن جن لوگوں کے مذہب اور روایات میں اس قسم کی عقوبت زکر نہ ہو۔ بلکہ حیات بعد ممات کا تصور نہ ہو وہ کیوں ہاتھ روکیں، دولت انسان کو کچھ زیادہ ہی بے باک بنادیتی ہے۔ اور جاپان میں تو امریکیوں نے ایسے آداب سکھائے ہیں کہ معاشرے کا ڈھانچہ ہی بدل گیا ہے پچھلی بار کے سفر میں ہم نے جاپان کے ایک بڑے آدمی سے شکایت کی تھی کہ دیکھے جاپانی خواتین کیم عفت پر کھلم کھلا ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ آپ کا مشرقی اور قومی وقار کیا کہتا ہے اس باب میں۔ ہم یہ بات اس لئے کہہ دی تھی کہ جاپان دیکھ کر آئے تھے، جہاں کوئی غبر ملکی کسی جاپانی لڑکی کو میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتا

اس کے لئے اسے سنگاپور جانا پڑتا تھا۔ وہ جاپانی بزرگ مسکرائے اور بولے، میاں کن چکروں میں پڑے ہو، پیسہ سب چیز ہے، ڈالر آتے ہیں آنے دو اور یوں تمہارے سمجھانے سے یہ گنگا اٹی تو بہنے سے رہی۔ آگے ہی کو بہہ گی۔ تم بھی چاہو تو اس میں نہاؤ۔ تھائی لینڈ کا احوال بھی ہی تھا

سنگاپور اور ہانگ کانگ کا بھی ، لوگ کہتے ہیں کہ بمبپائی یوں ہی تباہ ہوا تھا۔ روم پر اس لئے آفت  
آفت تھی۔ خیر اس زمانے میں قدرت کچھ زیادہ سخت گیر ہوگی ۔ ہمارا ذکر کرنے کا مطلب بھی قدرت  
کو اس طرف توجہ دلانا نہیں ہے ، ہم قدرت کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے والے کون ، بس ذکر کر دیا  
ہے ، پرانی چال کے آدمی ہیں نا۔ رہا نہیں جاتا، ایک بات ہم اس لئے کہہ دیتے ہیں ، جاپان بڑا اور ترقی  
یافتہ ملک تو بن گیا ہے لیکن جلد ہی دوبارہ خطرناک ملک بھی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جس ملک کے  
پاس زیادہ دولت ہو جائے اسے وہ ہضم نہیں ہوتی اور ادھر ادھر نظر ڈالنے اور ہاتھ پھیلانے لگتا ہے  
جاپان نے دوسری جنگ میں شکست کھا کر بیس بائیس برس تو گزار لئے اور چونکہ دفاع کا ٹٹا نہیں  
تھا۔ سارا انتظام خدائی فوجداروں امریکہ والوں اپنے سر لے لیا تھا۔ لہذا یہ اپنی اقتصادی اور صنعتی ترقی میں  
لگے رہے لیکن اب جاپانیوں کی نئی نسل پرانے مقبوضات کے بارے میں پھر پہلے کی طرح سوچنے لگی ہے  
دوسری جنگ کے جاپانی ہیرو کہ اب تک مردود تھے اب پھر محبوب ہوئے جارہے ہیں منچوریا پر حملہ جائز  
نظر آنے لگا مشرق بعید منڈی کی طرف نظریں اٹھنے لگیں ایٹم کی ترقی اور پھر ایٹم بم اور دوسرے بموں  
کی ترقی کی نوبت آرہی ہے بحریہ اور فضائیہ تو یہ لوگ دو تین دن میں ایسی بنا لیں گے کہ بڑی طاقتوں  
کی ٹکر کی ہوگی بیشک اس وقت او کی نادا کے جزیرے میں کہ امریکہ کا اڈہ ہے ایک سوشلسٹ کی فتح ہوئی  
لیکن آنے والا جاپان امریکہ اسے ششکار تارہے گا اور اسے چین اور روس کے مقابلے میں کھڑا کر دے گا اور  
پھر یہی لوگ سوئی اور سانگو بنانے والے فقط ٹرانزسٹر ریڈیو ہی نہیں بنائیں گے توپیں ، بندوقیں ، بھی ڈھالیں گے  
ساری بات نظام کی ہے مغربی جرمنی میں پھر نازیت کا احیار ہو رہا ہے حالانکہ جرمنوں کی شائستگی اور علم اور  
فلسفے سے شغف مشہور ہے امریکہ ہی کو لیجئے دنیا کا سب سے زیادہ امیر اور ترقی یافتہ ملک اور آزادی کی  
روایات کا امین لیکن جب وہ جنگی مشین کا پورزہ بن جائے اور اس پر وحشت سوار ہو جائے تو۔۔۔۔۔۔۔

کتابوں میں اہل مشرق کی حیا اور عفت کا ذکر اکثر آتا ہے لیکن سچ جانتے تو اس برصغیر سے مشرق کی طرف

جائیے مغرب کی طرف فاصلے کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا تصور معدوم ہوتا جاتا ہے اور شراب سے ابا کرنے والے تو شاید فقط ہم پاکستانی قوم ہیں لیکن سنگا پور اور ہانگ کانگ اور ٹوکیو تو تعیش کے کارخانے ہیں ہاں مہمان کو اپنے گھر میں نہیں بار میں یا گیشا گھر میں لے جانے کا رواج ہے بار میں آپ ساقی سے شراب کا سودا کیجئے یا شباب کا یہ آپ کی ہمت اور توفیق پر منحصر ہے گیشا گھر میں بے شک اچھے بھی ہیں گیشائیں کہنے کو تو امرداد جان ادائیں ہیں کہ روایتی لباس میں ہوں گے کہ محض شائستگی کا کاروبار کرتے ہوں گے آپ جاگ ڈالیں اتنا ہی معاملے کو میٹھا کر سکتے ہیں اور لطف اور صحبت کو طول اور گہرائی بخش سکتے ہیں -

البتہ جس گیشا گھر میں ہمارے ایک جاپانی میزبان نے ہمیں دعوت دے کر ہماری عزت افزائی کی وہ نرم و نرم کا تھا اس میں ہمارے میزبان کی بیگم بھی ساتھ تھیں لوگوں کے ایمان کی سلامتی ہیں ایک بات یہ مد ہوئی کہ گیشائیں بیچاری ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچی ہوئی تھیں اس پارٹی میں تین پاکستانی تھے اور تینوں اللہ میاں کی گائے محض کوکا کولا نوٹس لہذا گیشاؤں کی دساقی گردی دھری کی دھری رہ گئی اور وہ انھیں چھوڑ دوسروں کے گرد جمع ہو گئیں کھانے میں بھی کیڑے ہماری وحشت کا سامان تھے جاپانی کھانوں میں الا بلا چیزیں بہت ہوتی ہی ہیں ہم لوگوں نے تو چکن اور چٹنی پر اکتفا کی کھانے کے بعد گانا بجانا بھی لیکن سچ یہ ہے کہ کہ سماں پیدا نہ ہوا ساکورا ساکورا کا الاپ بے جان سا تھا ان کے سازوں کی تانتن سے محفوظ ہونے کے لئے بھی دکانوں کو برسوں کی ترتیب چاہیے ایک مبتد نہ سے رقص میں اور سب لوگ شریک ہوئے پاکستانی ملا لوگ بیٹھے دیکھا کئے یکا یک ہمیں کچھ خیال آیا اور ہم نے اپنے ساتھی سے کہا حضرت آج کل ہمارے حساب سے رمضان شریف ہے اس مبارک مہینے کا آغاز کچھ اچھا نہیں ہوا وہ بیچارے ایسے بوکھلائے کہ کوکا کولا بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا بولے دیکھو ہم یہاں آئے نہیں لائے گئے ہیں تاہم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا اللہ ہمیں معاف کرے ہم نے کہا آپ بھی کیا بات کرتے ہیں ہم کسی سے کیوں ذکر کرنے لگے قارئین کرام آپ

بھی کیا بات کرتے ہیں ہم کسی سے کیوں ذکر کرنے لگے قارئین کرام آپ سے تو کیا پردہ کسی اور سے نہ کہیے گا۔

## جاپان میں چار دن

کچھو کانکو ہوٹل۔۔ جیسا عجیب نام ویسا عجیب ہوٹل خاصا عمر رسیدہ معلوم ہوتا ہے ہمارے جدا مجد جنت سے نکالے گئے تھے تو ایک دو روز تو ضرور یہیں قیام فرما رہے ہوں گے کیا عجب اسی کمرے ۴۱۱ نمبر میں فروش ہوئے ہوں پچا کھچا گیہوں یہاں بھی کھایا ہوگا کیونکہ کمرہ ڈبل بیڈ ہے ممکن ہے کمرے کا رنگ اور روغن نسبتہ تازہ ہو یعنی محض حضرات نوح یا حضرت ابراہیم علیہ سلام کے زمانے کا ہو لیکن غسل خانہ اور اس کا ٹب ضرور پرانا اور انجیل ہے ٹل بند ہی نہیں ہوتا قطرہ قطرہ گر کر ہر آدھے گھنٹے بعد دریا ہو جاتا ہے اور پھر لوگ کہتے ہیں جاپان بڑا ماڈرن ملک ہے کیا یہ شہر ٹوکیو ہو سکتا ہے لوگ بھی کیا مضمون کی ہوا باندھتے ہیں۔

کسی شہر میں آپ کا واسطہ جن لوگوں یا مکانوں سے پڑے آپ انہی کی روشنی میں ایک ملک کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں کچھلی بار ہم ٹوکیو پرنس ہوٹل ٹھہرے تھے بالکل ٹوکیو ٹاور کے زیر سایہ واقع ہے کیا کہنے دام اس کے زمانے میں تھے لیکن گچوئن نامی بھٹیاری خانہ کے دام اور آرام کو دیکھتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ بالکل مفت تھا ٹوکیو پرنس مین رہنے اور وہاں سے جانے کے بعد ہم نے جاپان کے متعلق ہمیشہ یہی کیا کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے یہاں کے حسن کے متعلق بھی ہم نے یاروں کو یہی بتایا کہ فی مربع گز حسن جس قدر جاپان میں ملتا ہے کہیں اور نہیں ملے گا لیکن گچوئن والوں نے ایسی طبیعت منغض کی کہ کہیں ہمیں اب کہ یہ رائے بھی بدلتی پڑی جاپانی دو شیرازیں بس واجبی ہیں کوئی خاص بات نہیں پیلی پیلی رنگت سپاٹ آنکھیں ہم نے اتنی ساری دیکھیں لیکن دل دینے کا سوال پیدا ہوا تو بالکل



انکار کر دیا یہاں کے سبزے اور آب و ہوا کی بھی ہم نے تعریف کی تھی معلوم ہوا مبالغہ کر گئے تھے بس ہرے ہرے پودے ہیں خاص بات نہیں ہے ۔

اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ ہم آئے کہاں سے تھے ہانگ کانگ کے ہلٹن سے ہائے ان لوگوں کے انداز ایک مسافر کی بلائیں لینے کو دس دس آدمی موجود ہیں بیرے بھاگے آتے ہیں لیس سر لیس سر کرتے منہ سوکتا ہے چھ لفت ہیں ان میں وردی پوش لڑکے جا دیجا سلام کرنے والے کھڑے ہیں ایسکے لیٹر ہیں کہ اور کوئی کام نہ ہو تو چڑھتے رہو اترتے رہو سامان چڑھانے اتارنے کا الگ محکمہ ہے دروازے کھولنے والے سردار جی مفت میں دیکھئے کیا معلوم تھا کہ فلک کج رفتار ہماری تاک میں ہے اس نے ہلٹن میں ہمیں دیکھ لیا اور کہا بچو ٹوکیو چل تجھ سے سمجھتا ہوں پرانی داستانوں میں گستاخ مسافر اور عاشق مشکیں کس کر اسے تہہ خانے میں ڈال دیا جاتا تھا ہم ایسے خوش قسمت نہ تھے لہذا گیجوں میں ڈال دیئے گئے تہ خانے اور گیجوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تہہ خانہ مفت ہوتا ہے اور روٹی کپڑا بھی کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہے یہاں بیش قرار ڈالتر روز سامان بھی بیروں نے عین نیم شب کے وقت اتار کر ریڈور میں لارکھا اور چپت ہو گئے آدھ میل لمبی کا ریڈیو ہے آخر ہی خود اٹھا کر لانا پڑا کمرے میں چپل ضرور رکھی ہے لیکن ہمارے پاؤں سے اس کو یہ نسبت ہے کہ اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤں ہم اپنا پاؤں تو ان کی چپل کے سائز کا کرنے سے رہے بس انگلیوں کے بل چلتے ہیں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں ہلٹن میں شام کو بیرا بستر کا کونا ہٹا کر رکھ جاتا ہے اور ایک گول سی کاغذ کی ٹکلی پر جس پر نائٹ وغیرہ لکھا رہتا تھا ایک چاکلیٹ ٹانی بھی دھری ملتی تھی یہاں کوئی پھٹے منہ بھی کہنے نہیں آتا ہانگ کانگ ہلٹن کے روم بوائے مسافروں کا ایسا خیال رکھتے تھے کہ بعض اوقات بن بھی ایسے عالم میں جب کہ آپ کیمرے کی پرائیویٹ حالت میں ہوں چابی سے دروازہ کھول کر اندر گھس آتے تھے کہ سر آپ نے بلایا تھا ورنہ ہم نے گھنٹی کا بٹن دبایا وہ الہ دین کے جن کی رفتار سے آن موجود گیجوں کا نکو ہوٹل میں بیرے کے لئے گھنٹی ہی نہیں ہے ٹیلی فون بے



شک ہے لیکن کون اٹھائے آپریٹر کی خوشامد کرے ایک روز ہم نے سوچ کر کہ اتنے سارے ڈالر دیتے ہیں تو جوتا تو پالش کرا لیں جوتا دروازے کے باہر رکھ دیا صبح بپرا بولا حضور ایک سوین مرحمت ہوں ہم نے کہا کس بات کے بولے جوتا پالش کرنے کے مفت تھوڑا ہی ہوتا ہے اس ہوٹل میں کوئی کام مفت نہیں آپ پانی بھی مانگیں گے تو ایک سو پن لگیں گے یہ بھی واضح رہے کہ ہماری شکایت ہوٹل کی گرانی کی نہیں نہ اس مکان کے کہنے ہونے کی ہے کیونکہ کہنے تو ہمارا اپنا گھر بھی ہے اور گراں بلٹن بھی تھا غصہ ہمیں اس بدمعاشی پر ہے کہ اصل نرخ ہمارے کمرے کا ۲۲۰۰ ین یعنی ساڑھے سات یا آٹھ ڈالر ہے ہمارے کمرے میں یہی لکھا لگا ہے ٹورسٹ کتابچوں میں بھی یہی ہے کہ ایک آدمی ٹھہرے تو ڈھائی ہزار ین دے دو آدمی ہوں تو چھتیس سو لیکن ہمیں چھتیس سو دینے پڑے بلکہ سروس اور ٹیکس ملا کر چوالیس سو ہوٹل والوں نے کہا جناب یہ ہمارے سینر کا زمانہ ہے خیر لے لو میاں لیکن ہم بھی تمہیں دینا میں منہ دکھانے کے لائق نہ چھوڑیں گے چنانچہ یہ کالم بطور زمیندار کے اداریے کے لکھ دیا ہے قصہ اس تلخج کا یہ ہے کہ مدید زمیندار مولانا اختر علی خاں مرحوم ایک بار ولایت گئے برطانیہ کے وزیر خارجہ سے ملے اور کہا دیکھئے جناب کشمیر کے معاملے میں ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہو رہی ہے ایسی زیادتی کو روکنے ورنہ۔۔۔۔۔ وزیر خارجہ کی چشم تصور میں ٹینک دوڑنے لگے اور دھائیں دھائیں تو پیں چلنے لگیں سراسیمہ ہو کر بولے ورنہ کہا۔۔۔۔۔ اختر علی خاں صاحب نے کہا ورنہ میں پاکستان جا کر زمیندار میں آپ کے خلاف اداریہ لکھوں گا ،، ٹوکیو میں آج کل ہمارا روزانہ ہزاروں کا خرچ ہے چار چار سو چھ سو تو ٹیکسی والے کو تھما دیتے ہیں اور ماتھے پر بل نہیں لاتے اس کی ایک وجہ تو ہماری طبعی اور خاندانی دریا دلی اور داد و دہش کی عادت ہے دوسری یہ کہ ین ایک ڈالر میں تین سو ساٹھ ہوتے ہیں روپے میں ستر پچھتر جان لیجئے ایک ین کا سکہ بہت دن تو ہم نے دیکھا ہی نہیں ایک روز بڑی جستجو سے ملا کتاب پڑھنے پر معلوم ہوا کہ ایک ین ایک سو سین بھی ہوتے ہیں کسی زمانے میں ہوتے ہوں گے یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا اور ہمارے ہاں

بھی پیسے میں دمڑیاں اور میں کوڑیاں ہوتی تھیں اور ان کوڑیوں کا سودا بھی بازار سے مل جاتا تھا ہم نے پولینڈ کی زلوٹی دیکھی ہے اور اٹلی کا لیرا یکھا ہے افغانستان کی افغانی دیکھی ہے اور انڈونیشیا کا روپیہ بھی ایران میں ریالوں میں کھیلے ہیں یہ سب سکے دونی اکنی ادھنے وغیرہ کے برابر ہیں لیکن ین تو سب کو پیچھے چھوڑ گیا یہ لوگ اپنے سارے حساب ابھی سکوں میں رکھتے ہیں اگر پاکستان میں بھی بجائے روپے کے پیسے میں رقمیں گنی جائیں تو ہم دیکھتے دیکھتے لکھ پتی بن جائیں اپنی پیاری قوم کو امیر بنانے اور دولت سے مالا مال کرنے کا اس سے بہتر طریقہ ہماری سمجھ تو آتا نہیں ۔

## انگریزی کے بغیر ترقی کرنے کا کیا فائدہ

حسن اتفاق کہ ہمارے دوست سید قاسم محمود بھی ٹوکیو پہنچے ہوئے تھے وہ ایک ٹریننگ کورس کے لئے مہینے ڈیڑھ مہینے سے وہاں تھے اور جس روز ہم وارد ہوئے اسی روز ان کی مصروفیات ختم ہوئی تھیں اب ہم تھے اور قاسم محمود صاحب اس بازار سے اس بازار اس ڈپارٹمنٹل اسٹور سے اس مارکیٹ تک کبھی آکا سا کا، کبھی گنزہ کبھی شبوا کبھی ٹوکیو ٹاور ایک کروڑ دس لاکھ کی آبادی کا شہر ہے جانے کہاں تک پھیلا ہوا دکانیں منہمانہ بھری ہوئی کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست ہم کم مایہ سوداگر ہر چیز سے کہتے تھے کہ اس دیس میں ارزاں ہو آ خر دل مسوس کر رہ جاتے تھے اور آگت بڑھ جاتے تھے فضلا الباری صاحب نے ہمیں دیوالیہ ہونے سے بچا لیا ہماری تو ہر چیز پر طبیعت آتی تھی اور ہاتھ جیب کی طرف جاتا تھا وہ روک دیتے تھے کہ یہ چیزیں سب ڈھاکے میں مل جاتی ہیں بیگم و حبیبہ ہاشمی ہم سے بہت تنگ ہیں فرماتی ہیں کہ دعوت تو میں ہوں چیزوں کی طرف لپکنا مجھے چاہیے لیکن لپکتے آپ ہیں کبھی فہمائش کرتی ہیں کبھی ناراض ہوتی ہیں لیکن زیادہ تر بیزار اور لاچار ہو کر فرماتی ہیں اچھا بابا جو جی چاہئے کرو لیکن ہماری خریداری کیا ہے نہ ریڈیو نہ ٹیپ ریکارڈ نہ کیمرے بس طوطے چڑیاں چھوٹی چھوٹی تصویریں کھلونے اور گڑیاں ارے بابا

یہ بھی نہ خریدیں -

دوپہر کے کھانے کے لئے قاسم محمود صاحب ہمیں نائر ریسٹوران لے گئے یہ عین گزرہ میں واقع ہے جنوبی ہند کے ایک صاحب نائر اسے چلاتے ہیں کیرالا کے رہنے والے آدمی بہت با اخلاق اور مزے کے صلح کل ایسے کہ گائے گوشت پکاتے ہیں نہ سورہ زیادہ تر چکن، سبزی سال چاول، پراٹھ چپاتی وغیرہ باورچی ان کے جاپانی ہیں جنہوں نے چند لفظ ہماری زبان کے بھی سیکھ رکھے ہیں مثلاً شکریہ ٹھنڈے پانی بہت اچھا وغیرہ ہم گئے تو لتا منگیشکر کا ریکارڈ لگا ہوا تھا چھوٹی سی تو جگہ ہے تین چار میزیں کچھ غیر ملکی بیٹھے دال بھات کھا رہے تھے نائر صاحب نے بڑی عزت اور آؤر سے بٹھایا خود کھانا لا کر ہمیں دیا دام بھی بہت واجب تھے اور ان کا کہنا یہ تھا کہ خالص گھی میں چیزیں پکی ہوئی ہیں وہ خالص گھی اور مسالے بیچتے بھی ہیں بہر حال خاصے دنوں کے بعد ویسی چیزیں کھانے کو ملی تھیں خواہ مخواہ پسند آئیں البتہ اسی شام قاسم صاحب نے جو دوسرا ہوا ہمیں دکھایا دہلی ریسٹوران، وہاں جا کر ہماری طبیعت بے مزہ ہوئی باہر لکھا ہے ہندوستانی اور پاکستانی ریسٹوران لیکن اندر ہندوستان تو کچھ کچھ ہے پاکستان کچھ بھی نہیں چلانے والے اسے جاپانی ہی میں شدہ ہندی میں ایک دیوار پر لکھا ہے سونار کے سرومانیہ بھوجن کڑھی کی کشیش دکان ولی کیا سمجھے آپ دنیا کے مشہور و الم بھوجن کڑھی کی دکان دلی ہم نے جاپانی مینجر صاحب سے کہا یہاں اردو میں بھی لکھو اور نہ کوئی پاکستانی یہاں آنے سے رہا خیر ہم نے چکن تندوری کا آرڈر دیا اس شان سے آیا کہ نیچے لکڑی کی ٹرے پر آدھ انچ دل کا تو جلتا سلگتا ہوا اور اس کے اوپر وہ مرغ نان کے نام سے تلا ہوا نان پاؤ چھری کانٹے کی جگہ کو رکھوں والی کھکریاں خوب معجون مرکب ہوٹل اور معجون مرکب کھانے ہیں بل آیا تو ہم نے سانس کھینچ لی اے صاحبو ٹوکیو میں سب جگہ جانا دلی ریسٹوران میں جانا من نہ کر دم شام حذر بکند۔

بارے باری صاحب کا کچھ بیان ہو جائے ابھی ہم جاپان پہنچے بھی نہ تھے ہانگ کانگ سے آنے والے جہاز ہی میں تھے کہ انہوں نے جاپانی زبان سیکھنی شروع کر دی ایئر ہوٹس کو بلا کر کہا مس یہاں آؤ میں جاپانی

زبان سیکھنا چاہتا ہوں ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ ٹوکیو جہاز اترتے ہی جاپانی زبان پر پوری طرح حاوی ہو جائیں اور بے تکلفی اور روانی سے گفتگو کرنے لگیں لیکن ہم نے کہا ہر چہ گیرید اس بیشاری کو ہمیں چائے وغیرہ بھی بنا کر دینی ہے آخر یہ طے ہوا کہ فی الحال شکریہ کا جاپانی مترادف سیکھیں گے باقی فاضلانہ مہارت ٹوکیو میں چل کر حاصل کریں گے مس ایئر ہوسٹس نے بتایا آری گا تو گزائی مشتا اتنی جاپانی تو ہماری گرہ میں پہلے سے تھی باری صاحب نے اپنی سہولت کے لئے اس میں فقط آری گا تو لیا یعنی شکریہ آری گا تو گزائی مشتا یعنی بہت بہت شکریہ تک دو دن بعد پہنچے لیکن آدمی ذہین ہیں موقع ہو یا نہ ہو جاپانی میزبان کے منہ پر آری گا تو کا چھینٹا دے کر اس کا دل موہ لیتے ہیں آپس میں اردو یا انگریزی میں گفتگو ہو رہی ہے اور باری صاحب بات بات پر فرماتے ہیں آری گا تو گزائی مشتا ہم نے کہا باری صاحب چلیئے ناشتہ کریں بولے چلتا ہوں آری گا تو گزائی مشتا اپنے کمرے سے فون کیا باری صاحب اٹھ جائیے نو بجے فلاں جگہ پہنچنا ہے جواب ملتا ہے اچھا اچھا اٹھتا ہوں آری گا تو گزائی مشتا ۔

اس ہوٹل گچوئن کانکو میں ہمارا کمرہ نمبر ۲۱۱ باری صاحب نمبر ۲۱۰ میں لیکن کاؤنٹر پر آکر چابی ہمیشہ کمرہ ۱۹۶۵ء کی مانگتے ہیں اصل میں یہ ہانگ کانگ کے ہلٹن ہوٹل میں ان کے کمرے کا نمبر تھا وہاں بھی بڑی مشکل سے انھیں یاد ہوا تھا ورنہ تو آکر کمرہ ۳۰۳ یعنی سنگاپور والے کیتھے ہوٹل کے کمرے کی چابی مانگا کرتے تھے اب ہم نے ان کو ۲۱۰ یاد کرادیا ہے آگے سیول پہنچیں گے تو وہاں اس کی چابی مانگیں اور نہیں ملے گی تو معصومیت سے ہم سے پوچھیں گے ۔۔۔ ارے بابا کیا نمبر ہے میرے کمرے کا ؟

جاپانیوں کی ایک بات ہمیں پسند آئی یہ لوگ مصافحے کا زیادہ تر دو نہیں کرتے اک ذرا گردن جھکائی اور سلام ہو گیا کہیں جائیے یا کہیں سے آئیے جاپانی مہمان دو رہی دور کھڑا ساٹھ درجے کا زاویہ بنا کر جھکے گا اور پھر کھڑا ہو جائے گا بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس میں بھی کئی باریکیاں ہیں کون کس کے سامنے جھکے گا آگے کب ہاتھ باندھنے چاہئیں کب چھوڑنے چاہئیں یہ سارے آداب علم دریا ہیں بہر حال تو اب باری

صاحب کو بھی اسی قسم کا سلام کرنے لگے ہیں یہ قوم اپنی ترقی کے سامان میں سراسر مغربی ہے لیکن ذہنیت میں مشرقی کپڑے ولایتی سوچ دیسی مردوں کا لباس تو خیر سراسر سوٹ ہی ہے عورتوں میں بعض کیمونو پہنے نظر آتے جاتی ہیں اکثر اسے محض رسمی یعنی تقریبات کے لباس کے طور پر پہنتی ہیں کیونکہ اسے پہن کر اور پیچھے گدی باندھ کام تھوڑا ہی ہو سکتا ہے بہر حال خوش جمال عورت جب یہ روایتی رنگارنگ ریشمی لباس پہنتی ہے تو واقعی المپرا معلوم ہوتی ہیں اس کے ساتھ بالوں کے جوڑے کا انداز بھی الگ ہوتا ہے اور جوتے بھی چال بھی خاص ہو جاتی ہے دوسری بات ہم نے یہ دیکھی کہ انگریزی سمجھنے بولنے والے بہت کم لوگ ہیں راستہ معلوم کرنے میں بڑی وقت ہوتی ہے جاپانی سیٹھ سے ملنے انگریزی کا ایک لفظ نہیں جانتا ہمیں انگریزی آتی ہے لیکن اور کچھ نہیں آتا۔

## آری گا تو سے خمسہ حمیدہ تک

جونہی جہاز ٹوکیو سے اڑا ہمارے باری صاحب نے کوریائی زبان کی تحصیل شروع کر دی اہیک ایئر ہوٹس کے تطف کے جواب میں آپ نے اس سیکھا آری گا تو گزائی مشتا تو وہ تنک کر بولی کہ بندی جاپانی نہیں کوریامیں شکریہ کیسے ادا کرتے ہیں ترت بتاؤ اس نے کہا اس مقوع پر ہمارے ہاں خمسہ حمیدہ کہتے ہیں کم از کم ہم نے یہی سنا ہم نے اس سے کہا اے بی بی پھر تو تو ہماری ہم زبان ٹھہری خمسہ بھی ہماری زبان کا لفظ ہے جیسے خمسہ نظامی اور حمیدہ بھی جیسے اوصاف حمیدہ زچھا ایک جملہ اور بتاتی جاؤ کوریائی زبان میں خیریت کیسے کی جاتی ہے آپ لوگوں کے ہاں خیریت نام کی چیز ضرور ہوتی ہوگی اور اسے لوگ دریافت کرتے بھی ہوں گے ہر چند کے اتنے اصرار کے ساتھ نہیں جیسے ہمارے ہاں رواج ہے کہ کیا حال ہے خیریت ہے بالکل اچھی بھلے چنگے بال بچے راضی وغیرہ اور اس کے بعد گفتگو کے ہر دو فقروں کے بعد اچھاتے ہو رکی



حال اے بلکہ ہمارے لوگ تو اتنے خلیق ہیں کہ مخاطب کے ساتھ ساتھ اس کے دشمنوں کی خیریت بھی پوچھ لیتے ہیں سنا ہے آپ کے دشمنوں کی طبیعت آج کل ناساز ہے ۔

وہ عقیفہ ان باریکیوں کو کیا سمجھتی تاہم اس نے مزاج شریف کا کوریائی بدل ہمیں بتا دیا اینو ہاشم نیکا ہم نے کہا اینو ہاشم نیکا ہم نے کہا لو اس میں بھی آدھی ملاوٹ ہماری زبان کی نکل آئی ہاشم نہ صرف ہمارے ہاں کا لفظ ہے بلکہ وہ ہمارے عزیز بھی ہوتے ہیں باقی رہے اینو اور نیکا یہ ہماری گرامر کے حساب سے تابع مہمل ہیں یہ بھی ایک بڑی ضروری چیز ہوتی ہے بلکہ بعض لوگ اصل کے بجائے تابع مہمل ہی کے پیچھے پوری زندگی گزار دیتے ہیں ۔

یہ دو جملے ہماری گرہ میں نہ بھی ہوتے تب بھی سیول یعنی جنوبی کوریا کے دارالحکومت میں ہمارا قیام ایک خواب کے سماں گزرتا ان لوگوں نے ہماری تکریم کی حد کر دی لینے کو بیشمار لوگ آئے ہوئے تھے ان میں عابد بھی تھے زاہد بھی تھے ہشیار بھی تھے ہار بھی تھے حصے میں ڈھیروں آئے کیونکہ ہماری پارٹی کے کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کا حصہ ہمیں کو ملا ان لوگوں نے ایک ایک شاندار لمبی چمکیلی کار بھی ہمارے سپرد کر دی کہ جیسے چاہو برتو ایک کار ہمارے ترک دوستوں کے لئے ایک ایرانی بھائیوں کے لئے اور ایک ہم تینوں پاکستانیوں کے لئے ہماری کار پر ہمارے ملک کا پھریرا بھی لہراتا تھا اور دو موٹر سائیکل سوار ہمارے قافلے کے آگے آگے چلتے تھے جا بجا کانسٹبلوں نے ہماری خاطر روک رکھا تھا ہم نے باری صاحب کے بازو میں چٹکی لے کر کہا یہ حقیقت ہے یا خواب حبیبہ بیگم نے کہا ایسے موقع پر اپنے چٹکی لیتے ہیں دوسرے کے نہیں میری ناقص رائے میں تو یہ حقیقت ہی ہے اور یہ جلوس سلامی پر سلامی لیتا ہوا ایمبا سڈر ہوٹل کے احاطے میں جا اترا اب تک ہمارا واسطہ جن ہوٹلوں سے پڑا ان میں سب سے اچھا اور پر تکلف اور با تصویر یہی تھا ٹیلی ویژن اور ریفریجریٹر اور نی جانے کن کن آسائشوں سے مسلح خمسہ خمسہ خمسہ کہتے کہتے ہمارا منہ سوکھ گیا تھا لہذا پہلا کام یہی کیا کہ ریفریجریٹر دے دو بوتلیں کوکا کولا کی نکال کر پیس سیول کا شہر ہمیں



پسند آیا ہمیں معلوم نہ تھا کہ دنیا کے اس کونے میں اتنے بڑے بڑے شہر بھی ہوں گے آبادی اس کی دم تحریر چوالیس لاکھ ہے کراچی سے آٹھ دس لاکھ زیادہ ہوائی اڈے سے شہر جاتے ہوئے معلوم ہو جاتا تھا کہ راولپنڈی کی مری روڈ سے گزرے ہیں بالکل ایسا ہی ناک نقشہ ایسی ہی سڑکیں ایسی ہی دکانیں ٹوکیو اور ہانگ کانگ کے مقابلے میں بہت بین فرق ایک تو ہمارا جی استقبال ہی سے خوش تھا یہ منظر دیکھ کر طبیعت اور نہال ہوئی کنکریٹ کے جنگلوں سے ہمیں وحشت ہوتی ہے سنگا پور۔ ہانگ کانگ۔ ٹوکیو میں وہی ایک سی اونچی اونچی ماچس نما عمارتیں دیکھتے آنکھیں پتھرا گئی تھیں یہاں کے لوگ بھی ہماری ہی طرح کے دکھائی دیئے یعنی ٹھٹ اور خوش پوش نہیں بلکہ درمیانہ سا کام تھا صفائی ایسی نہ تھی کہ آئینہ اسے دیکھ کر شرمائے لوگ بھی ملنسار تھے۔

ہمارے دو ڈھائی دن اس طرح گزرے کہ صبح وزیر صحت ہمیں کھانا کھلا رہے ہیں شام کو وزیر خزانہ چائے پلا رہے ہیں اور پھر معلوم ہوا وزیراعظم صاحب کو بھی ہم سے ملنے کا اشتیاق ہے ہمیں تو اتنی عزت افزائی سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہم کوریا کے صدر سے ملنے جائیں گے تو وہ گدی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوگا کہ لیجئے حضرات اب یہ راج پاٹ سنبھالیئے آپ کی ریاست آپ کے سپرد کر رہا ہوں یہ کہہ کر وہ تو کھڑاؤں پہن جنگل کی راہ لیتا ہم پھنس جائے اللہ تعالیٰ کا خمسہ حمیدہ یعنی ہزار ہزار شکر وزیراعظم سے ملنے کے بعد ہمارا وقت ختم ہو گیا ان لوگوں کی اسمبلی جاری تھی اور صدر صاحب مصروف تھے۔

کچھ عجب نہیں کہ لڑائی کے دنوں میں سیول کا بھی احوال رہا جو آج کل سائیکون یا بنگاک کا ہے اور یہ بڑے ہوٹل اور دکانیں اسی زمانے کی یاد گار ہوں آبادی بھی شاید اسی زمانے میں بڑھی ہوگی لیکن ایک امریکن سے گفتگو ہوئی تو اس نے کہا ہم لوگ نہ بھی آئے ہوتے تب بھی اس ملک نے ترقی کی ہوتی کیونکہ سبھی لوگ پڑھے لکھے ہیں شرح خواندگی نوے فیصدی سے زیادہ ہے جبکہ ہمارے ہاں ایک سو میں فقط سترہ آدمی خواندہ ہیں جاپانی بھی یہاں بہت دن رہے ہیں دو صنعتیں قائم کر گئے پھر کوریائی خود بہت ذہین اور خوبیوں

کے لوگ ہیں جاپان ، میں تو ہماری انگریزی بیکار تھی وہاں گوروں کی اردو کی طرح کی انگریزی بولی جاتی ہے لیکن سیال والے روانی اور لیجے میں کمال پائے اس کے باوجود تعلیم ساری کوریائی زبان میں ہے کالج اور یونیورسٹی بھی ہے ان کی زبان دیکھنے میں چینی اور جاپانی کے سلسلے کی معلوم ہوتی ہے لیکن ان سے الگ ہے سہل تر ہے اور اس کی لکھائی تلفظ کے لحاظ سے ہوتی ہے جبکہ چینی زبان تصویری ہے مفہوم ادا کرتی ہے اس شہر میں ہمارے ایک دوست بھی تھے ایک مسٹر ہان کہ بڑے پبلیشر ہیں اگرچہ جواں عمر ہیں یہ ٹو کیو کی کانفرنس میں اب ڈھائی سال پہلے ملے تھے پچھلے دنوں ستمبر میں سنگا پور کی کانفرنس میں بھی یہی اپنے ملک کی طرف سے آئے تھے لیکن اب کے دوا اور چلبے صاحبان لیو اور منہ ان کے ساتھ تھے یہاں بازدید میں تعلقات اور استوار ہوئے لیکن خرابی یہ تھی کہ سیول میں ہمارے پاس وقت بہت کم تھا تاہم آخری شام ہم نے انھیں فون ہی دیا کہ میاں ملنا تو محال معلوم ہوتا ہے دور سے سلام قبول کرو وہ بولے نہیں جناب اس کی سہی نہیں آپ ٹھہریے میں پندرہ منٹ میں لیو منہ کو لے کر پہنچتا ہوں وہ بیچارے خلوص کے مارے بھاگ بھاگ واقعی پندرہ منٹ میں آن پہنچے تھوڑی دیر تو ہمارے ہی کمرے میں سمجھا جمی پھر بولے اٹھو جی مصلی گرد جام کرو ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ پینے کے معاملے میں ہماری دوڈ کوکا کولا تک ہے فرمانے لگے آنکھوں پر تو کوئی پابندی نہیں کھانا کھلائیں اور گیشا گھر لے جائیں گے یا کہو تو نائٹ کلب چلیں جی خوش ہو جائے گا ہم نے حوالہ دیا کہ یہ ہمارے یہاں عبادت کا مہینہ ہے اور اس کی ہمارے ہاں بڑی اہمیت ہے یہ وقت تراویح کا ہے شگفتن گلہائے نازکا نہیں لیکن ہماری دلیلیں بودی ہوں یا نہ ہوں ہم خود تو آدمی ہیں جانا پڑا اور یوں ہم ایک ہفتے کے اندر اندر دوسرے گیشا گھر میں آلتی پالتی مارے سبحان اللہ اور کرر ارشاد کرتے نظر آئے ٹوکیو میں تو خیر ہماری گیشا پارٹی سب ملا کر بیس بائیس کی ہوگئی تھی ایک تماشا ہوا گلا نہ ہوا یہاں چار آدمیوں کے لئے ایک کمرہ الگ کر دیا گیا پردے کھینچ دیئے گئے جوتے اتار قالین پر گدوں کے ساتھ بیٹھ گئے چوکی پر انواع و اقسام کے خون آگئے ہم نے جو کچھ محفوظ اور مطابق اپنی شرع

کے پایا ٹھونگا گیشائیں بھی کہ نو عمر اور خوبصورت تھیں خاص کوریائی لبادہ نما لباسوں میں برابر آن بیٹھیں اور دانا ڈالنا شروع کیا ہماری بیکسی کی کچھ شرم یوں رہ گئی کہ وہ کوریائی کے علاوہ کچھ نہ جانتی تھیں سوائے خمسہ حمیدہ اور اینو ہاشم نیکا کے سو یہ فقرے کوچہ و بازار میں تو چل جاتے ہیں معاملات من و تو میں کہاں تک ساتھ دیتے ہمارے دوست ہماری ترجمانی کیا کرتے اپنے اپنے دلوں کی ترجمانی سے انھیں فرصت نہ تھی بس ایک لفظ کوریائی کا ہمیں رٹا دیا سارنگ حمیدہ ہم نے کہا مطلب بولے مطلب نہ پوچھو طوطے جاؤ وہ نیک بیبیاں یہ لفظ ہم سے سن کر ہنستی رہیں آخر میں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب ہے مجھے تجھ سے محبت ہے اور ہم تازہ داد دان بساط ہوائے دل انگریزی کے علاوہ کچھ نہ جانتے تھے ۔

## ہم دنیا کے دوسری طرف جانکے

یہ ہوائی ہے وہ ہوائی نہیں کہ کسی دشمن نے اڑائی ہو بلکہ وہ کان ملاحیت مجمع الجزائر کہ بحر الکابل میں جاپان اور امریکہ کے بیچوں بیچ واقع ہے باشندے تو اس کے دیسی ہے ہماری ہی طرح کے سانولے کالے لیکن سکے یہاں امریکہ کا چلتا ہے پہلے یہ جزائر آدھی صدی تک امریکہ کے مقبوضات رہے اب ریا ستہائے متحدہ امریکہ میں پچاسیوں ریاست کے طور پر شامل ہیں یہاں امریکہ کا بڑا بحری اڈہ ہے ہوائی اڈہ بھی پرل ہاربر نامی بندرگاہ بھی تو یہیں ہے ہمارے اس ہوٹل سے آدھ میل جس پر جاپان نے ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو یکبارگی حملہ کر کے سوئے ہوئے امریکہ کو جھنجھوڑ دیا تھا اور اسے دوسری جنگ میں کودنے پر مجبور کر دیا تھا ہم نے ہوائی کا نام شروع بچپن میں رابرٹ لوئی اسٹینسن کی مشہور کہانی بوتل کا بھٹنا ، میں پڑھا تھا وہ شخص انہی جزائر کا رہنے والا ہی تو تھا جسے یہ طلسمی بوتل ملی تھی ہوائی ہونیورسٹی میں ہمارے کئی دوست بھی رہے ہیں اور وہ نظم بھی تو ہماری ہی ہے ۔

شام حسرتوں کی شام

رات تھی جدائی کی

صبح صبح ہر کارہ

ڈاک سے ہوائی کی

گم شدہ محبت کا

نامہ وفا لایا

-----پھر تمہارا خط لایا

پس ہم نے کچھ وقت اپنے کوریا کے حصے سے کاٹا کچھ سان فرانسکو کے پروگرام کی کوروبائی اور ایک دن رات کے؛ لئے ہو نو نو لو میں آن اترے یاد رہے کہ جزائر ہوائی نام ایک مجمع الجزائر کا ہے اگرچہ اس مجمع میں ایک خاص ہوائی نام کا بھی ہے لیکن مشہور ترین شہر جو ان جزائر کے گورنر کا مستقر بھی ہے ہو نو نو لو او آہو نامی جزیرے پر واقع ہے ہوائی یونیورسٹی بھی یہیں ہے ہوائی کا مطلب ہی ایک طرح سے ہو نو نو لو ہے۔

ہوائی میں امریکہ کے دور دراز کے حصوں سے وہ لوگ آتے ہیں جو عمر رفتہ کو آواز دینے کی منزل میں ہوں سردی اور پالے کے مارے ہوئے امریکی سیاح اس کے دھوپ نہرے ہریالے ساحلوں پر آترے ہیں تو ان کا غنچہ دل یک کھل اٹھتا ہے اور یہ فوراً کپڑوں سے باہر ہو جاتے ہیں ہم نے خود یہی کیا بہت دن سے سوٹ لادے لادے پھر رہے تھے یہاں دیکھا کہ ہر شخص مردوزن پھولدار پوشاک زیب تن کئے انتظارنا اٹھلاتا پھر رہا ہے کسی کے سر پر لمبوتری ٹوپی ہے کوئی ننگے پاؤں، ننگے سر، ننگے بدب، گھوم رہا ہے ہمارا بھی چاہا کہ فوراً اک شلوکا بڑے بڑے رنگین پھولوں والا لیں اور اس میں کچیلی بدل لیں لیکن پھر خیال آیا کہ جب لوگوں کو

ہم پر سنجیدگی اور بردباری کا گمان ہے انھوں نے اس ہیئت میں ہماری تصویریں دیکھ لیں تو کیا کہیں گے لہذا یہی کیا کہ وہ کرتا پاجامہ نکال جو عید بقر عید کے لئے ہم نے سوٹ کیس کے ایک گوشے میں رکھ چھوڑا تھا اپنے قالب پر چڑھا یا اور سلیم شاہی جوتا پہن رومال سے خود کو پنکھا کرتے ہوئے خراماں خراماں اس ہجوم میں شامل ہو گئے۔

روئے گل سیر ندیم و بہار آخر شد اگر قیام ہو نو نو لو میں چندے اور ہوتا اور ہوائی کی روح ہمارے مزاج میں پوری طرح سرایت کر جاتی تو ہم کراچی کے ہوائی اڈے پر پھودار غرارہ اور فرغل پہنے قلابازیاں لگاتے ہوئے برآمد ہوئے ہم تو خیر مشتاقانہ آئے تھے ہمارے رفیق سفر باری صاحب کو تھوڑی سی مایوسی ہو نو نو لو دیکھ کر ہوئی کہ کیا خاص بات ہے اس میں بس سمندر ریت ہے اس پر کچھ لوگ لیٹے ہیں کشتیاں ہیں ، دھوپ ہے اور درخت ہیں یہ سب کچھ مشرقی پاکستان میں بھی ہے بلکہ اس سے زیادہ ہے خواہ مخواہ لوگوں نے ہوائی ہوائی لگا رکھا ہے۔

رائل ہوٹل جس میں ہم فروش ہوئے یہاں کا ممتاز ترین ہوٹل ہے ہمیں بتایا گیا کہ صد جانس بھی یہاں آتے ہیں تو اسی ہوٹل میں قیام فرماتے ہیں عین ساحل واقع ہے عقبی دروازہ اس کا بازار میں جا کھلتا ہے اور اس کے سامنے انٹر نیشنل مارکیٹ کا احاطہ ہے جو بجائے خود دیکھنے کی چیز ہے اس گاؤں نما پینٹھ میں کچھ دکانیں ہیں کچھ ریستوران اور چائے خانے، کچھ سبزہ گل بھی اس کی فضا عجیب رومانی ہے ٹیڑھے میڑھے سایہ دار راستے چھوٹی چھوٹی ندیاں ان پر لکڑی کی پلئیں درختوں کے اوپر بھی مچانوں پر کٹیائیں سی بنی ہوئی جن میں کوئی نہ کوئی دکان یا بار ہے یہ نقشہ یا تو قدیم ہوائی کا ہے یا پھر مسکسکیو کا نام بھی جگہوں کے عجب عجب ہیں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو ایک چھپر سا ہے یہ ایک ریستوران ہے پراسرار اور نیم تاریک سا جس کا نام ہے کرنل پلانیشن یعنی کرنیل صاحب کا باغ اس میں ناؤ نوش رقص و نغمہ ڈھول ڈھکا سبھی کچھ ہوتا ہے شام کا لکھانا ہم نے مدہم بتیوں کی لومیں اس بالاخانے میں کھایا جس کا نام آشیانہ مرغ ہے ہے



بھی گھونسے سے آسمان آپ کچھ بھی نہ کیجئے بس اس گاؤں کی گلیوں میں گھومتے رہئے اور گھومنے والوں کو دیکھتے رہئے کسے رابا کارے نباشد جسے جو کپڑا ملا اسے پہن ادھر آنکلا نہ ملا تو محض لنگوٹ میں گھوم رہا ہے یہاں پپی اور غیر پپی کی [پہچان دشوار ہے ادھر ندیا کے اوپر لکڑی کے پل کے پار غلبا کوئی تھیڑ ہے بس ایک صاحبہ عجیب سا جنگلوں کا سا جوڑا بنائے بیٹھی نظر آرہی ہے لباس کے نام سے فقط محرم آب رواں ہے کوئی بلانے کو نقارہ بھپیٹ رہا ہے چل اے عمر رفتہ کے خریدار چل۔۔۔۔۔ لیکن نہیں جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں ۔

### الوہا۔۔۔۔۔ یا مسافر۔۔۔۔۔ الوہا

ہمارے دوست میر نسیم محمود کہ اور باتوں کے علاوہ شاعر بھی ہیں آج کل ہونو لو لو میں ہیں ہم سے یہ نہ ہوا کہم ان کو پہلے سے آنے کی اطلاع کر دیتے پہنچ کر ڈھونڈنا شروع کیا جس سے بات کریں وہ کوئی آگے کا نمبر بتا دیتا تھا آخر مایوس ہو گئے لیکن اسی میلہ گھومنی یعنی انٹر نیشنل مارکیٹ کی ایک دکان میں جہاں مالائیں، مٹکے اور جاپان سے لے کر میکسیکو تک لے نوادر بکتے تھے ایک خاتون نے ہمیں دریافت کر لیا خود ہی فرمانے لگیں آپ کی مشکل ابن انشا سے ملتی جلتی ہے ہم نے کہا جی ہاں اس مشابہت کی وجہ بھی بتائی کہ ہم ہی ابن انشا ہیں لیجئے فوراً گھر کی سی بات پیدا ہو گئی یہ بی بی یہاں دامن کالج میں پڑھاتی تھیں آج کل اپنے میاں کے ساتھ یہاں میاں ان کے اکبر خاں وظیفے پر یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس اخلاق مجسم نے اپنے میاں کو ٹیلی فون کیا اور وہ فوراً گاڑی لے کر آگئے اور ہم ہو نو لو لو کی دوسری جگہوں میں گھومتے پھرے یہ یونیورسٹی ہے یہ پرل ہاربر ہے یہ المو آنا مارکیٹ ہے یہ جدید اور خوبصورت مارکیٹ دنیا بھر کا سب سے بڑا شاپنگ سنٹر ہے یہاں کی سیکٹروں خوبصورت اور دلاویز دکانوں سے آپ فلپائن کی مہا گنی کی چوپی مصنوعات لے لیجئے یا بمبئی کے منقش برنجی ظروف جاپان کی خشک مچھلیاں، آسٹریلیا کے منجمد خرگوش بھنے



ہوئے ریشم کے کیڑے پینگ کی مرغابی چڑیاں، کڑیوں کا اچار بھی خریدارو بتاؤ کیا خریدو گے باہر فوارے اور بچوں کے مطلب کے جھولے گھوڑے اور دوسرے کھیل لیکن ہمارے دل کا کنول تب کھلتا اگر اس ہدم دیرینہ میر نسیم محمود سے ملاقات ہو جاتی دے چند صحبت رہی آخر اکبر خاں نے ذمہ لیا میر صاحب کو خبر ہوئی لیکن افسوس ایسے وقت کہ ہم رخت سفر باندھ ہوئی اڈے پر جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے جی جی کی جی میں رہی بات نہ ہونے پائی۔

کیا رات کیا رات؟ کیا رات واللہ۔ رائل ہوئی ہوٹل کی دوسری منزل کی بالکونی سے ساحل نظر آرہا ہے۔۔۔ دھندلا دھندلا اور ویران احاطے جے درختوں میں سے ہوا سنسناتی گزر رہی ہے دو سمندر میں ایک چٹان سر اٹھائے کھڑی ہے اور اس چٹان پر یہ کیا ہے کوئی سمندر ی بلا ہے ہوگی۔۔۔ موجوں کے تھپڑوں کے آہنگ پر دھیمے دھیمے گنگنانے کو جی چاہتا ہے۔۔۔۔

تو اگر واپس نہ آتی بحر وحشت ناک سے

حشر کے دن تک دھواں اٹھتا بطون خاک سے

اور یہ کہاں کا شعر کہاں یاد آیا۔

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا

گا بالڈ چوں صنوبر گاہ نالڈچوں رباب

انہی ساحلوں پر ایسی ہی کسی رات کو مشہور مہم باز کپتان کلک آج سے دو برس پہلے آن کر اترا تو مقامی لوگوں نے اسے لو نو دیوتا سمجھ کر عقیدت کے ہار پہنائے لیکن پھر وہ یہیں انہی لوگوں کے ہاتھوں ایک جھڑپ میں مازا گیا اور ان ساحلوں پر فقط اپنا مجسمہ چھوڑ گیا کہیں یہ سراپا اور یہ آواز اسی کی تو نہیں یا پہلے بادشاہ کامی ہاکی ہوگی جس نے اس دھرتی کو ردسیوں اور ہسپانویوں کی تر کتاں سے تو بچایا لیکن امریکی مشزیوں اور ان کے پیچھے پیچھے آنے والے بحری بیڑے سے نہ بچا سکا چاند اس وقت ناریل کے اونچے درختوں

کے ایک جھنڈ میں پھنسا ہوا ہے رات آدھی گئی ہوگی نیند آتی ہے پر نہیں آتی کل ہم اس دریا سے ہزاروں میل دور مشرق میں تھے کل پھر ہزاروں میل دور مغرب میں ہوں گے جانے کیسے کیسے ہم سے پہلے اس کہنہ بالکونی میں بیٹھے کیا کیا یاد کر کے مسافر ہو گئے ہوں گے کتنی محبتیں ہمارے اس حجرے میں پروان چڑھی ہوں گی اور پھر فنا ہو گئی ہوں گی وقت ایک دن کو ہمارے لئے تھم گیا ہے لیکن نہیں یہ ایک دھوکا ہے حساب کا گورھ دھندا ہے اور بس وہ گزرے ہوئے سال جن میں ہر جگہ ہوائی طرح ضحسین نظر آتی تھی اب ہوائے ہوئے ان آنے والے سالوں کا خیال آتا ہے جن میں یہ پر افسوں جزیرے بھی سرور رفتہ اور گزرا ہوا چونچال پن واپس نہ لاسکیں گے لیکن آج کی رایت وہ کیا نظم تھی ۔

لوٹ کے نہ آؤ گے

موجہ صبا ہو تم

سب کو بھول جاؤ گے

سخت بے وفا ہو تم

دشمنوں نے جتلیا

دوستوں نے سمجھایا

----- پھر تمہارا خط آیا

ساتویں سمندر کے

ساحلوں سے کیوں تم نے

پھر مجھے صدا دی ہے

دعوت وفا دی ہے

تیرے عشق میں جانی

پپ

اور ہم نے کیا پایا  
درد کی دوا پائی  
درد لا دوا پایا

----- کیوں تمہارا خط آیا

لیکن یہ تو بیٹے دنوں کی بھولی ب سری باتیں ہیں اے مسافر اب نیند کی چادر اوڑھ کہ نیا سفر سر پر ہے  
الوہا - یا مسافر - الوہا

الوہا جزائرِ ہوائی کا کلمہ کھل موسم سم سم ہے اس میں اسلام اور الہا سہلا کے معنی بھی آتے ہیں شادباش  
شادزی کے بھی اتر نہ جانے کیا کیا اس رعایت سے ہمارے ایک دوست نے کہ ہوائی میں رہے ہیں لاہور  
میں اپنا گھر بنایا تو اسے الوہا کاٹیج کا نام دیا یہاں ہم تو رفتہ کو آواز نہ دے سکے ہاں وقت ایک دن کو ضرور  
ہماری خاطر سے ٹھہر گیا تھا گرش ایام پیچھے کی طرف لوٹ چکی تھی ہم ۲۹ کی سچ سیول یعنی کوریا سے  
چلے تھے وہ شام دوبارہ ٹوکیو میں گزار شام کے آٹھ بجے جہاز میں بیٹھے راستے میں شب بھر سوتے آئے  
صبح دم ہو نو لو لو میں اترے تو معلوم ہوا ابھی ۲۹ تاریخ ہے وہ بین الاقوامی خط جس پر تاریخ بدلتی ہے ہم  
نے جاپان اور ہوائی کے راستے میں عبور کیا تھا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک دن اور ایک تاریخ  
کو ایک ہی وقت مثلاً صبح کے دس بجے کوریا میں بھی ہو اور اسی دن اسی تاریخ کو اسی وقت پانچ ہزار میل  
دور ایک دوسرے شہر میں بھی ہمارے ساتھ یہی معاملہ تھا ہم نے پیر ایام کے ہاتھ سے ایک دن چھین لیا تھا  
اب ہم پیر ایام کے ہاتھ سے ایک سن چھین لیا تھا اب ہم دنیا کے دوسری طرف تھے پاتال دیش میں پاؤں زمین  
پر لٹکائے چھپکلی کی طرح چل رہے تھے یہ اس دیش کا باب داخلہ تھا جہاں کے لوگوں کو ہر چیز الٹی نظر آتی  
ہے اخلاق میں بھی تھوڑی تخفیف یہیں سے شروع ہوگئی اب تک ہر جگہ روموں پر جنٹلمین یعنی شرفا اور

لیڈیز خواتین کے برڈ نظر آتے رہے تھے ہو نو لو لو لو لو gentlemen

کی جگہ مین ہو گیا اور ladies کی جگہ women یہ ایک اشارہ تھا کہ اے کولمبس تو نئی دنیا میں داخل ہونے والا ہے سونے کے پھڑے پوجنے والے کانہوں کی اقلیم میں اپنے بقدر ایمان سے خبردار اپنی جیب پاکٹ سے ہوشیار ۔

## ہم نے امریکہ کو امریکہ نے ہمیں دریافت کرنا شروع کیا

سان فرانسسکو صاحبان ۔ سان فرانسسکو ۔ با ادب بلا ملا خط ہوشیار یوں تو ہوائی بھی امریکہ تھا لیکن اصلی وڈاٹے باتصور امریکہ آج سے شروع ہو رہا ہے یہ اس اقلیم زریں نہاد کا مغربی دروازہ ہے اور دنیا کے خوبصورت ترین شہتروں میں گنا جاتا ہے ایک تو اس لئے کہ اس کی کھاڑی خوبصورت ہے دوسرے اس لئے کہ پہاڑیوں پر واقع ہے سڑکیں اور گلیاں چڑھتی ہیں تو چڑھتی ہی چلی جاتی ہیں اترتی ہیں تو اترتی چلی جاتی ہیں تیسرے یہ کہ امریکہ میں واقع ہے بھلا ترین چیزوں کا ذکر ہو اور اس میں ان کا آنا ضرور ۔۔۔ حتیٰ کہ بدترین میں بھی یہ ریاست کیلیفورنا کا صدر مقام بھی ہے یہاں کا چائنا ٹاؤن اس لئے مشہور ہے کہ اس میں اتنے چینی آباد ہیں کہ چین سے باہر کسی شہر میں نہ ملیں گے مشہور شاعر دین لی تو جسے کا متانگ والوں نے بعد بعد میں گولی مار دی تھی یہاں رہا ہے اور یہیں اس نے اپنی مشہور نظم دھوبی کا گیت لکھی وہ یوں کہ

کا گیت لکھی وہ یوں کہ چینی لوگ امریکہ میں اکثر دھوبی کا اکروبار کرتے ہیں جیسے ہمارے ہاں موچی یا دندان ساز کا اس کا اثر یہ ہوا کہ چین سے کوئی شاعر یا پروفیسر بھی جائے تو اسے تحقیر سے دھوبی کہہ کر بلاتے دین لی تو نہایت آزر دگی سے کہتا ہے کہ ہاں میں دھوبی ہوں میں صرف تمہارے تر دامنبوں کو تمہارے پیراہنوں اور لباسوں ہی کو نہیں تمہاری روح کو بھی دھوسکتا ہوں یہ آلودہ روح زیادہ محتاج ہے دھلائی کی یہ بہ نسبت تمہارے کپڑوں کے لاؤ مجھے اپنے کپڑے دو ۔ اپنی روح دو ۔ چھو چھو ۔

یہ ہلٹن ہوٹل بھی ترین شامل ہے وسیع ترین اقامت گاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے ایک ہزار کمرے اس وقت ہیں چند دنوں بعد پندرہ سو ہو جائیں گے ہر طرف دبر دبڑ ہو رہی ہے کوئی ہزار لڑکے کسی کنونشن شریک ہونے کے لئے آگئے ہیں تمام کاریڈروں میں دوڑتے پھر رہے ہیں یعنی آج شب بھی سو چکے ہم ہمارے ساتھی تو یہاں آتے ہی اپنے کمروں میں مقید ہو گئے حالانکہ ساڑھے آٹھ نو بجے ہی تھے لیکن ہماری طبیعت کو ہمیشہ سے یہ وحشت ہے کہ کیسا ہی عالم اور کیسا ہی موسم ہو نئے شہر میں پہنچتے ہی ایک چکر آس پاس کی گلیوں کا ضرور لگاتے ہیں پس دوسروں کو سوتا اونگھتا ٹیلی ویژن دیکھتا چھوڑ ہم نے کوٹ کاندھون پر ڈالا دربان سے پوچھا کہ مارکیٹ اسٹریٹ کدھر ہے کیونکہ فقط اسی کا نام جانتے تھے اور یہ بھی کہ سان فرائیسکو کی کھاڑی کی طرف جاتی ہے اور پھرتیز قدم مارتے رات کے دھندلے اور سودی میں نکل گئے ۔

یہ علاقہ ہوٹلوں اور کلبوں اور تھیٹروں کا علاقہ معلوم ہوتا ہے پہلی چیز جو ہوٹل سے نکلتے ملی و topless go girls کا ٹھکانا تھا اندر ہم نہیں گئے جانے کا اتفاق ہوگا تو آپ کو بتا دیں گے ہاں بطور نمونہ جو تصویریں لگی تھیں انھیں ضرور نظر بھر کے دیکھا رات کے گیارا پونے گیارہ بجے کا عالم تھا سڑکوں پر صرف اکا دکا راگیر ملتے ہیں اور جو ملتے ہیں ان سے بچ کے چلنا چاہیے ان میں جان کے دشمن ایمان کے دشمن سبھی طرح کے لوگ ہیں یوں اکیلے ایسے ہی باہر نکلتا دانشمند نہیں لیکن ہم سے اور کتنے کام دانشمند کے سرزد ہوتے ہیں خیر اس کلب سے تھوڑا آگے ایک غول لڑکے لڑکیوں کا کھڑا تھا جو ہر طرح کے گفنی اور نا گفنی اشغال میں مصروف تھے یہاں سے ہم بائیں ہاتھ مارکیٹ اسٹریٹ پر مڑ گئے یہ بھی اس وقت ویران تھی اور آج کل مرمت کے لئے بند بھی ہے بہر حال دونو طرف کی سپر دیکھتے۔ بوڑر پڑھتے۔ لوگوں کو شیشوں کے خم لندھاتے دیکھتے خاصی دور نکل گئے ایک جگہ سے اخبار خریدا اور لٹے پاؤں دوسری سمت نکل گئے۔ ادھر زیادہ ، زیادہ سینما۔ زیادہ تھیٹر۔ زیادہ کھانے کے اڈے اور GO go لڑکیوں کی تماشا گاہیں تھیں ، ایک جگہ ایک نوجوان آگے بڑھا اور بولا کیا آپ مجھے دس سینٹ عطا فرما سکتے ہیں ، ہم نے سنی ان سنی کردی آگے پیوں کے غول تھے ۔ یہ خانہ

خراب ہیاں بھی بھرے ہوئے ہیں یا پھر کالے اور گورے۔ کالے زیادہ اور کم اور تما شا گائیں، گوگواو رٹاپ لیس گرلز ، جانے ہم کہاں تک گئے ہونگے اور آگے کہاں تک جاتے، لیکن ویرانی نے راستہ روک دیا اور سلامتی کا خیال اپنی جگہ ، بالخصوص اس لئے کہ ہم ٹیلی ویزن پر ایک عجیب ہولناک سی فلم دیکھتے اٹھ کر گئے تھے JOURNEY AN THE UN اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے ہیں ، اور سارا عالم سوتا ہے ، چاند نجانے کس تانخ کا ہے اداسی سی بکھرتا ہوا چمک رہا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلیویزن والوں نے بھی خدا حافظ کہہ کر پروگرام تہہ کر دیئے۔ اچھا تو ہم اخبار پڑھیں گے ابھی ہم سان فرانسکو کرائسکل آخری ایڈیشن لے کر آئے تھے ، پس اے صاحبان گڈنائٹ۔ آپ کے ہاں تو ابھی دن کے دس گیارہ بجے ہونگے۔ یعنی وہ وقت جب مرم بہ کاروبار روند اور بلا کشا محبت بہ کوئے یار روند۔ ہم اس دنیا کی الٹی طرف ہیں ہم اٹے ، بات الٹی ، یار الٹا۔ اب سمجھ میں آیا کہ ہماری اور امریکہ والوں کی سمجھ میں فرق کیوں ہے، کیوں ان کو ہر معاملے میں الٹی سوچتی ہے ، دن کو رات اور رات کو دن کہتے ہیں ، وہ کرہ ارض کے دوسری طرف جو واقع ہوئے ، اور ان لوگوں کی کھوپڑی جوالٹی ہوئی۔ یہ کیا ہے۔ چابی کا تازہ شمارہ ہے زرا دیکھے تو اس میں سان فرانسکو کی اس ہفتے کی دلچسپوں کا احوال ہے اور اشتہار بھی

are you a gentleman alone/

بیشک ہیں تو سہی۔ یہ ایک عنوان ہے ، ایک حسینہ کی تصویر بھی ہے ، ہاں تو کیا کہتی ہیں۔

anvate a delightful companion phone no 775,5900

یعنی بس فون کر دیجئے اور اپنی تنہائی سے سبکدوش ہو جائے۔ المٹشہرین ہیں،

glamorous escorts .-- amrican ,

europoon orintle gills



لکھا ہے کہ یہی انتظام تنہائی دور کرنے کا ، نیویارک اور لاس انجلس میں بھی ہے قارئین کا لائقہ سے یاد فرمائیں۔۔۔

(۲)

گنگی کلب ۶۵۵ براڈوے میں تشریف لائے ،، ۶ بجے شام سے دو بجے رات تک اور عریاں حسیناؤں کی سرتاج مس میریلین کو سرتاپا لباس برہنگی میں جلوہ نما دیکھئے

(۳)

پرویز کلب نائٹ ۲۴۵ براڈوے ایٹ کولمبس،، یہ آپ کا اپنا نائٹ کلب ہے ، کالج کی ننگی لڑکیوں کو پیش کر ہے ، لڑکیاں لڑکیاں جو ملک کے مختلف کالجوں سے منتخب کی گئی ہیں ،، بلکل مادرزاد حالت میں کپڑے کی کسی دھجی کے بغیر فون ۶۲۷۷۷۷۳۶۲

تو گویا ہم نے امیکہ دریافت کر لیا ۔ کچھ لوگ اس باب میں کولمبس نامی کسی شخص کا نام بھی لیتے ہیں خیر وہ بھی ہوگا ۔ تو ہم دونوں کو کریڈٹ دے لیجئے۔ کہ فرق صرف تھوڑا آگے پیچھے یعنی زمانے کا ہے۔ کولمبس کے کے ساتھ کو جانے کیا گزری ہوگی ۔ لیکن اس چکا چونڈ کو دیکھ کر ہم چکنم میں پڑ گئے ہیں۔ یہ ساقی نجلوہ دشمن ایمان آگئی اور یہ مطرب بے نغمہ رہزن و ہوش اوریہ گوگو معاملے ۔ لوگوں یہ ہم امریکہ کو دریافت کر رہے ہیں ۔ یا امریکہ ہمیں دریافت کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔۔ خدا خیر کرے

## ہاں عشرتوں کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستوں

تھینکس گیونگ ڈے یا یوم شکرانہ ، ایک طرح سے امریکہ کی عید ہے ، ہم عین اس عید کے روز سان فرانسسکو پہنچے تھے ۔ جہاز میں بھی ٹرکی کھائی ، آپ بطح سمجھ لیجئے کہ اس روز کا خالص کھانا ہے ۔ جس طرح ہم چھوٹی عید پر سویاں

کھاتے ہیں، شام کو بازار میں بھی ٹرکی ملی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا عمر بھر کے لئے ٹرکی سے جی بھر گیا۔ ان دنوں ہر شخص تفریح کیلئے گھر سے نکل جاتا ہے، صرف سان فرانسسکو میں اس روزاکیس آدمی میں مرے، سارے امریکہ میں سینکڑوں ہزاروں مرے ہوئے۔ اسی روز ریڈیو کی خبروں کے مطابق اتنے قتل ہوئے اتنے ڈاکے پڑے اور اغوا اور بد معاشی کے ہوئے کہ پاکستان میں سال بھر میں ہوئے ہونگے، امریکہ ایسا ملک ہے کہ یہاں ہر چیز دنیا میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس شام تو ہم آدھی رات تک کے بعد تک تنہا گھومتے پھرے، دوسری دن خیر خواہوں نے ہمیں منع کر دیا دیکھنے کی چیزیں دکھانے والا کوئی دوست نہ تھا۔ ہم تینوں پاکستانیوں نے پانچ پانچ ڈالر میں گرے لائن بس میں ایک چکر شہر کا اوج نواح کا کر لیا۔ تین پھرے تو گولڈن گیٹ برج ہی ہونگے جو دنیا کے طویل ترین پلوں میں سمجھا جاتا ہے۔ صرف پل کی لمبائی پون میل سے زیادہ ہوگی، تصویر تو دیکھی تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یوں دو منزلہ ہے نیچے ایک طرف کو سواریاں جاتی ہیں۔ اور طرف سے آتی ہیں۔ ایک پرانا گرجا مشن ڈولور بھی دکھاتے ہیں جو ۱۷۷۶ء میں بنا تھا۔ یہاں کے لحاظ سے پرانی عمارت ہے۔ اور میں قطعی کوئی خاص بات نہیں، لیکن امریکہ کی ساری آبادی ہی نئی ہے، یہاں انگلستان، اسپین، فرانس جرمنی وغیرہ کے سے آثار قدیمہ تلاش نہ کیجئے گولڈن گیٹ پارک مصبوعی ہے لیکن بہت ہرا بھرا اور پھیلا ہوا جس میں ایک پارٹی گارڈن بھی ہے اس میں جاپانی طرز کے درخت لگے ہیں اور چند محرابیں بھی جن لوگوں نے چین اور جاپان نہیں دیکھے وہ یہاں آکر مشرق کی فضا میں زور زور کے سانس لیتے ہیں اور تحفوں کی دکان سے جاپان کی، مصنوعات خرید لے جاتے ہیں کلف ہاؤس سیل راک اور کئی دوسرے مقامات دیکھتا ہوا ہمارا قافلہ مجھروں کے گھاٹ پر پہنچا مجھروں کا گھاٹ یعنی فشر منیر وہارف بھی یہاں کی خاص جگہ ہے جا بجا ریستوران ہیں جو تازہ مچھلی اور کیڑے بھون کر کھلاتے ہیں ان چیزوں سے تو ہمیں رغبت نہ ہوتی لیکن عین اس ہجوم میں دو میوزیم ہیں ان میں سے ایک ہم ضرور دیکھنا چاہتے تھے رپلے کی کتابیں آپ نے پڑھی ہیں یہ شخص یہاں کا متوطن تھا اور جرنلسٹ تھا صحیح معنوں میں آوارہ گرد تھا دیس دیس گھومتا پھرا اور عجائبات جمع کرتا رہا اس نے کل ملا کر ۱۹۸ ملکوں کی سیاحت کی ہندوستان بھی آیا تھا اور لاہور بھی اس کا سلسلہ عجائبات رسالوں اور کتابوں میں کے نام سے چھپتا رہا اب تو آپ

بھی پہچان گئے ہوں گے اس کے انتقال کے بعد اس کے جمع کردہ نوادر کے میوزیم بنا دیئے گئے جن میں سب سے اچھا اور بڑا یہ سان فرانیسکو کا میوزیم ہے ٹکٹ ظالموں نے پونے دو ڈالر رکھا ہے اس لئے زیادہ لوگ نہیں دیکھ سکتے شروع میں تو بیچارا محض کارٹوسٹ تھا لیکن اس کا سلسلہ نائنے نہ مانئے مقبول ہوا تو سینکڑوں اخباروں میں چھپنے لگا اور پھر اسے درجنوں سیکریٹری اور اسٹنٹ رکھنے پڑے جو معلومات جمع کرتے تھے اور رپے کے نام سے چھپا کرتی تھیں۔

ہمارے ہاں ٹیلی ویژن پر عین پروگرام کے بیچ میں جو اشتہار دیئے جاتے ہیں ان پر ہمیشہ ہماری طبیعت خراب ہوتی ہے یہ کیا شرافت ہے کہ فلم ہو رہی ہے دیکھنے والے دم سارھے دیکھ رہے ہیں اور بیچ میں لوگ تیل بیچتے لگتے ہیں اس بات کا خیال کئے بغیر کہ ہمارے پاس نہ ٹرک ہے نہ ٹریکٹر لیکن یہ نسخہ یہاں سے لیا گیا ہے یہاں ہمارے کمرے میں ٹیلی ویژن ہے اور اس پر ہم قریب قریب ہر روز فلمیں دیکھتے ہیں اس وقت بھی کہ رات کے ڈھائی بجے ہیں horizon west ہو رہی ہے اس سے پہلے seven years atch دیکھیں جو بجے ختم ہوئی تھی فلم تو بہت اچھی تھی لیکن اس کے بیچ میں اشتہارات بہت دیکھنے پڑے عین اس وقت بھی ایک گنجا چرب زبان دلال سیکنڈ ہینڈ موٹر بیچ رہا ہے ان میں بعض ۱۹۶۹ء کے ماڈل بھی ہیں ۱۹۶۸ء تو ردی کے بھاؤ مل جائے گا تیس پینتیس ڈالر نقد باقی اتنے ہی کی قسطیں اور زیادہ پرانی ہو جائے تو لوگ چپکے سے اسے کوڑے کے ڈھیر پر چھوڑ آتے ہیں ایک ہم ہیں کہ شس زبیری صاحب ۱۹۲۹ء کی فورڈ میں ہمیں حقارت سے پیدل چلتے دیکھتے گزر جاتے ہیں ہاں تو یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ ہم یہ کاریں گھاٹا کھا کر بیچ رہے ہیں کیونکہ ہم اپنی موجودہ جگہ کو چھوڑ کر شہر ہی میں دوسری جگہ جا رہے ہیں اس جھوٹے سے پوچھا جائے کہ کاریں کوئی کھڑکیاں دروازے نہیں نہ الماریاں ہیں جہاں جا رہے ہو انھیں بھی لے جاؤ گھاٹا کیوں کھاؤ خلق خدا کا فائدہ ہی کیوں ایک میرا ہی بھلا ہو مجھے منظور نہیں ایک اشتہار سن ہم الیکٹرک ٹوتھ برش کا تھا جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ دوسرے ٹوتھ برش کے مقابلے میں دانت

۴۲ فیصدی زیادہ صاف کرتا ہے چالیس یا پچاس فہڈ نہیں تا کہ آپ اسے محض اندازہ نہ سمجھیں بلکہ ۴۲ فیصدی ایک کلی کرنے کے محلول کا اشتہار بھی تھا اس سے کلی کرنے سے منہ سے خوشبودار ہو جاتا ہے کہ محبوب قدموں میں آن گرتا ہے یعنی یہاں کے رواج کے مطابق لب بہ لب ایک تو کتوں کی خوراک کے بارے میں تھا دوسرے پروگراموں میں تو ٹھیک یہاں خبروں کے بچوں بھی اشتہار دیئے جاتے ہیں ابھی اس ہفتے یہاں کا ایک حادثہ ہو گیا ہے نیوز ریڈر اعلان کر رہا تھا کہ ستر آدمی بلے میں دب گئے ہیں اور تازہ اطلاع کے مطابق یہاں کٹ اور اشتہار شروع کہ آپ ہی پر گریں گے۔۔۔۔۔ نیز ریڈر پھر نمودار ہو کر خبر مکمل کرتا ہے کہ خیال کیا جاتا ہے وہ سب کے سب مر گئے ہیں لہذا تلاش ختم کی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ آج یہاں کی زندگی کے دو تجربے اور ہوئے باری صاحب کو اپنے بچے کے پراجیکٹر کے لئے ۸ ملی میٹر کی فلمیں چاہیئے تھیں یہاں آس پاس کئی دکانیں ہیں جن کے باہر آرٹ فلمز لکھا تھا دکاندار نے فوراً ایک نکال کر دکھائی خالص عریاں عریاں بھی ایسی کہ۔۔۔۔۔ باری صاحب نے کہا نہیں نہیں دوسری نکال لایا جس میں صرف عورتیں ہی ننگی نہ تھیں بلکہ مرد بھی اور اس فلم میں ظاہر ہے وہ خالی دھوپ نہیں تاپ رہے تھے باری صاحب بولے بابا عریاں اور جنسی تصویریں نہیں چاہیئیں ایسی فلمیں کہ گھر میں سبھی دیکھ سکیں بچے بھی عورتیں بھی دکاندار ہنسا اور بولا اچھا وہ بچوں والی جس میں مناظر ہوتے ہیں ہوائی جہاز وغیرہ ہوتے ہیں وہ یہاں نہیں ملتیں ہم نے ارد گرد نظر دوڑائی آوے کا آواہی بگڑا ہوا تھا ایسی ہی دیدہ زیب تصویریں رسالے اور کتابیں ہر طرف بھرے تھے اور اس قسم کی دکانوں سے یہ سارا علاقہ پٹا پڑا ہے۔۔۔۔۔ صبح ہمیں خط پوسٹ کرنے کے لئے ٹکٹ چاہیئیں تھے ہوٹل کے کونٹر پر پوچھا تو انھوں نے کہا وہ مشین دھری ہے اس میں سکے ڈالو نکال لو پچیس سنٹ کا سکہ ڈالا مشین نے دس دس سنٹ کے دو ٹکٹ دے دیئے ہم نے سوچا باقی پانچ واپس کرے گی لیکن نہیں پھر دوسرے خانے میں پچیس سنٹ ڈالے تو چھ چھ سنٹ کے تین دے کر چپ ہو گئی ہم نے ہوٹل کاؤنٹر پر شکایت کی کہ مشین خراب ہے وہ شخص مسکرایا بولا

خراب نہیں ہے یہاں یہی دستور ہے یہ خدمت خلق کے لئے نہیں ہے پیسے بنانے کے لئے رکھی گئی ہے ہمیں اپنا کالم پوسٹ کرنے پر پچھتر سنٹ کے ٹکٹ لگانے تھے اس چکر میں پورا ایک ڈالر لگا وقت پیسہ ہے سنتے تو تھے یہاں اس قدر معلوم ہوئی دکاندار سے آپ کوئی چیز نہ خریدیں تو راستہ تک نہیں بتائے گا فیروز سنز کے ڈاکٹر وحید نے ایک بار بتایا کہ ایک شخص سے میری بڑی اچھی خطو کتابت تھی اس نے مجھے ایک روز کھانا کھلایا پھر میں خالی ہوتا تو اس کے دفتر میں جا کر بیٹھنے لگا ایک دو خط بھی اس کی سیکرٹری سے ٹاپ کر لئے ایک روز اس نے مجھے خاصی رقم کا بل دے کہ آپ کہ روزانہ یہاں آنے اور مجھ سے باتیں کرنے سے میرے کاروبار میں اتنی رقم کا نقصان ہوا ہے براہ کرم ادا کیجئے باقی رہی دوستی وہ اپنی جگہ ہے اور کھانا جو میں نے کھلایا تھا وہ کاروبار کا حصہ ہے۔

## قصہ بریگیڈ صاحب کی جادو شراب کا

جادو شراب -- نے ایک لطیف خوش رنگ جاں بخش مشروب جس میں مشرق کے تصوف دو روحانیت کی خوشبو لمبی ہوتی ہے کہا جاتا ہے اس کا نسخہ سکندر اعظم کے زمانے قریباً ۱۹۰ ق م سے سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے روایت کہتی ہے کہ یہ نسخہ اعظم نے ایک ہندوستانی راجہ کو عطا کیا تھا جس نے دریائے سندھ کے بھڑے ہوئے پانیوں سے نکال کر اسے نئی زندگی بخشی تھی یہ نسخہ اس راجہ کے خاندان میں کوئی بائیس سو برس رہا وہیں سے یہ آپ کے میزبان خاکسار بریگیڈ یئر انگل کے ہاتھ آیا ان غیر معمولی اور خفیہ خدمات کے صلے میں جو ہندوستان کی تقسیم کے وقت اس نے سر انجام دیں یہ لازوال نعمت کہ اب تک کسی خزانے کے، مول بھی دستیاب نہ تھی اور پینے والے کے حسن اور طاقت میں ترقی کی ضامن ہے جو اب آپ کی خدمت میں پیش ہے ۷۵ سینٹ فی گلاس۔



ہم نے بریگیڈیئر صاحب سے یہ نسخہ کیمیا کا اشتہار لیا اور تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا آپ کی عنایت لیکن ہم تو خود مشرقی تصوف اور روحانیت کے نیل کے ماٹ میں سے نکل کر آئے اور پوری طرح وجودی اور شہودی رنگوں میں رنگے ہوئے ہیں اور پھر ہمارے شہر میں طاقت کی ترقی کے لئے اکسیری دواخانے بہت بلکہ سبزے کی طرح روئے آب پرکائی بن کر جم گئے ہیں یعنی ہوٹلوں میں جب جگہ نہ ملی تو فٹ پاتھوں کو گھر لیا ہے اب رہی حسن کی ترقی سواس کی ہم اس کی میں گنجائش نہیں ہے ہوتی تو کراچی والوں کی گورا کرنے کی کریمیں استعمال کر چکے ہوتے آپ تو بس ہمیں دال روٹی کھلوائیے اور ٹھنڈا پانی پلوایے ۔

بریگیڈیئر انگل مشہور ہستی ہے انگریز ہیں، ماری فوج میں ہوتے تھے ہمارے اعلیٰ فوجی افسروں میں سے اکثر ان کی یاد اللہ ہے کا کول اکیڈمی کے کمانڈنٹ رہے ہیں آج کل سان فرانسسکو میں ایک ریستوران چلاتے اور ساتھ جادو شراب بھی بیچتے ہیں بہت خوش خلق توانا اور تندرست ہیں اپنی جادو شراب کا چلتا پھرتا اشتہار اپنے ریستوران کا نام انھوں نے دی بنگال لائبر رکھا ہے اور اندر باہر بنگال لائبر کے پرچم بھی لہرا رکھے ہیں نیم تاریک ریستوران کے موم بتیوں کے اجالے میں دیواروں پر جابجا تصویریں لگی ہیں ان کی فوجی خدمات کے دنوں کی ایک دو ہندوستانی خدمت گار بھی راجھستانی گپڑیاں باندھے یس سرلیں سر کرتے پھر رہے تھے یہاں

ہمیں پاکستانی تو نصل جنرل انرو صاحب ازراہ مسافر نوازی کھانا کھلانے لے گئے تھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کھانا اچھا خاصا تھا یہی قورمہ پلاؤ وغیرہ بریگیڈیئر صاحب بھی تھوڑی دیر کو ہمارے پاس آ کر بیٹھے ہم تین آدمی تھے بیگم و حبیبہ ہاشمی اپوا کی کارکن مشرق پاکستان کے وزیر صحت سماجی امور اور لیبر بریگیڈیئر صاحب سے کہا آپ براہ کرم مہمانوں کے رجسٹر میں دستخط ثبت فرما دیجئے ساری عمر میرے لئے یہ سرمایہ افتخار رہے گا ہم بریگیڈیئر صاحب سے پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ خفہ اور قابل قدر خدمات کیا تھیں جن کیسے میں اس راجا کے خاندان نے ۲۲ سو سال پرانا نسخہ نکال کر ان کے قدموں میں ڈال دیا لیکن اتنے میں انھیں کوئی اور وی آئی پی غالباً کسی اور ملک کا وزیر صحت سماجی بہبود لیبر دروازے میں داخل ہوتا نظر آ گیا اور وہ ہمیں چھوڑ اپنی خیر سگالی کا پاندان اٹھا دروازے پر پہنچ گئے



سان فرانسسکو میں ایک طرح کا سحر اور جاذبیت واقعی ہے اس کے کوچے نیارے اور اس کے خوباں پیارے ہیں لیکن مسافر کوچ کے گھڑیاں سے کیسے کان بند کرے پھر کب کون ان گلیوں میں آئے براڈموے گھومے ساحل کی گشت کرے یہ شہر ہے جہاں کے اقوام متحدہ نے جنم لیا اور جنم لے کر دوسرے ساحل پر نیو پارک میں گھر جا بنایا اس سے کچھ دور لائن انجیلز ہے لیکن ہمیں ادھر جانے کا اذن نہیں اس کے پاس ہالی ووڈ ہے کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرو سکندرا ڈرنی لینڈ بھی کہیں انہی نواح میں ہے کچھ نہیں دیکھا کچھ بھی تو نہیں دیکھا خیر جاتے جاتے ایک چکر کوچہ پر پچ rooked lanwc کا اور ایک آخری سیرچھروں کے گھاٹ کی ایک ڈبکی اور رپلے کے بحر عجائبات میں جس کا ذکر ہم نے اس روز کیا تھا میوزیم ابھی کھلا ہے کوئی یہ تو نہ کہے کہ اس مخزن اسرار کو خود دیکھ لیا ہمیں نہیں دیکھایا

اے صاحبو چیزیں تو ڈھیروں ہیں اور اقبال یقین داستانیں بھی جو رپلے نے جمع کی تھیں بے شمار ان میں سے ایک سنو کہ عجیب ہے والٹر انگرم ( ۱۸۵۵-۱۸۸۸ء ) اسٹینڈ لڈن نیوز کا پبلیشر مشہور آدمی تھا ۱۸۸۴ء میں لارڈ ولز جو مہم لے کر خرطوم گیا اس میں یہ بھی تھا پورٹ سعید میں اسے ایک عرب گدا گر ملا جس سے اس نے ایک قدیم مصری شیزادی کا می شدہ ہاتھ خریدا اس ہاتھ کی انگشت میں ایک انگوٹھی بھی تھی اور کلائی کے ارد گرد ایک بازو بند جس پر ہیرو خلائی حروف میں یہ بد دعا رقم تھی ۔

جو شخص اس لاش کو چھیڑنے کی جرات کرے گا اور اس کی ہڈیاں کسی دور دیس لے جائے گا اس پر تین لعنتیں تین تباہیاں نازل ہوں گی ۔ آک ۔ سیلاب ۔ اور گشت و خون ۔ آخر میں وہ اذیت ناک موت مرے گا اس کی ہڈیاں کہیں نہ ملیں گی اور وہ ہوا کی طرح چار کوٹ میں بکھر جائیں گی ۔

چند ہفتے کے اندر ہی انگرم کا گھر سیلاب میں تباہ ہو گیا اس نے پھر تعمیر کیا تو سال بھر بعد آگ نے اسے پیوند زمین کر دیا اس کے تیسرے گھر میں اس کے ایک جگری دوست کا قتل ہوا اس کی پشت میں قاتل کا چاقو ترازو پایا گیا اس کا اپنا انجام یہ ہوا کہ افریقہ میں شکار کھیلتے ہوئے ایک خونی ہاتھی نے اسے آلیا اور

اس کی ہڈیوں کو سرمہ کر دیا داستان یہاں آویزاں ہے اور اس بازو کا ایک مٹھی مرثی میوزیم میں آخر فنا آخر فنا نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال لیکن یہاں ایک ایسی چھلنی بھی دیکھی جس میں سے پانی نہیں گرتا ایک دھات دیکھی ایسی نرم کہ ابلے پانی میں پگھل جائے ایک لوہا دیکھا کہ پانی پر تیرتا ہے آپ نے جل پری یعنی میمڈ کا ذکر کتابوں میں پڑھا ہوگا یہاں ایک نمونہ رکھی ہے اوپر کا دھڑ انسان نما بلکہ بندرمانچے مچھلی لکھا ہے کہ ایک بحری نے اسے ۱۸۱۷ء میں کلکتہ میں خریدا تھا لیکن پر رکھنے والوں نے حکم دیا کہ جزائر کی یہ آبی مخلوق محض ڈھکو سلا ہے کسی شاطر نے کسی بندر کا دھڑ کے کر مچھلی کے پائیں سے اس طور جوڑا تھا کہ ٹانگے نہ نظر آتے تھے آگے چلے تو چارلس ورتھ کاموی پیکر کھڑا نظر آئے گا جس کے چار سال کی عمر میں داڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں پانچ سال کی عمر میں چہرے پر جھریاں پڑ گئیں اور چھٹے سال میں اس کی آواز اور چال ڈھال میں بڑھاپے کی لرزش نمایاں ہو گئی سات سال کی عمر میں یہ جواں پیر مرد سال خوردگی کے ضعف سے دوسری دنیا کو سدھار گیا اس پر لیبیل ہے وہ طفیل خورد سال جو بڑھاپے کی موت مرا۔

عقوبت و اذیت کے آلات اور دوسرے قابل یقین عجائب کے پاس سے گزرتے ہوئے جو رپلے صاحب نے ۱۹۸ ملکوں کی سیاحت میں جمع کئے تھے آپ بابا سنگل والا کی شبیہ کے پاس جا کر رکتے ہیں گائیڈ بک کی عبارت کے مطابق ان کا نام نامی صاحب اللہ شاہ تھا اور یہ لاہور واقع انڈیا کتاب میں جو اسی سال کی مطبوعہ ہے یہی لکھا ہے میں بابا سنگل والا کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ہمیشہ آہنی زنجیروں میں ملبوس رہتے تھے انھوں نے خود کو بچپن ہی سے زنجیروں کے جال میں جکڑنا شروع کر دیا تھا اور اضافے پر اضافے کرتے ہوئے آخر میں اس بوجھ کو آٹھ من تک پہنچا دیا تھا پنجرب پولیس ان کے پیچھے پیچھے رہتی تھی اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اس بیان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ کتنا آخر رپلے تھا تو ہماری طرح جرنلٹ۔۔۔ وہ بھی امریکہ کا۔

۱۹۷۰ء کا سفر

## آوارہ گرد کی ڈائری

ان تین سال میں کہ لندن نہیں آئے لوگوں نے ہماری غیر حاضری کا بہت فائدہ اٹھایا ہے نئی نسل تو بالکل ہی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور ہمارا خیال ہے اسے راہ راست پر لانے کے لئے ہمیں بہت کوشش کرنی پڑی بلکہ آسان تر راستہ یہ مرعوم ہوتا ہے کہ ہم خود ہی راست پر آجائیں خود اسی ہجوم میں شامل ہو جائیں طبیعت میں ہماری شاعری اور وارستگی جوگ اور بجوگ پہلے سے وافر مقدار میں موجود ہمیں ایک فقط گل مجھے بڑھانے بال بچھرانے اور لانا چونہ زیب تن کرنے کی بات ہے ایسی سچ دھج ہم نے پہلے نہ دیکھی تھی جو کبھی کسی شخص کا نقشہ آپ تصور میں لا سکتے ہیں وہ تو موجود ہے اور اس کے علاوہ بھی عجب عجب سے اور طرح طرح کے ملبوس دیکھنے میں آئیں گے پہلے لوگ نظراٹھا کر دیکھتے تھے اب دیکھتے بھی نہیں منی اسکرٹ وغیرہ اب پرانے زمانے کی چیزیں ہیں ڈراموں میں عریانی تصویروں والے رسالوں اور کتابوں کی فروخت جن کا اب تک شگاگو اور سان فرانسکو میں چلن تھا بیشک ان دو تین سال کی پیداوار ہے لیکن تصویروں پر رال پٹکانے کی اب حاجت نہیں اب آمد تیمم برخاست لباس بھی ڈھیلے ڈھالے ہیں اور وہ جامہ بھی جسے ہم اخلاق کہتے ہیں اچھی بات یہ ہے کہ یہ جوڑے جو طرح طرح کے تھیلے لئے اور مونچھیں لٹکائے اور لمبی لمبی عبائیں قبائیں پہنے گھومتے ہیں کسی کا کچھ نہیں لیتے ان میں امریکہ والی سرشوری قطعی نہیں ہے پھول اور مٹکے بھی اب کہیں کہیں ہیں اب تو وارستگی صحیح معنوں میں طبیعتوں میں رچ گئی ہے لباس تک محدود نہیں رہی ان لوگوں کے چہرے مہرے دیکھئے کہیں ن، مائش دمنود کی رنق نہ ملے گی یہ پرانی روایتوں کے خلاف بغاوت ہے کسی کو خیال نہ تھا کہ یہ اتنی جلد پھیلے گی اور اتنی دور تک سرایت کر جائے گی سر بازار چوما چاٹی کو جانے دیجئے کہ سوائے ہمارے ملک کے اور سب جگہ رواج ہے بس ہمارے ملک میں خبریں چھپتی ہیں کہ

ایمپریس مارکیٹ پر رسمی اور مسمارہ فلاں بوس وکنار کرتے یا دعوت گناہ دیتے ہوئے پکڑے گئے یہاں یہ معمولات میں داخل ہے آپ سامنے بیٹھے رہیں آپ سے کیا پردہ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ سوٹ بوٹ جو ہم ڈانٹے پھرتے ہیں اور جو انگریز کے لئے اٹھریں صدی سے اب تک نمبرلہ ایمان رہا ہے کوئی دن کی بات ہے کہ لوگ گھروں میں پہنا کریں گے آکسفورڈ اسٹریٹ پرگائی والوں کی دکان ٹائیوں کے لئے مشہور ہے اب کے ہم ساری دکان بھی گھوم گئے کہیں اس قسم کی ٹائیاں نہ میں جہیسی ہم پہنتے ہیں یا ہمارے ملک والے پہنتے ہیں اب تو پھولدار قمیضیں اور پھولی پھولی موٹی گانٹھوں والی پھولدار ٹائیوں کا رواج ہے وہ بھی اگر آپ کو ضرور ہی ٹائی پہننی ہے قمیضیں بھی ایک گلابی اور نارنجی زیادہ ملیں گی سیسی قمیضیں چاہیں جیسی ہم ۱۹۶۷ء میں لے گئے تھے تو چراغ رخ زیبالے کر ڈھونڈیئے بہت سے آزاد منشوں کو تو ہم نے دیکھا کہ جوتا پہننا بھی چھوڑ دیا ہے میلے میلے پاؤں گھسیٹتے جارہے ہیں مستانہ بھی اور مستانی بھی۔

اے صاحبو جہاں قدامت زیادہ ہو جاتی ہے وہاں بغوت کے اکھوے بھی زیادہ پھوٹتے ہیں کیونکہ یہ انگریز بہادر ہی تھا کہ تنہا جنگل میں خیمے میں بھی کھانا ڈنر جیکٹ زیب تن کئے بغیر نہ کھاتا تھا اور اسی کی برکت ہے کہ ایک ہم کراچی کے مڈوے ہاؤس میں بغیر ٹائی کے کھانا کھانے چلے گئے تھے تو نہایت نرمی اور اخلاق سے نکال دیئے گئے تھے سچی بات تو یہ ہے کہ اس سب دھج کے لوگ ہمیں اب اچھے لگنے لگے ہیں ان کے چہروں پر سادگی اور خلوص زیادہ ہے رنگین پاجامے، کالے اسکرٹ ٹخنوں کو چھوتے ہوئے بستر بستے ایک سے ایک گل پیرہن ایک سے ایک کجکلا ہ اگر کوئی لڑکی یا لڑکا اس لباس میں نظر آئے جسے ہمارے ہاں بھلے کا لباس کہا جاتا ہے تو لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں دیوانے اتنے ہو گئے ہیں کہ فرزانے کونوں کھدروں میں چھپے جا رہے ہیں ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ یہ اچھا ہی ہے رسوم و قیود کے خمار کی سرگشتگی کے ڈانڈے منافقت سے ملے رہتے ہیں اور مہنگائی اے دوستو یہ غریب پرور شہر اب غریب پرور نہیں رہا انڈر گراؤنڈ یعنی ٹیوب کا ٹکٹ جو چار پنس یا چھ پنس میں آتا ہے اب دو شتنگ میں آتا ہے کپڑوں اور جوتوں کے دام دگنے ہو گئے ہیں کمروں

کے کرائے بھی چڑھ گئے ہیں کچھلی بار ہم آٹھ پونڈ ہفتے کے کمرے میں رہتے تھے جس کے کونے میں بھی تھا اب کے پندرہ پونڈ ہفتے کے کمرے کا وہ احوال ہے کہ کبھی بتکدے میں کریں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری دنیا جہاں کے ٹورسٹوں نے لندن پر دھاوا بول دیا ہے سنا ہے کہ آج کل کرائے اسی آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ہم جیسے بے استطاعتوں کے لئے یہ بہت ہے حالانکہ اسہی شہر میں ایسے پاکستانی بھی آئے ہوئے ہیں جو سو پونڈ ہفتہ فلیٹ کا کرایہ دیتے ہیں عیش کوشی میں بابر کی قبر پر لات مارتے ہیں اور پھر پاکستان چلے جاتے ہیں خدا ان کو ینہ سب مبارک کرے لیکن حلال کی کمائی میں تو یہ الے تلے نہ ہو سکتے ہیں اب کچھ میر کے گھر کا حال بھی سنئے جائیے ارل کورٹ کے ٹیوب اسٹیشن کے عقبی راستے سے نکلیئے تو نیم دائرے میں فل بیچ کارڈنز کا محلہ ہے انگریز بھی خوب آدمی ہیں جہاں دو پیتیاں گھاس اس کی ملیں اسے گارڈرز کا نام دے دیا اتفاق سے یہاں وہ بھی نہیں اس نیم دائرے کے بیچ جا کر فل بیچ ہوٹل ہے اور اس فل بیچ ہوٹل کو آج ہمارا دولت خانہ یا اس کے سامنے سامان جا کر اتارا اور کونٹر پر جا کر کہا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب ہم نے اس کے سامنے جا کر اتارا اور کونٹر پر جا کر کہا کہ ذرا پورٹر کو بھیجئے سامان اٹھا لائے اور کمرے تک پہنچا دے جواب ملا ہمارے ہاں کوئی پورٹر نہیں ہے اس کے بعد مینجر صاحب ہمیں کمرہ دکھانے کے لئے کھٹ کھٹ سیڑھیاں نیچے اتر گئے یہ تہہ خانہ تھا اور اس میں دھویوں کی گھڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کوئی شخص لکڑی چیر رہا تھا اور ایک کمرے پر ۳ لکھا تھا کہ ایک کو لگی ہے کوئی چھ فٹ عرض کی طول اس سے دو فٹ زیادہ اس میں ایک طرف کو مسیری پڑی ہے اور کونے میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے بیسن کا انتظام ہے کرسی بھی اس کمرے میں ضرور ہوتی بشرطیکہ رکھنے کی گنجائش ہوتی ہم نے مینجر صاحب سے کہا حضرت اس حجرے میں تو ہم نہیں رہ سکتے بالا جناب یہاں تو یہی ہے گر قبول افتدز ہے عزو شرف چونکہ تنخواہ نہ بڑھائے جانے کی صورت میں ہم اسی تنخواہ پر کام کرنے والے آدمی ہیں لہذا اپنے کروفر اور عالی دماغی سمیت یہیں فروش ہو گئے دیکھا کہ ایک کھڑکی بھی ہے یہ ایک پچھواڑے میں کھلتی تھی اور اس کے اندر



ہمیں کوڑے کے ڈرم نظر آئے آخر ہم نے کھڑکی کو بند کیا اور پردہ ڈال دیا اور ادھر سے بالکل ہی آنکھیں پھیر لیں گے آخر ہمارے پیر مرشد حضرت میر تقی میر بھی یہی کرتے تھے ان کے لئے کھڑکی اور درتچے کا کچھ مصرف نہ تھا ہم اسے کھول کر کیا کرتے ۔

ہم نے دروازہ بند کیا اور کھڑے ہو کر کمرہ کا جائزہ لیا تو لیہ تھا لیکن تولیہ ٹانگے کی جگہ نہ تھی ۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دیوار پر ایک ریڈیو نما نصب ہے اور اس میں طرح طرح کے بٹن لگے ہیں پہلے ہم سمجھتے کہ ہماری حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لئے کمپیوٹر کا انتظام کیا گیا ہے حالانکہ اس کمرے میں سکنات ہی کی گنجائش تھی کسی قسم کی حرکات کا سوال نہ تھا غور سے دیکھنے پر ایک تحریر بھی نظر آئی سرپرستوں سے گزارش کی جاتی ہے کہ ان کو اسکاچ ہسکی کی طلب ہو تو وہی طرف کی دراز کو دبا کر اپنی طرف کھینچیں فوراً ہسکی کی بوتل حاضر ہو جائے گی جن صاحبوں کو جن مطلوب ہو وہ بائیں ہاتھ کی دراز سے یہ خدمت لے سکتے ہیں کمرے سے باہر نہیں جانا پڑے گا اور قیمت خود بخود اوپر دفتر میں آپ کے بل پر درج ہو جائے گی۔

ہم نے کہا یہ تو بڑی مفید ایجاد ہے آپ مسافروں کے آرام کا بہت خیال رکھتے ہیں کوئی ایسا بٹن بھی ہے جسے دبانے سے پانی نکلتا ہو کیونکہ پانی پینے میں ہم بلا نوش مشہور ہیں ۔

خم کے خم لٹکھاتے ہیں ،،

مینجر نے کہا ،، جی نہیں پانی اس میں سے نہیں نکلتا اس کے لئے نلکہ موجود ہے ۔

ہم نے کہا ،، باتھ روم ہمارا کہاں ہے ؟

مینجر نے کہا ،، باتھ روم ؟ اور پھر ہنسا یعنی یہ منہ اور مسور کی دال

لندن میں کوئی شخص نہانے کی بات کرے تو سمجھو کہ لندن کا نہیں لندن کے باہر کا ہے یوں تو لندن میں اب لندن کا رہ گیا ہے راستہ پوچھو تو مخاطب یہی کہیں گے کہ معاف فرمائیے میں بھی اجنبی ہوں



کیا آپ مجھے فلاں روڈ کا رستہ بتا سکتے ہیں کوئی دن میں لندن میں انگریزوں کا وہی حال ہوگا جو امریکہ میں قدیم باشندوں کا اور ہندوستان میں دراوڑوں کا ہوا بوہر دھکیل دیئے جائیں گے ہاں تو ذکر نہانے کا تھا ولایت والے یہ آزاد کم پالتے ہیں ابھی کل ہی فلیٹ اسٹریٹ جاتے ہوئے ڈاکٹر جانسن کے مکان پر جا نکلے ڈاکٹر جانسن کو آپ جانتے ہیں مصنف کتب کثیرہ جس کی ڈکشنری بھی مشہور ہے ہم نے سارا مکان دیکھ ڈالا واقعی بہت آرام دہ ہے اس زمانے میں تیس پونڈ سالانہ کرایہ تھا جو ہمارے مذکورہ بالا کمرے کے دو ہفتے کے کرائے کے برابر ہے باقی تمام انتظامات تو تھے لیکن پورے مکان میں غسل خانہ کوئی نہ تھا ہم نے مکان کی نگران صاحبہ سے پوچھا کہ غسل خانے کے بغیر گھر بولیں اس زمانے کے لوگ نہاتے کہاں تھے۔۔ بس پوڈر چھڑک لیتے تھے دیگر حاجات ضرور یہ کا پوچھا تو معلوم ہوا پردہ لگا کر برتن رکھ لیتے ہوں گے قرون وسطے میں تو سچے عیسائی کی نشانی یہ تھی کہ کبھی نہ نہاتا ہو اگر کوئی ہفتے کے ہفتے باقاعدگی سے نہانے والا ہو تو اسے مسلمان سے تشبیہ دیتے تھے اور موقع ملے تو پکڑا کر ایذا کی مشین سے بھی باندھ دیتے تھے ڈاکٹر جانسن کے ایک کمرے میں ارل آف چیسٹر فیلڈ کی تصویر بھی لگی ہے ان رئیس صاحب سے جانسن کو بہت توقعات تھیں کہ ڈکشنری کے سلسلے میں مالی مدد دیں گے انھوں نے کوئی اعتبانہ کی تا آنکہ یہ کام اختتام کو پہنچا اور اس کی شہرت ہوئی اب یہ صاحب متمنی ہوئے کہ چہ دادو دہش کریں اور ڈکشنری کا اندساب اپنے نام کرائیں جانسن نے اس پر ۷ فروری ۱۸۵۵ء کو خط جناب ممدوح کو لکھا وہ مشہور ہے ،،

مائی لارڈسات سال تک میں آپ کی عنایات کا متمنی رہا جاتا تھا اور آپ کی ڈیوڑھی سے محروم ملاقات واپس آجاتا تھا آپ کے در دولت کے بے شمار پھیرے کئے۔ اس دوران میں اپنے کام میں جٹا رہا اور اس کی مشکلات کا بیان لا حاصل سمجھتا ہوں اب میرا سفینہ کنارے پر آگیا ہے اس دوران میں تو آپ نے مدد کے لئے انگلی تک نہ اٹھائی حوصلہ افزائی کا ایک بول نہ بالا التفات کی ایک نظر نہ کی اور اب -----

معلوم ہوتا ہے پیسے والوں اور علم والوں کے درمیان ہمیشہ اور ہرجگہ اسی دسم کا رشتہ رہا ہے یہ تحریر پڑھ کر ہمیں فرہنگ آصفیہ والے سید احمد دہلوی بہت یاد آئے وہ لغت نگاری میں اردو کے ڈاکٹر جانسن ہی تو تھے ان کی لعنت صرف لفظوں کی کہانی نہیں ان کی اپنی روداد بھی ہے ۔

## لندن میں ہرے رام وغیرہ

آج جو آکھفورڈ اسٹریٹ سے ہمارا گزر ہوا تو کانوں نے ایک عجیب آواز سنی اور آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک انگریزی بہادر در منڈا ہوا بیچ میں ہی لا بنی اور مرے ہوئے چوئے کی طرح پھولی ہوئی چوٹی گیردا دھوتی زیب تن جس کا پلو ہر دورا کے پنڈتوں کی طرح پیچھے اٹسا ہوا ڈھولکی بجاتے اور جھومتے چلے جا رہے تھے انکے پیچھے دوسرے انگریزی عینک پوش اسی ہیئت یا بدہیتی میں جھانجھبھاتے اور مٹکتے ہوئے گھٹنوں کو خم دیئے کبھی دہنی طرف بوجھ ڈالتے ہوئے کبھی بائیں رخ جھکتے ہوئے دونو ہرے رام ہرے رام اور نہ جانے کیا کیا اپنی دانست میں سنسکرت کے اشلوک جاپتے ہوئے ان کے پیچھے اور آگے ایک ایک آدمی اسی وضع قطع کا پمفلٹ باٹا جا رہا تھا لوگ ایک نظر دیکھتے اور مسکرا کر گزر جاتے ایک پمفلٹ ہماری طرف بھی بڑھایا ہم نے کہا یہ کیا ہے بولے اوم شاننتی شاننتی ہم نے کہا کتے کی ہے اوم شاننتی شاننتی بولے وقت تو کچھ نہیں لیکن قدر دانوں سے چندے اور دان کی توقع کی جاتی ہے ہم نے لے کے دیکھا کچھ بھی نہیں تھا اوپر ایک سوامی جی کی تصویر تھی ننگی تو ند لئے آلتی پالتی مارے آنکھوں میں خمار جو روحانیت کا تھا پھر پر خوری کا تھا کچھ اور اق پندو نصائح کے سائیکلو سٹائل کئے ہوئے یہ تماشا اور ایسے تماشے یہاں بہت ہیں جو چیز ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے اس سے یہ رعب کھا جاتے ہیں یہاں بہت سے سوامی اور ہڑپوپو اڈے جمائے اور مٹھے بنائے بیٹھے ہیں بنکوں اور پونڈوں کی تھیلاں جمع کئے جارہے ہیں یوگا کاروبار ایسا پھیلایا ہے کہ انگریز اپنے نصاب شامل

کر رہے ہیں ہرے رام ہرے رام روٹی کھائیے شکر سے دنیا کھائیے مکر سے ۔

اب سردی چمک رہی ہے کئی دن سے بارش ہو رہی ہے بارش یہاں موسلا دھار نہیں دیکھتی بوندا باندی کبھی اس سے کچھ زیادہ یاد رہے کہ ہم نے کمرہ بدل لیا ہے اسی ہوٹل میں دوسری منزل پر چلے گئے بہت غنیمت ہے یہاں آکر ہم بھی انگریزوں کا رنگ چڑھ گیا مثلاً کئی نہ نہانا ۔ چھاتالے ر چلنا ۔ اخبار خرید کر پڑھنا وہ تو ہمارا رنگ ذرا سا میلان لگ گیا ورنہ انگریز مجبور کرتے کہ یہیں رہ جاؤ رین کوٹ اور چھرتی یہاں کے لوگوں کا لازمہ طبیعت بن گیا ہے گھر میں ایک سے دوسرے کمرے میں بلکہ غسل خانے میں بھی جائیں تو برساتی اور چھتری کے بغیر نہیں جاتے اور نہ پڑھنا ہو تب بھی اخبار خریدتے ضرور ہیں۔

پاکستان میں کیا ہو رہا ہے برطانوی اخبارات سے آپ جان سکتے ان دو ہفتوں میں ہم سارے اخبار دیکھتے رہے کہیں ہمارے ملک کا ذکر بہ بدی بھی نہیں آیا پچھلا ہفتہ تو ہائی جیکنگ کی خبروں میں گزر گیا اب ایک مقدمہ ہے جس کی رو داد صفحے کے صفحے گھر رہی ہے گزشتہ جنوری کی بات ہے ہفتہ وار اخبار نیوز آف دی ورلڈ کے ڈپٹی چیئرمین مسٹر کیگی کی بیگم غائب ہو گئیں بع میں ان کو نامعلوم لوگوں کی طرف سے دھمکیاں موصول ہوئی کہ دس لاکھ پونڈ ادا کرو تو چھوڑیں گے پولیس کو اطلاع دی گئی حسب ہدایت دوسوٹ کیسوں میں نوٹ بھر کر ( اوپر اصل نوٹ باقی گڈی میں خالی کاغذ ) مقررہ جگہ پر رکھے بھی گئے لیکن کوئی لینے نہ آیا پولیس نے بڑی روڈ دھوپ کے بعد دو آدمیوں کو گرفتار کیا ایک کا نام اخبارات آر تھر حسین لکھتے ہیں غالباً اطہر حسین ہوگا اور دوسرا اس کا چھوٹا بھائی نظام دین ۔ ٹرینی داد ۔ ( جزائے غرب الہند ) کے رہنے والے اس برصغیر سے گئے ہو ں گے اس لئے اخبارات ان کو انڈین لکھتے ہیں یہ لوگ جلد از جلد لکھ پتی بننا چاہتے تھے اور یہ سن کر کہ نیوز آف دی ورلڈ کا چیئرمین مرڈوک بہت امیر آدمی ہے اپنی دانست میں اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا شومی قسمت کہ مرڈوک آسٹریلیا چھٹی چلا گیا تھا اور کار جس کی نشانی ان بھائیوں نے رکھی تھی مسٹر میکی کے استعمال میں تھی معلوم ہوتا ہے مویوس ہو کر ان لوگوں نے مسٹر میکی کو قتل کر دیا اس قسم کے واقعات ہی سے تارکین وطن کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکتی ہے خدا کا شکر ہے اخباروں نے ملزموں کو پاکستانی نہیں لکھا ۔

یہاں وطن عزیز کی خبروں کی بڑی طلب رہتی ہے کبھی کہیں جنگ اخبار مل جاتا ہے لیکن دو تین دن کی تاخیر سے آج پڑھا تو معلوم ہوا کہ قیامت خیز بارشوں کا سلسلہ جاری ہے ہم اسے اپنی تر دامن کا شاخسانہ جانتے تھے لیکن اب تو ہم کو کراچی چھوڑ دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے ہیں اور ہمارے حصے کی بارش یہیں بہت ہو رہی ہے یہاں سے جو ہفتہ وار اخبارات نکلتے ہیں وہ پاکستان کی خبروں کا خلاصہ دیتے ہیں اور چونکہ ان سے وطن کی مٹی کی خوشبو آتی ہے اس لئے جہاں مل جائیں لوگ خریدتے ہیں مشرق ان میں سب سے پرانا ہفتہ وار ہے یہ لندن سے نکلتا ہے ایشیا بھی جو برمنگھم سے نکلتا ہے خاصا پرانا ہے اخبار وطن اسی انداز کا ہے لیکن نسبتہ حال کی پیداوار ان کے علاوہ نوٹنگھم سے آفاق نام کا ماہوار رسالہ اور برمنگھم سے تصویر نکلتا ہے ایک رسالہ جدید ڈائجسٹ کے نام سے بھی نکلتا ہے سنا ہے ہم نیدرلینڈ پر پاکستان کے کچھ رسالے بھی آتے ہیں اور کتابیں بھی جن کے اشتہارات ان پرچوں میں چھپتے ہیں اب لندن سے اردو کا لیک روزنامہ جنگ نکلنے والا ہے برطانیہ کا شیر بڈھا ہو کر اور سیاست ہو گیا ہے لیکن سیانا کو ابھی کبھی وہ چیز بھی کھاتا ہے --- عربوں اور لیبی خالد کے معاملے میں یہی ہو رہا ہے لیبی خالد کو چھوڑنے میں لیت دحل کی اور جہاز گٹوایا کچھ ہاتھ نہ آیا پچاس جوتے کھالیئے اب پچاس پیاز بھی کھائے گا تو اس کو چین آئے گا۔

پچھلے دنوں یہاں کا من دیکھ کی کتابوں کی نمائش ہوئی بلکہ نام کتاب میلے کا تھا ہم کو بھی بلایا تھا ہم بھی گئے دیکھا کہ پاکستان کے نام سے فقط پانچ کتابیں رکھی ہیں ان میں ایک ہیکٹر بولیتھو کی سوانح قائد اعظم، ایک آئن اسٹینز کی کتاب عارف ایک روکتا بچے زراعت وغیرہ پر کسی سرکاری محکمے کے چھاپے ہوئے اور ایک کتاب عارف حسین صاحب کی پاکستان کی آئیڈیالوجی اور خارجہ پالیسی کے موضوع پر اللہ خیر سلاہندستان کی کتابیں اس سے دس گنا زیادہ تھیں لیکب زیادہ زور اب افریقہ پر ہے ہم تو اب کامن دیکھ کے پانچویں سوار ہیں زیادہ تیل افریقہ کے تلوں ہی میں ہے نہ صرف نیا لٹریچر افریقہ پر ڈھیروں ہے بلکہ پچھلی صدی کی لکھی ہوئی کتابیں بھی دوبارہ چھاپ دی ہیں زیادہ تر غلامی کے موضوع پر ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس افریقہ

ظلمات کی زندگی بسر کر رہا تھا کس طرح انگریز آئے اور اسے غلامی سے نجات دلائی انفرادی غلامی سے۔ شاہی لٹ گئی تو کیا ہوا ابھی اس کے ادب آداب باقی ہیں ہم جو کامن دیکتھ انسٹی ٹیوٹ کی رفیع الشان عمارت میں داخل ہوئے تو دس دس گز پر روایتی وردیوں والے انگریز چاؤش کھڑے تھے ایک نے آلتنگی سے نام پوچھا اور پھر با آواز بلند پکارا مسٹر انشا فرام پاکستان اس پر ایک صاحب بہادر آگے بڑھے اور بڑے اخلاق سے ہمارا پنچہ چھو کر ہاؤ ڈو کیا ہم نے بھی کہا۔ ہاؤ ڈو یو ڈو مسٹر جان بل راضی باضی بیوی بچے تو خیریت سے ہیں ہور کی حال اے۔

## موم بتی کی تلاش

لندن میں چاندنی راتیں نہیں ہوتی یہاں ایسی ضرورت بھی ہوتی چاند اور چاندنی کو تو مہجوری اور رنجوری والے دیکھا کرتے ہیں چاند بیشک یہاں بھی نکلتا ہے لیکن چاندنی کو یا تو بادل روکے رکھتے ہیں یا شہر کا دھواں یا بجلی کی چکا چونڈ یہاں چاند کے ذریعے محبوب کو پیغام بھیجنے کا رواج نہیں اور نہ کوئی حسن لب بام کو آزر دگی سے تکتا ہے کہ نہ بزوری نہ بزاری نہ بزرمی آید۔۔۔ چوما چائی سر بازار بھی ہے اور بسوں ٹرینوں میں بھی کسے رابا، کسے کارے نہ باشد عاشقی کا یہ ہے کہ اپنی اپنی پسند کی بات ہے تو نہیں اور سہی یہ نہیں کہ میاں مجنوں کی طرح محمل کے پیچھے بھاگے جارہے ہیں اور سوکھ کر کاٹھا ہوئے جا رہے ہیں ہندوستان میں آج بھی بحث بھی چل رہی ہے کہ فلموں میں بوسہ بازی کی اجازت ہونی چاہیے یا نہیں پاکستان میں تو یہ بحث شروع بھی نہیں ہوئی یہاں جسمانی ملاپ کے تمام مرحلے فلم میں دیکھ لیجئے اور اسٹیج پر بھی آج کل فلم کام سوئے یہاں کے ایک سینا میں چل رہی ہے یہ فلم پنڈت کوکا کی بنائی معلوم ہوتی ہے اور اس میں کام کرتے ہیں سعید جعفری اور چترا کام سے مطلب کوئی ہے کام دیوتا والا کام۔ ہیروئن ایک صاحبہ ہیں چترا اس فلم کے ہیرو سعید جعفری سے



ہماری اب کے تو نہیں کچھلی بار ملاقات رہی ہونہار نوجوان میں ہمیں انھوں نے تھیٹر بھی دکھایا تھا یہ اور یہ ہیروئن دونوں ہندوستان کے متوطن ہیں اس فلم میں کام کرنا انھوں نے کیسے گوارا کیا یہاں آ کر سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں سعید جعفری کو آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر پیج ٹو انڈیا دکھائی گئی ہے اس میں یہ وکیل بنے تھے کل ہمارے ایک میزبان نے ری بی نامی کھیل بھی دکھایا کھیل کیا ہے انسانی جسم کے خطوط کجدار و مزید دکھانے کا بہانہ ہے سچ یہ ہے ہمیں پسند نہیں آیا مشرق کے بہت سے مسکینوں کا دل جو مغرب میں جا اٹکتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے -

یہاں لوگ برسوں سے پڑے ہوئے ہیں لیکن جس میں ذرا سی بھی صاحب دلی ہے وہ وطن عزیز کے لئے تڑپتا ہے سوائے چند ایک کے کسی نے یہاں کی شہریت بھی لینی پسند نہیں کی جو مزا چھو کے چوبارے میں وہ بلخ بخارے میں نہیں یوسف کہ بہ مصر تاجداری می کرا می گفت گدا بو دن کنعان خوش تر پچھلے دنوں ایک دوست کے گھر میں پلاؤ اور تورمہ کھاتے ہوئے بحث چھڑ گئی ہمارا خیال تھا کہ ہم ایسے احدی قسم کے لوگ ہیں کہ کچھلے صدی انگریز نہ آتے تو ہم سائنسی علوم بے بہرہ بہت پیچھے رہ گئے ہوتے افغانستان کا ساحل ہوتا مختار زمن ہم سے شد و مد سے اختلاف کر رہے تھے اس کا ذکر ہر جگہ ہے پاکستان کا کہیں نہیں ہے اگر ہے تو سرسری ہے ہندوستان پرانی چیز ہے ساری تہذیبی ندرتیں اور روحانی خوبیاں اس سے منسوب چلی آرہی ہیں پاکستان کے متعلق یہ خیال ہے کہ تعصب و سم کے مسلمانوں نے بنایا ہے کسی اور کو یہاں نہیں رہنے دیتے اسلام اور

مسلمانوں سے اہل مغرب ہمیشہ سے بدکتے آئے ہیں ان کی برق بھی گرتی ہے تو ہر پھر کیت بچارے مسلمانوں پر اکتوبر شروع ہو چکا ہے اور موسم کا حال یہ ہے کہ بوشرٹ اور ٹھنڈی پتلون میں باہر گھومنے کو دل چاہتا ہے کل اور پرسوں ایسی گرمی تھی کہ ریڈیو کے اعلان کے بموجب پچھلے گیارہ سال ہی نہیں پر یہاں دروازے کھڑکیاں بند رکھنے کا دستور ہے اور بچھے دیکھے نہیں ہوتے اس گرمی مین بھی وضع کے مارے سوٹ، سویٹر

، برساتیاں اور اوور کوٹ لئے گھومتے پھرے اس گرم سوٹ نے کہ ذرا موٹا ہے جان سے بیزار کر دیا ایک دربار تو اسے اتار کر بازو پر بھی ڈالا ہمارے پاس ایک ہلکا سوٹ بھی ہے لیکن افسوس یہاں موم بتی یا موم

نہیں ملا لہذا اسے استعمال نہیں کر سکے۔

اب اس معمرے کا حل اور اجمال کی تفصیل سن ہی لیجئے کراچی سے ہم چلے تو یہ ہلکا سوٹ زیب تن تھا بغداد میں آدھی رات کو پہنچے ہم سیٹ پر بیٹھے رہے اترے نہیں کافی دیر کے بعد ذرا تازہ ہوا کے لئے اترے پھر ٹرانزٹ می بھی چلے گئے وہاں خیال آیا ذرا باتھ روم میں جانا چاہیئے اور ہاں ہمارے ساتھ یہ ماجرا گزرا کہ زپ جو آج کل پتلون میں بٹنوں کی جگہ لگائی جاتی ہے تو گئی لیکن بند ہونے سے اس نے انکار کر دیا ہم نے بہت کوشش کی اتنے میں ہانک پڑ گئی کہ پی آئی اے کا جہاز روانہ ہونے کو ہے ایک شخص غسل خانوں میں بھی آواز دیتا ہے پھر کوئی مسافر اندر باہر آجائے اتفاق سے ہمارا بریف کیس ہمارے پاس تھا اسے سامنے لٹکائے باہر آئے اور اسی عالم میں جہاز میں جا بیٹھے بلکہ سب سے آخر میں آتے ہوئے دیکھ کر کسی صاحب نے جو ہمیں جانتے ہوں گے فقرہ بھی کسا کہ ایک منٹ کی دیر ہو جاتی ہے تو جہاز اڑتا اور آپ کا کالم بن گیا ہوتا خیر سیٹ پر آئے جہاز اڑا اور بتیاں بجھ گئی ہمارے ساتھ کی سیٹوں پر کوئی نہ تھا لہذا ہم نے پھر اپنی کوششوں کا آغاز کیا دوسرا سوٹ سامان میں نہ تھا ورنہ اسے اتار کر اسی کو پہن لیتے اب ہم نے ایئر ہوسٹس کو بتایا اور کہابی بی تمہارے پاس موم ہے موم بتی ہے فرمایا کیا کرنا ہے ہم نے کہا ہم سے سوال مت پوچھو ہمارے سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دو بولیں ہمارے ہاں موم کیا کیا کام ہم نے کہا آپ لوگوں نے حد کر دی مسافروں کے کام کی کوئی بھی چیز نہیں رکھتے اس بی بی نے پھر جرح شروع کی کہ مسافر روں کے موم کس کام آتا ہے ابھی ہائی جیکنگ کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا اور نہ ان لوگوں کو گمان ہوتا کہ ہم اسے پگھلا کر پائلٹ کی آنکھوں پر اداس ہوا جا رہا ہے ۔

موم تو نہ ملا جس کے گھسنے سے زپ چلتے لگتی لیکن ہماری مشکل غسل خانے کے صابن سے آسانی ہوگئی پیء آئی اے والے یہ کالم پر خن تو براہ کرم آئندہ ہم ایسے مسافروں کی خاطر موم بتی ضرور جہاز میں رکھ کر چلا کریں یہاں آکر زپ چلتی رہی لیکن اس روز ہم تھیٹر گئے تو ٹکٹ خرید کر ذرا باتھ روم چلے گئے اور پھر

وہی ہوا کھیل بھی وقت شمشیر برہینہ اور اشتعال انگیز قسم کا تھا ابھی کھیل شروع ہونے میں وقت تھا ہم دور دور فرلانگ گئے اور ایک اخبار خریدا اور اسے بہانے بہانے سے سامنے رکھے رہے خیریت ہوئی کہ رات کا وقت تھا اسی عالم میں ٹیوب میں بیٹھ کر گھر آئے اور وہ سوٹ اتار پھینکا صاحبو یہ بٹن ہی اچھے رہتے ہیں اور بازار سے لے آئیں گے گر ٹوٹ گیا بلکہ پرانے زمانے کی گھنڈیاں اور تکیے اور اچھے تھے پاجامے اور تہد وغیرہ بھی ہمیں اسی لئے پسند ہیں کہ ان میں زپ یعنی زنجیری بلکہ بٹن وغیرہ بھی نہیں ہوتے لندن کے راستوں اور ٹیوب اسٹیشنوں پر ہدایت اتنی مکمل لکھی ہوتی ہیں کہ کوئی باہوش آدمی بھول نہیں سکتا لیکن باہوش والی شرط ہی تو ٹیڑھی ہے ہم سفر میں ہوں یا حضر میں غیب سے مضامین خیال آتے رہتے ہیں نتیجہ یہ کہ اکثر غلط گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں اور اگلے اسٹیشن سے واپس آتے ہیں اور ایک یہ بات یہاں یہ دیکھی کہ راستوں بازاروں میں پتہ بتانے والا کوئی نہیں ہوتا جس سے پوچھئے او خوشیتیں گم است کہتا ہے تو خود پردیسی ہوں کل ریجنٹ باغ کے آؤٹر سرکل میں ہنود ور لاج جانا تھا نقشہ پر ہنود درٹیرلیس تو تھا لاج نہ تھا ہم نے سوچا یہیں یہ ہوگا ٹیرلیس کے باہر آدم نہ آدم ذاد پتہ کس سے پوچھتے کہ مس ڈلوں عمر ۷۰ سال کہاں ہیں ان کا پتہ تو بہت دیر میں ملا البتہ ہنو درٹیرلیس کا وہ کمرہ ہم نے دیکھ لیا جہاں ایچ جی ویلزر ہے اور جہاں انتقال کیا۔

## حکیم جی لندن بھی پہنچ گئے

ولایت والوں کو اپنے ملک کو ولایت بنانے میں جانے کتنی صدیاں لگیں ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی بھائی اسے چند ہی سال میں اپنے ڈھب پر لے آئے ہیں لندن اور برمنگھم کے اردو اخباروں پر نظر ڈالئے آپ کا جی نہال ہو جائے گا

بہت کچھ جو انگریزی زبان میں چھپے تو شاید گرفت میں آجائے اردو میں بخوبی چل رہا ہے ڈاکٹروں کے معاملے میں ایسی سختی ہے کہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی فارغ التحصیل ڈاکٹریوں کو بھی فی الحال پریکٹس کرنے کا اذن نہیں لیکن ہمارے عطائی بھائیوں کی راہ انگریز نہیں روک سکا چنانچہ جہاں اور لوگ پہنچے وہاں زنانہ اور مردانہ پوشیدہ بیماریوں کا مجرب اور حکیمی علاج کرنے والے بھی پہنچ گئے کل یہاں کے ایک اردو اخبار میں اشتہار دیکھا کہ چین ہیلتھ سنٹر آرام باغ روڈ کے ممتاز ماہر جنسیات نے جن کے پاس آر۔ ایم۔ پی۔ کی پراسرار ڈگری ہے لوگوں کے پرورد اصرار پر لندن میں اپنا مستقل دواخانہ کھول دیا ہے جس میں خط و کتابت صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے حکیم صاحب نے اشتہار کے ساتھ اپنی تصویر بھی دی ہے ادھر نکلرو پر ہندوستان کے حکیم ایس ایل بٹ ناگر صاحب بھی جو اٹھارہ میڈیکل کتابوں کے مصنف ہیں جس میں ہوم ڈاکٹر بھی شامل ہے لوگوں کے اصرار کی تاب نہ لا کر تشریف لے آئے ہیں ان کے اشتہار کے بموجب لاکھوں آدمی گزشتہ تین سال میں ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہو چکے ہیں اتنی بڑی ولایت میں یہ دو حکیم کافی نہ تھے لہذا حکیم عبدالرحمن صاحب معالج امراض مردانہ کو بھی مانسٹر میں مطب کھولنا پڑا ہے یہ اپنے کونیچر و پیٹھ اور ہر ہر بیلٹ لکھتے ہیں یعنی قدرتی طریقوں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والے ان کا دعویٰ حزاقت بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اشتہار کہتا ہے تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا ایک صاحب اپنے ایک ۱۹ سالہ بھتیجے اور اس کی ۱۶ سالہ دلہن کو لے کر مانسٹر آئے اور حکیم صاحب سے بیان کیا کہ اس لڑکے کی شادی کو دو ہفتے ہوئے ہیں لیکن اس نے خود کشی کی کوشش بھی کی ہے اس کا کچھ علاج کیجئے حکیم صاحب نے تسلی دی اور دوا بھی دی لڑکے نے تین ماہ دوائی استعمال کی چند ہفتے ہوئے وہ حکیم صاحب کے لئے ایک قمیض اور ٹائی اور ۱۰ پونڈ لڈر بطور تحفہ لائے اور خوشخبری سنائی کہ جی بابے کی کرپا اور آپ کے علاج سے سب ٹھیک ہے میرے بھتیجے کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور ہم نے ڈھائی من لڈو تقسیم کئے ہیں لڈو کھالیے ایک اور ہندوستانی ماہر کی طرف کے تر دیدی۔۔۔ ان کی ڈگری یاں اور زیادہ لمبی چوڑی ہیں۔

این۔ ڈی۔ ڈی۔ پی۔ اے۔ او۔ آر۔ ایس۔ ایچ۔

حیرت ہے کہ انھوں نے باقی کے حروف تہجی کیوں چھوڑ دیئے اے سے زیڈ تک استعمال کرنے میں کیا امر مانع تھا یہ کھوئی ہوئی طاقت مردی کے علاوہ کھانسی زکام نزلہ گھٹیا اور پیٹ کے درد کا بھی علاج کرتے ہیں البتہ ملاقات کے لئے فون پر وقت مقرر کرنا پڑتا ہے بستول خود طاقت کی دوائیوں کے بادشاہ اور انٹرنیشنل شہرت کے مالک حکیم ہری کشن لال صاحب ماہر امراض پوشیدہ خود تو مصروفیات کے باعث تشریف نہیں لا سکے لیکن اپنا اشتہار لندن میں چھپوا دیا ہے حکیم صاحب کو جھانسی یونیورسٹی نے کئی اعزازی ڈگریاں دے رکھی ہیں مثلاً ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ای۔ کار۔ ان کا مطلب کیا ہے ڈگری کا مطلب نہیں پوچھا جاتا ہے لمبائی دیکھی جاتی ہے ولایت والوں کی آسانی کے لئے انھوں نے اپنے ریٹ پونڈوں میں دیئے ہیں شاہانہ علاج ۵۲ پونڈ درمیانی علاج ۳۲ پونڈ۔ علاج ۱۸ پونڈ اور غریبانہ علاج ۱۲ پونڈ حکیم صاحب نے خدمت خلق کے جذبے سے بھی اعلان کیا ہے کہ لاکھ روپیہ کی قیمتی کتاب پیغام جوانی مفت حاصل کریں اس میں لاکھ روپے کے پیغام جوانی کے علاوہ کئی لاکھ روپے کے حکیم صاحب کی دوائیوں کے اشتہار بھی ضرور ہوں گے سب مریضوں کے لئے مفت۔

پاکستانی اور ہندوستانی بھائیوں کے لئے تازہ ترین خوشخبری یہ ہے کہ حکیم جے ایم کوشل بھی جو کھوئی ہوئی قدموں کو بحال کرنے میں ید طولی رکھتے ہیں صرف پانچ روز کے لیئے بریڈ فورڈ میں درد دفرما ہوئے ہیں آپ کی ڈگریوں کا بھی شمار نہیں بی اے پنجاب اے، بی اے، ایچ، ایس، بی اے (بنارس یونیورسٹی) بی اے (پی۔ یو) اے۔ بی۔ ایم، ایس (پی۔ ایچ۔ یو) ڈگری ڈاکٹری کی نہ بھی ہو تب بھی لیاقت کی دلیل تو ہوتی ہے۔

حکیموں کے علاوہ سب سے زیادہ اشتہار ہمارے ان پاکستانی ہندوستانی بھائیوں کے ہیں جو وطن واپس آنے والوں کو ٹیلی ویژن، ریفریجریٹر، ایئر کنڈیشنر، ٹیپ ریکارڈ، ٹائپرائٹر، سلائی کی مشین وغیرہ فراہم کرتے ہیں ایک صاحب ۶۰ فیصد ڈسکاؤنٹ پر دوسرے ۶۵ فیصد اور تیسرے ستر فیصدی ڈسکاؤنٹ پر ہم نے دیکھا نہیں لیکن سنا ہے بعض فر میں سو فیصدی ڈسکاؤنٹ پر بھی یہ سامان فراہم کرتی ہیں۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ ان بزرگ نے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے ڈھائی من لڈو کہاں سے لئے ہوں گے یاد



رہے کہ ایشیائی مٹھائیوں کا عظیم الشان مرکز سویٹ سنٹر، جو جہلم والے مشہور و معروف پہلوان صاحب کی دکان ہے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات کے لئے بکفایت خالص گھی کی مٹھائیاں فراہم کرتا ہے یہاں سے آپ گلاب جامن، رس ملائی، رس گلہ، جلیبی، برنی، لڈو، پیڑا، بالو، شاہی، پھینیاں، وغیرہ وغیرہ ہی نہیں دہی بھلے آلو چھولے، سموسے، منمکین، دالیں اور سویاں وغیرہ بھی خرید سکتے ہیں۔

مٹھائی سے رغبت نہ ہو تو شہرور محل ریسٹورنٹ میں تشریف لائیے اور تندوری مرغ تندوری روٹی چکن اور مٹن تک، قورمہ، کوفتہ وغیرہ کھائیے یہ چیزیں حلال گوشت سے تیار ہوتی ہیں جس سے آپ کا پیٹ بھر جائے اور خمار آنے لگے تو بھی مضائقہ نہیں رضائی سنٹر سے آپ کو ہر قسم کی آرام وہ رضائیاں مل سکتی ہیں شنیل کی ڈبل رضائی ۵ پونڈ ساٹن ڈبل ۳ پونڈ چھینٹ ڈبل بھی ساڑھے تین پونڈ لیجے اور پاؤں پسار کر سوئیے اگر آپ کا سونے کو جی نہیں چاہتا تو سینما دیکھئے جتنی فلمیں یہاں لگی ہوئی ہیں پقرے ہندوستان اور پاکستان میں نہ لگی ہوں گی پلیسٹیم ایسو لڈولندن میں عندلیب پاکستانی ڈاکو منگل سنگھ ہے میلا جٹ ہے جس میں چاچا سنت رام جی کام کر رہے ہیں پیغام نصیحت، ہجولی، تیسری، منزل، دیوداس مان پڑھ، وغیرہ کلاسک سینما میں ساون آیا جھوم کے پتھر کے صنم وغیرہ اوڈین میں دیور بھابھی اور زرقا۔ لکسیر سینما برمنگھم میں سجن بلی تیرے عشق نچایا الاٹ سینما میں لاڈوسنچری میں میرے حضور اور جی چاہنات ہے مارلبرڈ، بریڈفورڈ میں سپنوں کا سوداگر۔ کیمبو لندن میں آشیرداد، بمبئی کا بابو سینما لندن میں استادوں کے استاد کلاسک میں میرے محبوب۔۔۔۔۔ ایک لمبی لسٹ ہے کوئی کہاں تک گنوائے زندہ پروگرام چاہئے تو اس کا بھی انتظام ہے سردار آسا سنگھ مستانہ بھی یہاں ہیں سریندر کور بھی اور رپرکاش کور بھی آسا سنگھ مستانہ جی پنجابی گیتوں کے شہنشاہ ہیں ہیرو وارث شاہ گاتے ہیں اور یہ دونوں بیبیاں ہر کے علاوہ ٹپے گاتی ہیں اور پنجابی لوگ گیت سناتی ہیں کبھی کبھی تو الیاں بھی ہوتی ہیں۔

ایک مشہور درگاہ کے گدی نشین صاحب کا اشتہار چھپا ہے کہ عرس مبارک میں تشریف لائیں نہ لائیں تو گھر بیٹھے اپنی نیک کمائی کا پیسہ حسب توفیق نذر سنیاں، فاتحہ چادر، پھول، شیرینی، وغیرہ کے لئے بطور نذر و نیاز بذریعہ

منی آرڈر، برٹش پوسٹل آرڈر چیک و ڈرافٹ کو کراس کر کے حقیر حقیر کے نام پتہ ذیل پر روانہ کریں۔

## متفرقات لندن

یہاں کے متفرقات کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی غارت کا حال لمحہ بہ لمحہ سناتے ہیں اور منظر بہ منظر دکھاتے ایک اخباری نمائندے نے اسے دنیا کا سب سے بڑا قتل عام قرار دیا ہے ہمارا پاکستان والوں کا احوال کسی سے چھپا نہیں خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر بلکہ پنجابی کا یہ ٹپہ ہمارے جذبات کا بہتر طور پر نقشہ کھینچتا ہے تینوں تاپ چڑھتے ہیں ہونگاری نی تیری میری اک جنڈی جتنے لوگ عمان سے آئے ہیں سب اس کا الزام افواج شاہی کو دیتے ہیں جس نے اپنی توپوں کے لوگوں سے عمان میں کوئی گھر گزند سے خالی نہیں چھوڑا یہ جنرل مجالی وہی بزرگ ہیں کہ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے مقابلے سے بھاگ آئے تھے اور اس پاداش میں ہر طرف کر دیئے گئے تھے لیکن محض لوگوں کو دکھانے کے لئے اب جو مقابلہ شہریوں اور فلسطینی مجاہدوں سے ہوا تو انھوں نے اپنے جی کی بھڑ اس نکالی ہمیں سب سے زیادہ شرم اس وقت آئی جب پرسوں ع کسے زمانہ کہ اور ابہ تیغ ناز کشتی کے بعد جلالت مآب شاہ حسین کی تقریر کا ریکارڈ سنایا گیا اور اخباری نمائندے نے بتایا۔

king husain looked cheerful and relaxed اخبار ٹائمز نے لکھا ہے کہ آغاز کا الزام آپ گوریلوں کو دے لیجئے اور اسے لمبا کھینچے کا قصور وار شام کو ٹھہرا لیجئے لیکن اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ قتل و غارت کی ذمہ داری شاہی فوجوں پر ہے جو لوگ عمان سے نکل کر آئے ہیں حتی کہ وہ بھی جو گوریلوں کے بریغمال میں تھے سب کا بیان ہے کہ گوریلوں یعنی مجاہدوں کا طرز عمل ان کے ساتھ نہایت شریفانہ اور فیاضانہ رہا ہے انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس سے ان لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی جو اسیروں پر ظلم کی داستانوں سے اپنی دکانیں چمکانا چاہتے تھے یہ ماننا پڑے گا کہ اس آشوب میں ان جرنلسٹوں کا کردار

بہت اچھا رہا ہے جو عمان میں تھے ان میں ایک سویڈن کا رہنے والا تھا اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی ایک ٹی وی انٹر ویو میں اس سے کہلوانے کی بہت کوشش کی گئی کہ گوریلے قصور وار ہیں پوچھا کہ یہ گولی کیا گوریلوں نے ماری ہے اس مرد شریف نے کہا آپ اس گولی کا پوچھتے ہیں ان توپوں اور ٹینکوں کی بمباری کا کیوں نہیں پوچھتے تھوڑی دیر بعد انٹر ویو کرنے والا پھر بات کو وہیں لایا تو سویڈن کا جرنلسٹ جھلا کر کہنے لگا کہ عمان میں ہزاروں لوگ مارے گئے اور بے آب و دانہ تڑپ رہے ہیں اور آپ کو میری ٹانگ کی پڑی ہے یہ تو دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گی ان لوگوں کی پتا پوچھئے جو مرد رہے ہیں اور سسک رہے ہیں بے خانماں ہو گئے ہیں یا بے یارو مدر گارہ گئے ہیں انگریزوں کے ریغمال سے چھوٹے ہی برطانیہ کا بڈھا شیر پھر شیرِ ثیاں ہو گیا ہے اس وقت لیلی خالد کو چھوڑنے کا سوال از حد قبل از وقت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہتا ہے کہ ہمیں انصاف کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس پر مقدمہ چلانا پڑے اور وہ الزامات دوبارہ عائد کرنے پڑیں جو واپس لئے گئے تھے بہر حال بعد میں اسے رہا کر دیا گیا ٹیلی ویژن پر لیلی خالد کے بھائی اور ماں کے انٹرویو بھی منشر ہوئے یہ بیروت میں ان کے گھر پر لئے گئے تھے لیلی خالد کی ماں ایسی ہی سادہ مزاج ضعیفہ ہیں جیسی مائیں ہوا کرتی ہیں بھائی نے کہا ہم اس کھیل میں موت سے نہیں ڈرتے اخباری نمائندے نے کہا اگر وہ رہا ہو گئی تو اب بھی کسی طیارہ کو ہائی جیک کرنے کی جرات کرے گی بھائی نے کہا ضرور کرے گی اگر لبریشن فرنٹ نے ہدایت کی تو اور میں بھی کروں گا ماں سے بھی گفتگو کی گئی اس نے بھی کہا میری بچی بہادر ہے اور وہی نہیں میں بھی وہی کچھ کروں گی جو ہمارے لبریشن فرنٹ کا حکم ہوگا ہم اپنے وطن کے لئے سب کچھ کر گزریں گے لندن کی موجودہ مہنگائی سے ہم غریب الوطن ہی پریشان نہیں ہیں یہاں کے لوگ بھی چیخ اٹھے ہیں ایک سروے میں یہاں گھروں کے خرچ کے جو اوسط بکالئے گئے ہیں وہ کچھ اس طور پر ہیں -

۲۰ فی صدی

خوراک

۱۷۵۵ فی صدی

مکان - ایندھن اور روشنی

۱۹۶۴ فی صدی

آمد و رفت اور تفریح وغیرہ کے اخراجات

شراب اور تمباکو

۱۲۶۳ فی صدی

گھریلو سامان

۱۳۶۵ فی صدی

کپڑے اور جوتے

۸۶۴ فی صدی

کاریں اور موٹر سائیکل

۸ فی صدی

اس سروے میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۶۹ء میں جو تنخواہ ہوں میں ۷ فیصد کا اضافہ کیا گیا تھا اس میں تابہ میں سے ۷ فیصدی مہنگائی اور ٹیکسوں کی نذر ہو چکا ہے فقط آدھ فیصد باقی ہے وہ بھی تابہ کئے بازار میانانرخ بالا کتہ از رانی ہنوز کا غلغلہ ہے فوراً اپنا وطن یاد آیا اس فرق کے ساتھ کہ یہاں تو لاشتم پشتم گزارہ ہو بھی جاتا ہے بیروزگاری ہر چند کہ بڑھ رہی ہے لیکن بیروزگاری کا الائنس بھی ہے ہمارے ہاں سب ان فکروں سے فارغ ہیں شراب تمباکو اور تفریحات کی مدد تو جانے دیجئے فقط روٹی دال اور سرچھپانے کے ٹھکانے پر پانچ افراد کے کنبے کا جو خرچ اٹھتا ہے کیا ہمارے چیراسی یا کلرک کی آمدن اس کی متحمل ہو سکتی ہے ۔

موسم کا وہی عالم ہے کہ جو تھا اب کئی دن سے بوندا باندی بھی نہیں ہوئی سردی کا آغاز شاید اکتوبر میں ہوگا وہ بھی اکتوبر آخر میں اب یہاں سے ہمارا چل چلاؤ لیکن ہمارا راستے بھولنے اور غلط ٹرینوں میں بیٹھنے اور غلط اسٹیشنوں پر اترنے کا معمول قائم ہے گڑ بڑا جاتے ہیں کمپارس لے کر تو چلے نہیں کہ زمین دوز راستوں میں پورب پچھم کی پہچان کر سکیں آخر اسٹیشن لیکاک کے اسول پر عمل کرتے ہیں لیکاک کہتا ہے کہ کسی نئے محلے میں کسی کا گھر تلاش کرنا ہو تو آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ ایک سرے سے مکانوں کے سروازے کھٹکھٹانے شروع کر دو مطلوبہ گھر انہی میں کہیں نکل آئے گا ہم بھی جو گاڑی سامنے آئے اسی میں بیٹھ جاتے ہیں ٹھیک ہوئی تو فہا ورنہ واپس آ کر دوسری میں سہی اور یہ بات واقعی سچ ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور صحیح ہوتی ہے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم اپنی منزل نہ پہنچے ہوں بھولنے کو ہم تقاضائے بشریت سمجھ کر ہمیشہ عزیز رکھتے ہیں انسان اور حیوان میں یہی تو ایک فرق رہ گیا ہے کہ انسان غلطی کرتا ہے جتنا بڑا انسان ہوگا اتنی زیادہ اور بار بار غلطی کرے

گا لندن سے ہم یورپ جائیں گے تو بس ایک چیز یہاں کی ضرور یاد آئے گی وہ ہے ناشتہ یورپ بھر میں ناشتہ انگریز ہی لے ہاں ملتا ہے ہمارے اس ہوٹل یا سرائے میں ہی دیکھ لیجئے پہلے پھلوں کا جوس پھر کارن فلیک جس میں چائے پوری بوتل دودھ ڈالئے پھر دو انڈے جیسے جی چاہئے بنوا لیجئے پھر تو س سات آٹھ مع مکھن اور جام وغیرہ کے پھر چائے یا کافی کا بڑا پاٹ خواہ دس پیالیاں یورپ میں تو پاپا قسم کی ایک روٹی اور وہ بھی ٹھنڈی اور سخت ذرا اسے بقدر اشک بلبل مکھن کے ساتھ دیں گے اور ایک پیالی چائے دیکر کہیں گے کھاتا ہے تو کھا ورنہ اپنے گھر جا۔

یہاں کے ایک اردو اخبار میں کسی کا مراسلہ چھپا ہے کہ پاکستانی لڑکیوں کو انگریز یا غیر ملکی ہیلو کہے تو مضائقہ نہیں کوئی پاکستانی ہیلو کہہ دے تو سخت ناراض ہوتی ہیں گھر جا کر شکایت کرتی ہیں اور اس کے والدین لاٹھیاں لے کر آجاتے ہیں کہ نکل تو سہی باہر ہماری لڑکی کو ہیلو کرتا ہے ایک دو پاکستانی لڑکیوں نے یہاں پر پرزے نکال رکھے ہیں ان کی آزمائش عموماً غیر ملکیوں پر ہوتی ہے۔

یہ اشتہار مع عنوان ہم نے ایک اردو کے لندن اخبار میں دیکھا ہے

عیسائی بوائے فرینڈ کی ضرورت ہے

تقریباً ۲۵ سالی انگلش خاتون باقاعدگی سے چرچ اور سوشل میٹنگز میں جاتی ہے شراب یا سگریٹ بالکل نہیں پیتی ہندو پاک کے کسی کر سچن سے دوستی کی خواہاں پتہ ذیل پر خط لیکھیں۔

مطلب یہ کہ عیسائی چاہئے تا کہ ایمان کو تقویت رہے بوائے چاہئے کیونکہ کوئی عورت حق دوستی کا ادا نہیں کر سکتی بایں ہمہ تقویٰ ہیں کہ موسوفہ چرچ باقاعدگی سے جاتی ہیں ح یعنی چوری میرا پیشہ ہے نماز میرا فرض ہے

شرک ہومز کے کوچے میں



لندن میں جب کبھی ہمارا آنا ہوتا ہے شوق کے قدم کشاں کشاں بیکرا اسٹریٹ لے جاتے ہیں

ہم کسی سمت میں نکلیں ہوں وہیں جا نکلیں

ہم سے بھولی ہے رہ کوچہ جاناں کوئی

اس کوچے میں اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہمارے اور ہم ایسے بے شمار لوگوں کے بچپن کا بھی ہیرو شرک ہومز اسی کوچے کے مکان نمبر ۲۲۱ پی سے ڈاکٹر وائسن کے ہمراہ اپنی یادگار مہموں پر نکلتا تھا ۲۲۱ بی بیکر اسٹریٹ شرک ہو مز کے دلداد گان کے لئے گنجینہ معنی کا طلسم ہے انگلستان اور امریکہ میں درجنوں سو

سایاں یا تو شرک ہومز کے نام پر ہیں یا اس کی مہمات کے کرداروں کے نام پر لندن سے امریکہ سے کئی رسالے بھی نکلتے ہیں جو شرک ہومز کی کہانیوں اور کرداروں کے مطالعے کے لئے مخصوص ہیں ہر سال دو سال بعد ایک نیا ایک کتاب بازار میں آجاتی ہے جس میں پہلی معلومات اور اکتشاف پر اضافہ ہوتا ہے ابھی پچھلے سال شرک ہومز کے تمام کارنامات بڑے سائز پر با تصویر دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں اور یہ سیٹ کوئی ڈیڑھ سو روپے کا ہم نے بھی خریدا تھا اس لئے کہ اس کے مرتب مسٹر بیرنگ گولڈ نے ہر کردار اور مقام کے متعلق ریسرچ کا نچوڑ دیا ہے شرک ہومز حقیقت تھا یا افسانہ۔۔۔۔۔ یہ سب جانتے ہیں لیکن شرک ہومز کے مداحین جو نکتہ چینی سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں یہی فرض کر کے اس کی سوانح لکھتے ہیں کہ ہاں ہر ایک شخص تھا فلاں سن میں پیدا ہوا اور فلاں سن میں مرا اپنی سر غسانی کی زندگی سے ریٹائر ہو کر وہ ایک دیہاتی مقام پر جا بسا تھا اور وہاں شہد کی مکھیاں پالتا تھا پہلی جنگ عظیم کے وقت زندہ تھا کیونکہ ایک بحری معاملے میں جس میں اہم دستاویزات چوری ہو گئی تھی اس کو عقدہ کشائی کے لئے ریٹائرمنٹ کی زندگی کے بارے میں نہت کرید کی ہے اور ان دونوں کی مستقل سوانح عمریاں لکھی ہیں بیکر اسٹریٹ پر جہاں موجودہ نمبر ۲۲۱ ب یعنی ہے بلڈنگ سوسائٹی کا دفتر ہے ہاں دس سال قبل شرک ہومز کی باقیات اور اس کے متعلق اخبارات اور کتابوں کی نمائش بھی ہوئی تھی بعد ازاں نار تھمبر لینڈ یونیو

کے ایک طعام خانے اور چراب خانے کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں شرک ہومز کے مومی ماڈل کے ساتھ ان سب چیزوں کو محفوظ کر دیا گیا ہے اب اس پب کا نام ہی شرک ہومز ہے سٹرینڈ سے نارٹھمبر لینڈ یونیو میں مڑیئے تو سرے پر آپ کو یہ پب نظر آئے گی مناسبت یہ ہے کہ شرک ہومز کے مشہور ناولٹ آتشی کتا کا ہیرو نواب باسکرویل لندن میں اس مقام پر نارٹھمبر لینڈ ہوٹل میں ٹھہرا تھا چیئرنگ کراس کے اسٹیشن سے یہ جگہ بہت قریب پڑتی ہے۔

بیکرا اسٹریٹ کے ٹیوب اسٹیشن سے باہر نکلیئے تو بیکرا اسٹریٹ کا کچھ حصہ دہنے ہاتھ پڑتا ہے کچھ میری بون اسٹریٹ پار کرنے پر شروع ہوتا ہے ۱۸۹۰ء کے قریب بیکرا اسٹریٹ کے مکانوں کی نمبر شماری دوبارہ ہوئی تھی اس لئے ۲۲ بی کا اس مقام پر ہونا ضروری نہیں جہاں اب یہ یا نمبر ۲۲ ہے یا نمبر ۳۱ ہے مختلف لوگوں کی رائیں اس بارے میں مختلف ہیں بلکہ جھگڑا بعض اوقات تلخی بھی اختیار کر لیتا ہے ہم جن نمبروں کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ نمبر ۴۹، نمبر ۱۹، نمبر ۲۱ اور نمبر ۱۰۹ وغیرہ کے بھی دعویدار رہیں ایک شخص دلیلوں سے اپنی بات کو ثابت کرتا ہے شرک ہومز کے دولت خانے کو اس جگہ پر ہونا چاہیئے جہاں اب نمبر ۳۱ ہے لیکن راہ مضمون تازہ بند نہیں بیکرا اسٹریٹ کے بہت سے گھر اب بھی روایتی طرز ہیں لیکن بعض جگہ پرانے گھر گرا کر آفس بلاک تعمیر کر دیئے گئے ہیں ۱۹۶۱ء میں ہم نے جو کیفیت دیکھی تھی وہ ۱۹۶۷ء میں نہ تھی اور ۱۹۶۷ء کا نقشہ آج نہیں ہے جو گھر رہ گئے ہیں چند سال بعد وہ بھی نہ رہیں شرک ہومز کے حریف مشہور بد معاش پروفیسر موریارٹی کے آدمیوں نے شرک ہومز پر خاموش بندوق سے گولی چلا کر اپنی دانست میں اس کا کام تمام کر دیا تھا لیکن وہ ڈال ڈال یہ پات پات شرک ہومز نے خطر کی پیش بینی کرتے ہوئے اپنی کرسی پر اپنی شکل کا ایک مومی مجسمہ بٹھا رکھا تھا اور اس واردات کے بعد مجرموں کو گھیرے میں لے لیا تھا پس شرک ہومز کی قیام گاہ کا پتہ چلانے والوں کو یہ نشاندہی بھی کرنی پڑتی ہے کہ خالی مکان کون سا ہے جس کا نام کہانی کی رو سے کیمڈن ہاؤس تھا بہت برس ہوئے ایک امریکی ڈاکٹر گرے برگس نے ساری گلی کی پیمائش کرنے کے بعد کہا تھا کہ نمبر ۱۱۱ کا مقام ہی اصل

میں ۲۲۱ بی تھا کیونکہ اسکے سامنے کے خالی مکان کے عقبی احاطے میں وہ داخل ہوئے تو وہاں کیمڈن ہاؤس کا بورڈ لگا تھا بعد کے تحقیق نے اس تحقیق کت یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ مکان تو ٹیوب اسٹیشن کے قریب قریب سامنے ہے اتنا نزدیک ہے کہ آدمی پیدل آنا پسند کرے گا جبکہ فلاں کہانی کا موکل ٹیوب پر سے اتر کر گھوڑا گاڑی لے کر شرک ہومز تک پہنچا تھا اس مقام پر اب پوسٹ آفس ہے برنارڈ ڈیویر اور بیرنگ گولڈ کی تحقیقات کے مطابق نمبر ۳۱ کا مکان اصل میں ۲۲۱ بی تھا اب یہاں ایک آفس بلاک ہے اور اس کے سامنے ہماری نظر میں بھی شرک ہومز کا مطلوبہ مکان موجودہ نمبر ۳۱ ہی ہے اور خالی مکان ۳۲ نمبر ہے لندن آنے والے صاحبان جو شرک ہو مزیات کے رسیا ہوں ان کی پہچان کے لئے تھوڑی سی مزید تفصیل دینا مناسب نہ ہوگا خالی مکان کے عین عقب میں کینڈل پیلس ہے یہاں سے احاطے کا پھانک پار کر کے شرک پومزاور وٹسن اندر داخل ہوئے تھے اپنے دشمنوں کو دبوچنے کے لئے اس احاطے میں ہم بلینڈ فورڈ اسٹریٹ سے بھی داخل ہو سکتے ہیں اور جارج اسٹریٹ سے بھی زیادہ تر اس میں گیراج ہیں خالی مکان کے عقبی صحن میں بھی دو منزلہ سا کمرہ ہے اور اس کے سامنے ایک گمنام سے پبلشر کا دفتر rcger schiesing ublishe ہم بلینڈ فورڈ اسٹریٹ کی طرف سے اس احاطے میں داخل ہوئے جسے میوز بھی کہہ سکتے ہیں تو دیکھا کہ داخلے کے دروازے کے عین سامنے دیوان عم ریستوران کے نام سے ایک ہندوستانی یا پاکستانی ریستوران ہے دوسری طرف جارج اسٹریٹ کے سرے پر نکلے وہاں بھی دیوان عام ریستوران دیکھا ہمیں شبہ ہوا کہ ہم سمت بھول کر اس اسی راستے سے تو باہر نہیں آگئے دوبارہ دیکھا تو ان میں ایک ریستوران دوسرے کی برانچ ہے یا اس کا حریف غور سے دیکھا تو ایک نام سے پہلے چھوٹا سانیو بھی لکھا نظر آیا ان لوگوں کو کیا معلوم ہوگا کہ وہ ایک تاریخی مقام کے دونوں ناکے دبائے ہوئے ہیں ۔

## گلفام کو مل گئی سبز پری

آج کل تو یہاں ایک ہی موضوع ہے وہ ہے ہائی جیکنگ یعنی طیاروں کا اغوالوگ ہوائی جہاز میں سفر کرتے گھبرائے لندن کے ہوائی اڈے پر محاصرے کی سی حالت ہے پرندہ پر نہیں مار سکتا بعض برطانوی اخبار نویس اور رپورٹر بھی خوار ہو کر واپس آئے اور بی بی سی پر شکایتیں بیان کیں بی او سی اور دوسری مغربی ہوائی کمپنیاں مشرق کا رخ کرتی ہیں لیکن مجبوری اور سراسیمگی کی حالت میں پی آئی اے کو مسافر لوگ ترجیح دینے لگے ہیں ورنہ تو ہم کراچی سے لندن آئے تو جہاز میں نس گنے چنے مسافر تھے بیسیوں سیٹیں خالی تھیں۔

ہم مسافروں کے ابتلا پر خوش نہیں لیکن دوسرا پہلو یہ ہے کہ دنیائے جان لیا کہ ہاں گوریلے بھی وجود رکھتے ہیں بہت سے تن آسانوں نے نفرین بھی کی کہ دیکھو دنیا کی رائے عامہ تمہارے خلاف ہوئی جارہی ہیں شرافت برتو اس پران لوگوں نےء جواب دیا کہ دنیا کی رائے عامہ پچھلے بیس سال میں تو دنیا کی رائے عامہ ہمیں عن کی چپہ بھر زمین واپس نہیں دلا سکی اس معاملے کا اور لیلی خالد کے معاملے کا تو اس کتاب کے چھپنے تک فیصلہ ہو چکا ہوگا لیکن یہاں یہ دیکھ کر عبرت ہوتی ہے کہ جب تک سوس ایئر اور ٹی ڈبلیو اے کے جہازوں کا معاملہ اخباروں میں ذکر تو تھا لیکن واجبی جب بی۔او۔اے۔سی کے طیارے پر یہ افتاد پڑی تو اخبار چنگھاڑنے لگے کہ برطانوی بچوں کا سوال ہے یہاں ہیومن سوال بالعموم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب برطانوی جانیں خطرے میں ہوں عربوں پر کچھ گزر جائے یا کالے افریقیوں پر یا سپلے ایشیائیوں ہر اس وقت انگریز اپنی سرد مزاجی اور وضع داری کا کنٹوپ پہنے رہتا ہے۔

ماننا پڑے گا کہ ہمارا ملک ابھی بہت پسماندہ ہے بوس دکنار وغیرہ تو بڑی چیزیں ہیں نگاہ التفات تک کے لئے لائسنس مطلوب ہوتا ہے اور شادی کے لئے لڑکی کا پابند صوم و صلوة اور سگھڑ اور قبول صورت ہونا شرط ہے اور لڑکے کے لئے ضروری ہے کہ گزیٹیڈ افسر ہو عالی خاندان ہو، پنجابی اور اثنا عشری کو ترجیح دی جائے گی وغیرہ یہاں طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری اگلے روز آکسفورڈ اسٹریٹ پر جائے ہوئے ہم ایک جگہ ٹھٹکے

بڑے بڑے حرفوں میں لکھا تھا آئیے آئیے نئے نئے دوست بنائیے دوستی بڑی اچھی چیز ہے اور شاعر تک مصیحت کر گیا ہے تو برائے وصل کردن آمدی پردیس میں تو یوں بھی بے یاری و مدد گاری کا سماں ہوتا ہے ہم نے قریب جا کر دیکھا تو کونٹر پر کھڑی دو یزہ نے ہمیں ایک فارم تھا دیا اور ایک داڑھی والے نوجوان کا کھڑے کھڑے بوسہ لیا ہم نے رشک کیا کہ کاش یہ فارم ان صاحب کو دیا جاتا اور شاید جلدی میں گر بڑ اور ردوبدل ہو گئی ہوتی ۔

یہاں کمپنیاں تو کئی ہیں جو کئی سال سے یہ کام کر رہی ہیں اور مدعی ہیں کہ یہ سلسلہ بڑا کامیاب رہا ہے اس عشق کو دیکھو جادو گری گلغام کول گئی سبز پری طریقہ اس کا یہ ہے کہ فارم بھر کر دیجئے کہ آپ کو کس قسم کی کس ناک مقشے کی دوست چاہیے یا اگر آپ مونٹ ہیں تو مذکر میں کن خصوصیات کی طالب ہیں آپ کی یہ معلومات ایک کمپیوٹر کے سپرد کر دی جائیں گی اور اس پہلے آپ سے پانچ پونڈ لے جائیں گے کمپیوٹر میں ہزاروں امیدواروں کے نام پتے ولدیت سکونت محفوظ ہیں وہ ایسے رفیق جن ہیں مطلوبہ خصوصیات ہوں تلاش کر کے آپ سے ملا دے گا۔ آپ کو ان کے نام پتے بتا دے گا۔ آپ رابطہ قائم کیجئے اور سوالات اس فارم میں یہ ہیں

۱۔ بال کیسے مطلوب ہیں، اور آپ کیسے ہیں

۔ چھوٹے درمیانے درجے کے یا لائے ؟

۲۔ عمر، ۱۷ سال ۱۸ تا ۱۹ سال ۲۰ تا ۲۲ سال ----- الخ

آخری خانہ ہے ۶۱ سال یا اس سے اوپر ؟

۳۔ قد پانچ فٹ سے کم پانچ فٹ دو انچ ----- الخ

آخری خانہ ہے ۶ فٹ یا اس سے زیادہ

۴۔ طبقہ۔۔ مزدور طبقے کی لڑکی چاہیے متوسط طبقہ اونچا طبقہ ؟

۵۔ تعلیم۔۔۔ معمولی میٹرک کالج کی ؟ یونیورسٹی کی ڈگری یافتہ ؟



۶۔ صورت و شکل معمولی؟ قبول صورت؟ بہت خوبصورت؟

۷۔ کیسی؟ دوشیزہ؟ بیوہ؟ طلاق یافتہ؟

۸۔ رنگ۔۔۔۔۔ زرد؟ گندمی سفید؟ چینی جاپانی قسم کا؟ ہندوستانی پاکستانی قسم کا؟ افریقی

۹۔ تن و توش۔۔۔۔۔ موٹی درمیانہ، چھرا برا بدن؟

۱۰۔ مذہب۔۔۔۔۔ پروٹسٹنٹ۔ رومن کیتھولک؟ یہودی؟ لاندھب؟ کوئی اور مذہب؟

۱۱۔ سیاسی خیالات۔۔۔۔۔ بائیں خیال کی دائیں خیال کی؟ سیاست سے دلچسپی نہ رکھنے والی۔

۱۲۔ پینا پلانا۔۔۔۔۔ باقاعدہ پینے والی یا کبھی کبھار؟ نہ پینے والی؟

۱۳۔ سگریٹ نوشی۔۔۔۔۔ باقاعدہ کبھی کبھی؟ کبھی نہیں؟

۱۴۔ پیشہ۔۔۔۔۔ نوکر پیشہ کلرک۔ بیروزگار۔ دستگار، طالب علم، ڈاکٹر یا نرس سیکرٹری پیشہ ور

۱۵۔ دلچسپیاں۔۔۔۔۔ یہ بہت لمبا خانہ ہے اس میں پوشھا گیا ہے کہ کس مضمون یا کس کھیل سے دلچسپی ہے اس

لٹرچر سے گھر سواری تک اور لوگ سنگیت سے خوش خوری آثار قدیمہ سے تاش کھیلنے تک کے مضمون آگئے

ہیں۔

۱۶۔ آپ جنسی طور پر کیسے ہیں؟ نا تجربہ کار؟ متوسط؟ بہت تجربہ کار؟

۱۷۔ آپ کو کیسی رفیق چاہیئے؟ نا تجربہ کار؟ متوسط؟ بہت تجربہ کار؟

۱۸۔ رویہ۔۔۔۔۔ اس میں جن سوالات کے جواب دینے ہوتے ہیں

نمونہ

۱۔ کیا کمیونزم ایسی لعنت ہے جس کا روئے زمین سے قلع قمع کرنا ضروری ہے؟

۲۔ کیا حکومت کو نجی صنعتوں میں دخل دینا چاہیئے؟

۳۔ کیا ہمیں بڑے بڑھوں کی بات ماننی چاہیئے؟

۴۔ کیا ہم سب شادی کے بغیر تعلقات کی آزادی ہونی چاہیے؟

۵۔ کیا آپ پارٹی میں اجنبیوں سے بے تکلف ہو سکتی ہیں؟

۶۔ کیا آپ کو پڑھنا پسند ہے یا ٹیلی ویژن دیکھنا؟

۷۔ کیا آپ بائبل کو سچا جانتے جانتی ہیں

ڈیلی ٹیلی گراف میں ایک صاحب آئن کر چننے نے مضمون لکھا ہے انھوں نے کمپیوٹر میں اپنا نام دیا تھا اور اس نے دس لڑکیوں کے پتے ان کو دیئے انھوں نے اپنی ضروریات یہ بیان کی تھیں کہ لڑکی ۲۳ یا ۳۲ کے سال کے درمیان ہو قد زیادہ سے زیادہ ۵ فٹ ۱۰ انچ کیونکہ خود یہ ۹ انچ تھے موٹی پتلی اور روغن کے معاملہ خاصی وسیع النظری کا ثبوت دیا تھا لکھتے ہیں -

کمپیوٹر جن لڑکوں کے پتے دیئے تھے ان میں دو نے اپنا فون نمبر بھی دیا تھا میں نے فون کیا دونوں باہر گئی ہوئی تھیں اور لوگوں کو بھی ان کے پتے اور نمبر دیئے گئے ہوں گے دوسری دو کو میں نے خط لکھے اور ملنے کی دعوت دی ان میں سے ایک کا فون آیا مس مینی نام تھا میں نے کہا آج شام فلاں تھیٹر میں ملیں اس نے کہا بسرو چشم بلکہ مجھے آ کر لے جائیے -

میں نے کہا - میرے لئے کار کارائے پر لینا اور پھر آنا اور پھر تھیٹر کے وقت تک پہنچنا مشکل ہے -

بولیں تو کیا آپ کے پاس اپنی کار نہیں میں نے بہت موزرت کی کہ نہیں ہے وہ بولیں ، میرے تمام دوستوں کے پاس کاریں ہیں میرے سابق شوہر کے پاس بھی کار تھی میرے لئے کسی ایسے شخص سے دوستی کرنا مشکل ہے جس کے پاس کار نہ ہو معاف فرمائیے -

یہ کہہ کر فون بند کر دیا ،

میں مایوس ہو کر چلا گیا تھا کہ ایک لڑکی کا فون آگیا اس کو میرا پتہ دیا گیا تھا میں نے کہا میرے

پاس کار نہیں ہے وہ بولیں - کوئی مضائقہ نہیں میرے پاس ہے شام کو فلاں جگہ ملیں یہ فون بند کیا ہی تھا

کہ ایک دوسری اور اپنی داستان بیان کی کہ میرا میاں پولیس میں ہے میرے اتنے بچے ہیں اور میں میاں سے علیحدہ ہونے والی ہوں۔۔۔ اور۔۔۔ یہ۔۔۔ اور وہ

یہ بور ہو گئے۔۔۔۔۔ معاملہ ختم

آگے ان کی داستان لمبی ہے کسی سے ملنے کے لئے کیا نشانی مقرر کی جاتی تھی میری ٹائی فلاں رنگ کی ہوگی میرے ہاتھوں میں فلاں کتاب ہوگی وغیرہ ان میں کوئی کسی دفتر میں سیکریٹری تھی کوئی ٹیچر تھی سبھی تنہائی اور کسمپرسی کی ماری ہوئی یا عیش و لذت کی دلدارہ یہ سبھی سے ملے اور مل کر رہ گئے معلوم ہوا کہ بہت کم بلیں منڈھے چڑھتی ہیں لوگ اپنے کوائف غلط دیتے ہیں عمر کم کر دی یا رعب جمانے کو کہہ دیا کہ مجھے گھڑ سواری یا کوہ پیائی کا شوق ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ کال گرلز یعنی اوباش عورتیں بھی اپنے نام پتے کمپیوٹر میں دینے لگی ہیں یہ کمپنیاں کہتی ہیں اس کا تو ہمارے پاس کچھ علاج نہیں کمپیوٹر تو حساب کی چیز ہے محتسب یاد داروغہ تھوڑا ہی ہے۔

## ذکر برٹن صاحب کا

ہمارے لکھنو جانے کا باعث ہوس سیر و تماشا نہیں کچھ اور تھا لکھنو ہم نے مرزا غالب کی رعایت سے لکھ دیا ہے مراد لندن سے ہے جہاں سے ہم جیسے گئے ویسے ہی پھر کے آگئے ہیں دن تو فرائض منصبی کی انجام دہی میں گزرتا تھا صبح کہیں شام کہیں آج لندن میں کل مضافات میان ویک اینڈ اور شام کی فرصت کے لمحات لائبریریوں اور

زیارتوں میں گزرتے تھے خاص جستجو ہمیں سرر چرڈرین کے ذاتی کتب خانے کی تھی اور ان کا مقبرہ بھی دیکھنا مقصود تھا جو مارٹ لیک کے قبرستان میں ہے اور ماربل ٹینٹ یعنی خیمہ مر مر کہلاتا ہے بہت دنوں لوگوں سے پوچھتے پھرے کہ مارٹ لیک کہاں ہے اور اس کا قبرستان کہاں کوئی نہ بتا سکا بڑی مشکل سے پتہ چلا اور ایک روز ہم ۹ نمبر کی بس میں سوار ہو کر ہیمر سٹھ روانہ ہوئے ہیمر سٹھ سے دوسری بس لی اس کا نمبر بھی یہی تھا آخر اس کی منزل بھی آگئی بس گیراج میں چلی گئی اور ہم کھڑے رہ گئے علاقہ یہ مارٹ لیک ہی کا تھا لیکن قبرستان ایک بھلے مانس نے بتایا کہ آپ سیدھے جائیے پھر داہنے پہاٹھ مڑیے ریل کا پل آئے گا اس کو پار کر کے لائن کی دوسری طرف اتریے اور بائیں ہاتھ چلنا شروع کر دیجئے تا آنکہ قبرستان کا پھاٹک دکھائی دے آخر قبرستان آگیا گورے قبرستان کا ماحول عجیب پرسکون ہوتا ہے درخت سائے چلیں کتے آدم نہ آدم زاد ہم نے نظر دوڑائی جو نقشہ خیمہ مرمر کا ہماری مظر میں تھا اور جس کی ہم نے تصویر دیکھ رکھی تھی کہیں نظر نہ آیا ہم نے کتبے پڑھنے شروع کئے کہ شاید مقبرہ ۱۸۹۰ء اور آج کے درمیانی ۸۰ برسوں میں ڈھے گیا ہوگا بڑی پرانی قبریں تھیں انیسویں صدی کے شروع زمانے کی بھی درختوں کے جھنڈوں میں بھی جادیکھا آخر ایک شخص مشین سے گھاس کاٹتا نظر آیا اس سے ہم نے پوچھا بابا سرر چرڈ برٹن کی قبر کہاں ہے اس نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن تلاش میں ہمارے ساتھ شامل ہو گیا آخر اس نے کہا لائن کے پار جدھر سے آپ آئے ہیں ذرا آگے چلئے تو گر جا کی اوٹ میں رومن کیتھلک تھی برٹن کے دوسرے رشتہ داروں اور دوستوں کی مخالفت کے باوجود نہ صرف برٹن کی آخری رسوم رومن کیتھلک طریقے پر سرانجام دیں تھیں بلکہ اسے دفن بھی کیتھلک قبرستان میں کیا تھا حالانکہ برٹن پیدائش سے پروٹسٹنٹ تھا اور عقیدہ تا عیسائیت بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا تھا واللہ اعلم بالصواب اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کسی مذہب کا وہ قاتل تھا تو وہ اسلام ہی تھا میور نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق جو زہر ناک کتاب لکھی تھی سر سید نے اس کے رد میں خطبات احمد یہ لکھے برٹن نے برٹن نے بڑے معقول طریقے پر اس کا رد کیا تھا اور اس کا جو مقالہ کیا تھا اور اس کو جو مقالہ اسلام پر اس کی موت کے بعد شائع ہونے والی کتاب the jew the gypes and

اسلام میں شامل ہے اس سے بھی یہی گمان ہوتا ہے ۔

خیر تو ذکر قبرستان کا تھا ہم اُلٹے پاؤں لوٹتے ریل کا پل جو چھوٹا سا اور ٹیڑھا میڑھا نہ جانے کس زمانے کا ہے اور سیڑھیوں والا یعنی پیدل والوں کے لئے ہے۔ اسے نپار کر کے سڑک پر آئے، وہاں سے آگے چلے۔ بیس تیس قدم پر داہنے ہاتھ ایک گر جا دیکھا، ویران سا، اس کے صحن میں کچھ کاریگر لکڑی کا کام کر رہے تھے، لیکن ہم چپ چاپ اس کے عقب سے چلے آئے۔ یہاں قبرستان تھا، بہت مختصر سا، اس میں گھنٹوں گھنٹوں گھاس جھڑیاں اور بڑے بڑے چھترے والے درخت جانے کیا تھے۔ چھوٹے چھوٹے لڑکوں غول پتھر مار مار کر کچھ جھاڑ رہے تھے۔ ہم یونہی گر جا کے عقب میں جا کر دہینے مڑے۔ خیمہ مرمر سامنے تھا قبروں کے بیچوں بیچوں گھاس سے گزر کر ہم وہاں پہنچے ۔

جانے کتنے دنوں بعد وہاں کوئی شخص آیا ہوگا۔ تو یہ تھا خیمہ مرمر اس شخص کی آخری آرام گاہ جو دنیا بھر کی خاک چھانتا پھرا۔ صورت حال واقعی عرب خیمہ کی سی تھی۔ اور اس کے حاشیے پر چاند ستارے بنے ہوئے تھے۔ اور چوٹی پر سہ ستارہ اور شکنس بھی بنی ہوئی تھی۔ لیکن خیمہ کے رنگ ملکچی اور سیاہ ہے مال جانے کیا ہوگا۔ مرمر تو قطعی نہیں ہے کیونکہ ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ نمی سے پھول کر اوپر کی تہہ چٹچ گئی ہے ۔ اور اندر سیمنٹ کا مسالہ نظر آرہا ہے۔ اس خیمہ کا دروازہ پہلے کھولا تھا اور برٹن کی بہوہ جس کا چھ سال بعد ۱۸۹۶ء میں انتقال ہوا، بعض اوقات اس خیمہ میں آکر رہتی ہے۔ اونٹوں کے گلے میں ڈالنے کی گھنٹیاں اس کے اندر لٹکی رہتی تھیں۔ اب تیغہ شدہ دروازے پر سیمنٹ کی ایک کتاب رکھی ہے جس پر میاں بیوی کے نام رقم ہیں۔ اس سے کچھ فاصلے پر پتھر کی ایک مستطیل لوح ہے جس کے ابھرے ہوئے حروف میں کچھ جھڑ چکے ہیں کچھ باقی ہیں گھاس کو ہٹا کر ہم نے یہ عبادت نقل کی،،

## رچرڈ برٹن

الوداع اے دوست اے عزیز دوست، اے عظیم اور مرحوم ہستی، زندگی ختم ہوئی، اس کی بے پناہ مسرتوں کے بعد اور بے پناہ خطرات بھی۔



وہ جس کے لئے جان جوکھوں کے کام ہنسی کھیل تھی۔ جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیزے خنجر اور گولی کے مقابلے مامون اب مصاف ہستی سے منہ موڑ کر یہاں چپ چاپ آرام کر رہا ہے۔ لیکن انگلیٹان اس عزیمت کی غم زدہ بیوہ کے ساتھ نوحہ کناں ہے۔

اس دریا کے آخری اور عظیم ترین نائٹ برطوانی سلٹو اور عرب شیخ مشرق کے اور الف لیلی کے لازال عجا ب کے عاشق جس کی روح ابد تک تازہ مہو کیلئے بے تاب رہے گی الوداع۔

الف لیلی کے مترجم برٹن عجیب غریب شخص تھا، اور شاید ہی کسی اور شخص میں اتنی ساری خوبیاں ایک ساتھ جمع ہوئی ہوں، الف لیلی کا ترجمہ ہی زندگی بھر کا کام ہے، جسے اس نے تین چار سال میں بنایا اس کے علاوہ بھی کوئی پچاس کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں جن میں چار پانچ سندھ کے متعلق ہیں یہ سر چارلس نے کے زمانے میں

۱۸۴۲ء میں ہندوستان آیا تھا، پہلے بھی بڑودہ میں رہا، پھر کراچی آیا، اس وقت وہ فوج، میں لفٹیننٹ تھا۔ بعد ازاں سروے کے محکمے میں چلا گیا، یہ ۲۹ زبانوں کا ماہر تھا، جن میں یورپ کی قریب قریب ساری زبانوں انگریزی فرینچ ہسپانوی، اطالوی، جرمن، پرتگیزی، لاطینی یونانی کے علاوہ اردو، ہندی، سنسکرت، فارسی عربی، ترکی، گجراتی، سندھی۔ مرہٹی ملتان، جس کی گرامر بھی اس نے لکھی ہے۔ اور چینی وغیرہ شامل ہیں، بعض کتابیں تو بڑن کی ذاتی لائبریری میں اسی دیکھیں جس کا رسم خط معلوم کیا ہے، ہاں ارفیقی زبانوں کا اہم ذکرنا بھول گئے اور وہ کتابی کیڑا ہی نہیں مہم باز بھی تھا اس نے مسلمانوں کے بھیس میں جج کیا۔ اور تین جلدوں میں زیارت حریم شریف کا

سفر نامہ لکھا a piljir mage al maddena and maccab

افریقہ میں حرار گیا، حبشہ کے اس شہر ممنوع میں اس سے پہلے کوئی یوہین نہ گیا تھا، پھر دھونی کے بادشاہ دربار میں گیا، پھر نیل کا منبع تلاش کرتا پھر زخمی ہوا، بیمار ہوا، قید ہوا، اس سیاحت اور مہم کا احوال لکھا اور مغربی افریقہ کے ضرب الامثال جمع کئے، ایک کتاب زنجبار کے بارے میں بھی ہے، مصر کے صحرائے سینا میں سونے کی تلاش میں کانکنی بھی کی اور اس کی لائبریری میں بہت سی کتابیں کمیسٹری اور

انجیر نگ پر بھی ہیں ، اور قریب قریب ہر کتاب پر اسو کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تفصیلی حاشے ہیں پھر امریکہ گیا ، ایک کتاب برازیل پر ہے ، ایک یورا گوئے پر ، ایک سالٹ لیک امریکہ کے مورمون فرقے کے پیغمبر کے بارے میں بھی جس سے یہ ملا تھا ، اور ہاں دمشق کے متعلق اس کی تصنیف کا ذکر کرنا ، ہم بھول گئے جہاں یہ ۱۸۷۰ء کے قریب برطانوی قونصل تھا ، مراکش جانے کا متمنی تھا لیکن اس کی اکھڑ طبیعت نے دشمن بہت بنائے تھے ۔ مراکش کے بجائے اسے ٹریس بھیجا گیا ، الف لیلی کا ترجمہ اور پرفیوڈ گاڈن وغیرہ ، اس زمانے کی تالیف ہیں ، اس کا انتقال ٹریسٹ میں ہوا اس کی ایک معرکتہ آرا کتاب شمشیر یعنی دنیا جہاں کی تلواروں کے بارے میں ہے ، اور ایک رسا bio netell سنگین کے استعمال پر بھی جو بعد ازاں برطانوی فوجوں کے نصاب میں شامل ہوا ، ، بہادر علی حسینی کی اخلاق ہندی فورٹ ولیم کالج میں چھاپی ہے ، اس کا ترجمہ بھی اس نے کیا تھا ، جو مسودے کی شکل میں رکھا ہے ، اور حافظ کی غزلیات کا ترجمہ بھی ہم نے دیکھا ، نا صاف مسودے کی صورت میں جس کا اس کے سوانح نگاروں نے کہیں ذکر نہیں کیا ، جب یہ مارا ہے ، تو کوئی پچیس تیس کتابیں مسودے کی صورت میں تھی بعض قریب قریب مکمل بعض ناتمام بیوی اس کی عجیب عورت تھی ، اس نے گھر کے دروازے بند کئے ، اور برٹن کے مسودے اور کاغذات جلائے شروع کئے ، کوئی ایک ہفتہ تک وہ جلاتی رہیں اس میں اس کا روزنامچہ یعنی جرنل بھی تھا جو وہ باقاعدگی سے چالیس سال تک لکھتا رہا ، اور آج موجود ہوتا تو جانے کتنے انکشافات اس کی بدولت ہوتے ، اس کا کہنا کا تھا ، کہ برٹن میں نے خواب آکر مجھے ہدایات کی ، وہ بھی زبانی نہیں بلکہ اس کے بشرے سے میں نے معلوم کیا کہ اس کے مسودے جلا دیئے جائیں اس بی بی نے یہ کیا اور ساری دنیا اب تک اس کو نفرین کرتی ہے اس خاکسار نے برٹن کی سوانح لکھنے کا بیڑا اٹھایا ہے جو بلاد مشرق میں اس کی زندگی کو محیط ہوگی خصوصاً سندھ کے دوران قیام اور حج کی سرگزشت اور دریائے نیل کی دریافت کا معرکہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی لائبریری کی بہت سی کتابیں چند اور مسودے بھی آتش زنی سے محفوظ رہ گئے اور آج لندن میں royal ant hropological society کے کتب خانے میں ان کا ایک کمرہ ہے اور اسی کمرے میں

ہم ایک روز قید ہو کر رہ گئے تھے ،

یہ کمرہ عموماً نہیں کھولا جاتا اور بیڈ فورڈ سیکورڈ میں برٹش میوزیم سے کچھ دور نہیں ، عمارت کی سب سے اوپر کی منزل پر ہے ، صرف برٹن پر تحقیقات کرنے والوں کے لئے کھولا جاتا ہے ، اس میں کتابیں زمین سے چھت تک الماروں میں لگی ہیں ، اور کچھ فرش پر ڈھیر ہیں ، ہر طرف سیاہی اور گرد کا پہرا ہے۔ ہم کئی دن تک جاتے رہے ، اور گھنٹوں کتابیں دیکھا کرتے اور نوٹ لیتے زیادہ جستجو اس بات کی تھی آیا برٹن کی کوئی تحریر کسی مشرقی زب خصوصاً اردو میں فارسی میں عربی میں ہندی میں سندھی میں ، کوئی کتابیں اور لغت ان زمانوں کے اس کے پاس تھے اور غیر مطبوعہ مسودوں میں سندھ اور کراچی کا ذکر ہے۔ ہفتہ اور اتوار کو لائبریری بند رہتی ہے ایک روز جمعہ کو ہم قریب دوپہر جو بیٹھے تو معلوم نہیں کب شام ہو گئی ہم تنہا باقی سب لوگ لائبریرین وغیرہ نیچے کی منزل پر ، کپڑے اور ہاتھ گرد اور سیاہی میں سن گئے۔ جانے ہمارے ذہن یہ کیوں تھا کہ لائبریری چھ بجے تک کھلی رہے گی ۔ ہم چھ بجے کے بعد بھی روکے رہے کیونکہ اس لائبریری میں مطالعے کا ہمارا آخری دن تھا پیر کی صبح ہمیں پیرس روانہ ہونا تھا چھ بجکر پچیس منٹ پر ہم نیدروازہ بند کیا اور چابی نیچے دینے کے لئے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہو کا عالم ہے سارے کمرے بند کہیں روشنی نہیں صدا دروازے بند اور ہماری چیزیں بستہ ، بریف کیس ، اور متفرقات بھی نیچے لائبریری کمرے میں بند رہ گئی اب کیا کیا جائے نہ خادم نہ چوکیدار ، نہ گھنٹی نہ ٹیلی فون ، یا اللہ کل چھٹی پرسوں چھٹی ، یہ چابی تو ڈاک سے بھی پہنچا سکتے ہیں لیکن اپنی چیزیں کیسے بازیاب کریں لائبریری پیر کی صبح دس بجے کھلے گی اور دس ہمیں ایئر ٹرینل پر پہنچنے کا حکم ہے اور ہم یہاں بند رہ گئے تو دو دن تک کھانا بلا کھائے پیئے کیسے گزرے گی نیچے جا کر عقبی دروازہ کھولا وہ بھی ایک بند اور ویران احاطے میں نکلتا تھا آس پاس کی چھتوں پر کوئی آدھی نہ تھا بیشک کمرے کی کھڑکی سامنے کی سڑک پر کھلتی تھی اس سے کسی کو اشارہ کیا جاسکتا تھا اور کمند کے سہارے نکلا بھی جا سکتا تھا لیکن ہماری چیزیں ، کتابیں ، بریف کیس ، ہی میں ہمارے پیسے وغیرہ تھے ایک بار پراگ میں بھی ہم پرانے

یہودی قبرستان میں بند ہو گئے تھے اور چوکیدار باہر سے [پھاٹک مقفل کر کے چلا گیا تھا اور آج یہاں۔۔۔  
لیکن خیر ہم نکل ہی آئے کیسے نکلے اور کیسے پیر کی صبح ہمیں ارل کورٹ سے بھاگ کر آنا پڑا اور کیسے محض  
اتفاق سے ہماری چیزیں مل گئیں اور کیسے وکٹوریہ ایئر ٹرینل پہنچنے میں ہم فقط آدھ گھنٹہ لیٹ ہوئے یہ الگ داستان  
ہے۔

## لندن کو ٹاٹا

ہم لندن سے گرمی کھاتے چلے تھے تو بھاری سوٹ اس خیال سے زیب تن کر لیا ترھا کہ پیرس میں ضرور سردی  
ہوگی یہاں بھی ایسی گرمی تھی کہ ہلکے سوٹ کو بھی گوارا نہ کرتی تھی بلکہ ایک روز تو قریب شام ہم قمیض ہی میں  
ایفل ٹاور کی طرف کو نکل گئے اسی شام کچھ بوندیں پڑیں رات کو خنکی ہوئی اور صبح ہونے تک صر صر چل رہی  
تھی اور خاصا ٹھنڈا موسم تھا لوگوں کے لئے اور کوٹ کا کیئے لیکن ہم یہ پالان اٹھانے کے قابل نہیں اس لئے  
بھی کہ ہمارے پاس نہیں کراچی سے اس لئے نہ لائے تھے کہ لندن میں دیکھا جائے گا لندن میں بس ایک روز  
ضرورت پڑی اور کوٹ کی تو نہیں بھاری رین کوٹ کی لیکن سوچا کراچی میں ایک بیکار پڑا ہے دوسرے کو  
کہاں رکھیں گے ہمارے دوست مرزا نسیم بیگ کو اسرار ہے اب کے تمہیں پیرس کی خزاں دکھائیں گے فلاں جنگل  
میں جائیں گے جہاں شاہ بلوط کے پیڑوں سے پتوں کے گرنے کا سماں عجب ہوتا ہے وہ خزاں کے اس نظارے کے  
عاشق ہیں ادھر ہمارا جی بیار دیکھنے کو چاہتا ہے اور اتفاق کہیے کہ جس ملک می جاتے ہیں وہاں خزاں ہی سے  
واسطہ پڑتا ہے خزاں یا تو پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے، یہ ہمارے ساتھ چلی جاتی ہے ہے کابل گئے تو  
درختوں پر ایک پتہ نہ تھا، اصفہان میں بھی پتے جھڑے تھے، اور شیراز لنڈ منڈ تھا، لندن ٹوکیو اور برلن میں  
خزاں کیا اور بہار کیا، بڑے شہروں میں لوگ برگ درختان سبز کو نہیں دیکھتے دوسری بہاروں کو دیکھتے  
ہیں مرزا نسیم بیگ کے سے لوگ کم ہوتے ہیں شہر میں رہے اور جنگل کی آرزو کرے

کل کا دن ہمارا بڑا بھرپور تھا، ہمارا کام یونیسکو ہی سے ہوتا ہے، سو وہ تمام ہوا، اب سین کے کنارے بل مش میں آوارہ خرامی سے ہمیں کون روک سکتا ہے، پیرس ہم دو تین بار پہلے آچکے ہیں لیکن لودھر کے عجائب گھر کو دیکھے بنا جاتے رہے اب کے ہم نہیں تہیہ کیا کہ لودھر دیکھے گے اور اس میں مونالیزا کی تصویر کو دیکھے گے، ورنہ ہمارے آرٹسٹ مزاج لوگ طعنے دینگے اور مونالیزا کو بھی شکایات رہے گی بس ہم نے اٹھائے ڈھول اورتا شے اور ایک یار عزیز کی ہمارا ہی میں لودھر کا راستہ لیا، لودھر ایک ڈنڈار جگہ ہے یہ محل چالیس ایکڑ کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے، یعنی روم کے وٹیکن محل کے تین گنا وسعت رکھتا ہے، اس کے مختلف حصے مختلف بادشاہوں کے دور میں بنے اور اس کی گیلریوں اور غلام گردشوں کا طول ساتھ آٹھ میل بنتا ہے ہماری یعنی برعظیم ہند کے محلوں میں کبھی وہ عظمت و شوکت نہیں رہی جو پیرس، روم دیا نہ یا یورپ کے دوسرے امصار میں دکھائی دیتی ہیں محلوں کے حجروں میں باریکی کا کام ہم جانتے ہیں لیکن وہ بھی ایران اور ترکی کے مقابلے کا نہیں محل دیکھنے ہو تو یورپ کے دیکھئے چین کے دیکھئے ترکی کے دیکھئے جبروت کے دیکھئے لیکن خیرلوور تو اب اپنے میوزیم کی وجہ سے مشہور ہے اس کے بعد ذخیرے برٹش میوزیم سے بھی بڑے بیان کیے جاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے اس میں آرٹ کے ذخائر یعنی تصویروں کے سلسلے بہت ہیں برٹش میوزیم میں پرانے آثار کی بھرمارے آرٹ گیلریاں الگ ہیں ہم نے آثار باقیہ بہت دیکھے لیے اور آرٹ گیلریاں بھی۔ لندن میں جینیوا میں۔ برلن میں ایمرڈم میں لیڈن میں پراگ میں ویانا میں قاہرہ میں کولمبو میں جاکرتا میں ٹیکن میں واشٹن میں یہاں کا شہرہ بھی سنا تھا اور پھر مونالیزا جس کی مسکراہٹ پر ڈھیروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

لودر کے چاروں طرف دروازے ہیں۔ پہلے تو یہ ہوا کہ ہم نے ایک دروازے سے داخل ہوئے اور دوسرے سے نکل گئے پھر دوسرے سے داخل ہوئے اور تیسرے سے نکل گئے پھر تیسرے سے داخل ہوئے اور۔ کہاں تک نکلتے رہتے یہی ٹکٹ ملتا تھا اور یہی سے عجائب گھر شروع ہوتا تھا۔ یونانی اور رومن اور مصری آثار سے ہم جلدی فارغ ہو گئے مشرقیات کو بھی بھگتایا اور آخری تصویروں کی گیلری تک پہنچ گئے میلوں نہیں تو فرلانگوں دیواروں پر تصویریں ٹنگی تھی۔ ایک سے ایک شاہکار۔۔۔ ان باکمالوں کے جن کے نام ہم نے سنے تھے اور جن کے نام نہیں



سنے تھے لیکن ہر کسی کو ہم نے گہبانوں سے یہی پوچھتے دیکھا کہ مونالیزا کس کمرے میں ہے گویا کسی کو اس کی فرصت نہ تھی کہ اپنی آنکھوں سے ان مصوروں کی کاوشوں کو دیکھے اور لطف اندوز ہو اور اپنی رائے قائم کرے۔۔۔ مونالیزا کا سنا تھا اور اسی کی تلاش تھی اور صاحبو۔۔۔ پراپیگنڈا بڑی چیز ہے ہم نے چھوٹی عمر میں دس بارہ سال کے سن میں مونالیزا کا ذکر پڑھا تھا اور اس کی تصویر نیرنگ خیال کے سال نامے میں دیکھی تھی جو کچھ ناقہ دانے کرام نے مونالیزا کی مسکراہٹ کے بام میں لکھا تھا انہیں پڑھ کر ہم متاثر ہوئے لیکن تصویر دیکھ کر نہیں پھر سیٹروں بار تصویر دیکھی اور آخر خیال کیا کہ یہ آخر نکلی ہیں اصل میں ضرور کوئی بات ہوگی، پس ہم لودر میں اسٹیٹ روم پہنچے تو دم بخود تھے۔ ایک تصویر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا صرف ایک تصویر کے گرد سرخ بانات کا فریم تھا اور اوپر شیشہ تھا۔ ہم نے اسے دور سیدھ دیکھا اور پاس سے دیکھا جی بہت کڑا کیا۔ لیکن صاحبو آپ لوگوں نے بھی یہ تصویر دیکھی ہے اس میں کوئی خاص بات ہے ایک عورت ہے اس کے جسم میں کسی طرح کی موزونیت نہیں۔ ایک چہرہ ہے جس پر کسی طرح کے جذبات نہیں۔ کسی طرح کی شوخی۔ غم کی کیفیت نہیں اور ایک مسکراہٹ یا نیم مسکراہٹ جو آپ کسی غنی شخص کے چہرے پر دیکھ سکتے ہیں لیونا روڈ ڈیونٹی کہ ہم بہت قائل ہیں اور اس کے شاہکار ہم نے دیکھے ہیں لیکن یہ تصویر؟ ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائے ایک بار اسے کسی نے چڑھا دیا باقی لوگ تقلیداً مکھی پر مکھی مارتے گئے اگر کسی کی رائے ایسی ہوئی جیسے ہماری ہے تو مروت کے مارے یا نقادوں کے ڈر سے چپ ہو گیا کہ بدذوقی کی تہمت نہ اٹھائے مونالیزا کے دلداد گان ہم پر نفرین بھیجنے سے پہلے ازراہ انصاف اس تصویر کو ایک نظر دیکھ لیں اور ایک بے ڈول غنی چہرے پر احمقانہ تاثر کو ملاحظہ فرمائیں جو مسکراہٹ بنتے بنتے رہ گیا ہے پھر جو جی چاہے ہمارے بارے میں کہیں۔ ہمارے ساتھ ہمارے جو دوست تھے وہ بھی پڑھے لکھے تھے وہ بہت کچھ آرٹ کھا بھی چکے تھے۔ لیکن اس بارے میں انھوں نے ہماری تائید کی اور کہا بھی کہ اس کی تعریف اس لیے کرتا تھا کہ دوسرے لوگ کرتے تھے اور دوسرے لوگ بھی اسی لئے کرتے ہونگے کہ ،،،،،،،،،،

انصاف پسند، اہل نظر سمجھدار قارئین، ہماری رائے سے اتفاق کرینگے صرف انہی کو ہم سے اختلاف ہوگا جو تقلید پسند، کم فہم اور متعصب قسم کے ہیں۔

## پیرس بھی کوئی شہر ہے

پیرس کو شہر خوباں کہا جاتا ہے اور اس کے نام پر لوگوں کو لہلوٹ دیکھا ہے لیکن یہ خوباں کہاں ہے ہمیں تو نظر نہ آئیں ہم خوباں کی دید کے لئے کسی خاص جگہ تو نہ گئے نہ جانے کے قائل ہیں کسی جگہ کے لوگوں حسن اور دلکشی کا انداز مختلف طبقوں کے ان لوگوں ہی سے لگایا جایا ہے، جو آپ کو گلیوں بازارں مہں نظر آتے ہیں، یا محفلوں میں آپ سے ملتے ہیں سچ یہ ہے کہ سو میں ایک صورت اسی نظر آئے گی کہ آپ اس پر نظر جمانا یا دوسری نظر ڈی لانا اچھی یا بری ہسند نہ کریں، پیرس میں مختلف جگہوں پر پیدل یا ٹیوب میں جاتے ہوئے ہم نے ایک دوست سے جو سال میں چار ماہ پیرس رہتے ہیں، اپنا یہ تاثر بیان کیا، بلکہ میٹرو میں نبھٹے نبھٹے کہا ہمارے ڈبے میں اس وقت تئیں چالیس عورت ہونگی ان میں بیس بچیس دس شیزگان، کیا کسی کی صورت ایسی ہے جس پر ہزار جان تو ایک طرف ایک جان سے بھی قربان ہونے کو جی چاہئے انھوں نے کہا تم سچ کہتی ہو، چہرے کی سفیدی اور سرخی کا حسن سے کچھ تعلق نہیں۔ حسن کا مطلب موزونی اعصا اور طرر اداری کا تناسب بھی بہت کم کچھ بات لباس کی بھی ہر سب باتوں کو ملا کر دیکھئے تو ہمارے یہاں قابل دید صورتوں اور سرا پاؤں کی فیصد تعداد یورپ کی صورتوں کے مقابلے میں پانچ گنا ہوگئی انگلستان کو تو ہم خیر ہم کسی شمار میں نہیں رکھتے دم تحریر پیرس کی بات کر رہے ہیں، یورپ اور سکنڈے نیویا کے آٹھ دس ملک کو بھی ہم نے دیکھے ہونگے یورپ ہی میں موانہ ٹھرے تو سوئڈن بھی اس معاملے میں فرانس پر فائق اسپین بیشک بہتر اور اٹلی اس سے بھی اچھا مشرق کی طرف آتے جائے مشرق وسطیٰ میں حسن ملاحات خاصی اگرچہ مصر میں امینہ بافر بھی مشرق بعید میں سانولے پن کے ساتھ نقوش کا تیکھا پن بھی بڑھتا جاتا ہے لہذا اور ہندوستان کے کیا کہنے ملایا میں ناک اتنی تیکھی نہیں رہی لیکن ملاحات اور ناز کی بہت یہی بات انڈونیشیا کی جانی ہے۔ فلپائن میں غنیمت جاپان میں حسن

کا تناسب تمیں فیصد کوریا میں کوئی صورت حال کہیں زیادہ بہتر اور تسلی بخش جزیرا ہوائی میں جہاں جنگل اور شہر مل گئے ہیں وہاں گندمی چہرے اور کالے بال لبھاتے ہیں اس سے آگے سمندر آجاتا ہے۔ امریکہ کہ خشک چہرگان جانے کیوں یوپر سے بہر حال شاید اچھے آب و ہوا کا دخل ہو لیکن پھر بھی ہائے دلی ہائے لاہور اپنے وطن اور اپنے برعظیم کی کیا بات ہے۔ آپ نے آب حیات میں جانی کبابی کی ہنڈیا کا حال پڑھا ہوگا۔ بس کچھ اس قسم کے اسباب جو ہمیں وطن میں روکے ہوئے ہیں ورنہ۔ خیر ورنہ ہم بھی اسی تنخواہ پر کام کرتے بعد ہمیں کون پوچھتا۔

ذکر پیرس کا تھا ہم آوارگی کی ترنگ میں ایران، تہران کی ہانکنے لگے اور جمالیات پر عالمانہ مقابلہ لکھنے لگے کہنا فقط یہ تھا کہ کہ پیرس نے ہمیں بھی مایوس کیا شہر میں کیا بات ہے درو دیوار صدیوں کی دھوؤں سے تاریک۔ سڑکوں پر بھی صفائی نہیں جو تصویریں آتی ہیں بس کارو کا ہجوم ہر جگہ میٹرو یعنی انڈر گراؤنڈ سفر لندن کے مقابلے میں خراب ٹیوب اسٹیشنوں پر اس کے لیٹر بس ایک آدھ جگہ ہے پرانا دھرنا ورنہ سیڑھیاں اترتے چڑھتے بے حال ہو جاؤ بعض سڑکیں اور چوک البتہ دیدنی ہیں مثلاً شانزے لیزے کی مشہور سڑک کنکارڈ سے اتوائیل تک جس کے دونوں طرف بڑے بڑے مغازے یعنی دکانیں اور اسٹور اس کی فرلانگ بھر چوڑائی سے عجیب وسعت کا احساس ہوتا ہے کنکارڈ کا میدان بھی کشادگی اور سبزے سے ممتاز ہے۔ ورسائی اور نوا حات کو چھوڑیے بیچ شہر کے ہم کسی کو حسین کہہ سکتے ہیں تو وہ ایفل ٹاور کے باغیچے ہیں اور فورارے ہیں اور سیر کی رویشیں ہیں یہاں بیٹھے ہم یہ سوچتے ہیں کہ پیرس والوں کے پاس ایفل ٹاور بھی نہ ہوتا کیا ہوتا؟ ایک بار تو سچ مچ اس کو ڈھانے اور ہٹانے کی تجویز بھی ہوئی تھی لیکن اس میں خرچ زیادہ پڑتا تھا عمارتیں اور محل بعض عظیم الشان ہیں لیکن روم اور وی آنا کی فکر کے نہیں دریائے سین پر بھی ہم نے کشتی کا پھیرا کیا اور مرغوب سڑک بلمش یعنی شاہراہ سان مثل سینٹ مائیکل پر آوارہ گردی کرتے رہے لیٹن کوارٹرز کی فضا میں عجیب لایا ابالیانہ پن ہے لیکن اس کا تعلق بھی حسن اور صفائی سے کم ہی سمجھئے یہاں ہمیں کے تھے اور اس ریستوران کی فضا بہت پسند آئی چھوٹا سا گھریلو ریستوران ہے جو چار سو برس کہنہ ایک عمارت میں واقع مشہور کیفے ڈی فلور بھی جو ایک زمانے میں سارتر کی بیٹھک کی وجہ سے

مشہور تھا اس کے قریب ہی ہے بیشک پیرس میں اور بھی سامان دلکشی کے ہوں گے جن میں ایک وائٹن ہے جس سے ہم بے نصیب ہیں اور وہ ٹھکانے جہاں ہماری رسائی نہیں نہ اراداری، نہ غیر ارادی پیرس کے چاہنے والے ہمیں کو سیں گے کم از کم اتنا کہیں گے کہ کیا جانتے تو نے اسے کس آن میں دیکھا لیکن اپنی اپنی نظر کی بات ہے یہ تو پیرس ع ہمارے مخدوم جناب حفیظ جالندھری نے تو اصلی جنت کو ایک مصرع میں میں رد کر دیا گیا تھا۔

کیا ہے جنت؟ چند حوریں، اک چمن، دوندیاں

ہم دو بارہ عرض کریں کہ شہر کی فضا بہت اچھی ہے اور اس کی صحبتوں اور گلیوں بازاروں میں بھی عجیب دلکشی ہے فقط نسوانی حسن کی معتد بہ کمی کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

## فرانسیسوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ

فرانسیسوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ اپنی زبان کو اس لہجی نہیں بولتے جس میں ہم چاہتے ہی کہ وہ بولیں تا کہ ہماری سمجھ میں بھی آئے اس میں سرا سر انہی کا نقصان ہے ہمارا اس میں کیا جاتا ہے اس روز بکثرت پیدل چلنے کے باعث ہماری انگلیوں پر جو گٹے پر چپکا دیں ان پر لگانے کے لئے ہمیں کارن کیپ چاہیئے تھے اردو فارسی میں ہمیں بہت آتی ہے اس میں بھی وہ بی بی کہ کیمسٹ کے کونٹر پر کھڑی تھی کچھ نہ سہی آخر ہم نے پاؤں کی انگلیوں کی پوروں کو ہاتھ لگایا اور منہ بنا کر واضح کیا کہ تکلیف ہوتی ہے تب اس نے شے مطلوبہ ہمیں تھمائی لیکن بارہ آنے کی چیز کے روپے پھر بھی لگائے فرانس میں ہمیں کسی چیز کی خریداری میں اگر ہم کوئی خریداری کی تو کوئی وقت پیش نہ آئی

اول تو قیمتیں لکھی رہتی ہیں جہاں نہیں وہاں بھی دکاندار کچھ بھی بتائے آپ ایک بڑا سائوٹ اندازہ کر کے اس کے حوالے کیجئے وہ باقی پیسے بھی دے دے گا ہم نے اتنے بڑے ملک چین کی سیر محض آداب عرض اور شکریہ یعنی فی ہاؤس اور شے شے کی مدد سے کر لی فرانس تو پھر چھوٹا ہے اس میں اگر ہمارا کام بوں ثور کڈ مارنگ اور مرسی بکو بہت بہت شکریہ چل رہا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہمارے ہوٹل کی چیمبر میڈ جسے ہم اے مائی کہہ کر بلاتے ہیں ہم سے طول طویل گفتگو فریج زبان میں کرتی ہے ہم سنتے رہتے ہیں اور خاموشی کو اور مسکراہٹ کو ترجیح دیتے ہیں یعنی اے مائی تیری بات ہم سمجھ گئے جو کچھ تو کہتی ہے ہے ٹھیک کہتی ہے لیکن ہم جواب دینا ضروری نہیں سمجھتے اگر تیرا مطلب ہے آج موسم اچھا ہے اور ہمیں باغ جو جانا چاہیے تب بھی مناسب مشورہ ہے اگر تیری تقریر کا مطلب ہے کہ اس ہوٹل میں بوٹ پالش کا انتظام ہے یا تو ہماری چادر بدلنے کے لئے ہمیں بستر سے اٹھانا چاہتی ہے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں ہماری خاموشی کا برا مت مان کیونکہ ہم خاموش طبع ہیں اور مسکرا اس لئے رہے ہیں کہ طبعاً خوش مزاج ہے۔

کوئی پوچھے کہ سینٹ مائیکل میں کیا خرابی ہے جو آپ کو ساں مشل کہتے ہیں کو شانز الیزے کہنا کہاں کی معقولیت ہے ہمارے ہوٹل کا نام ڈیوس ہے اول تو اتنا مشکل نام رکھنے کی کیا ضرورت پھر اسے ڈوکزنے وغیرہ کہنے میں کیا خرابی ہے معلوم ہوا یہ ڈوکیں ہے ویسے اچھا ہوٹل ہے ہمارا کام یونیسکو سے ہے اور دن بھر وہاں وقت کھو کر فقط رات کے وقت گھر پر ہوتے اس میں یہ خوبی ہے کہ یونیسکو سے قریب ترین ہوٹل یہی ہے اور لندن کے ہوٹل کے مقابلے میں سہولتیں بہتر دام آدھے سے بھی کم یہ سچ ہے اس ہوٹل کے کمرے میں ایسا ڈبہ نہیں جیسا لندن کے فل نیچ ہوٹل کے کمرے میں تھا جس کس کا ایک بٹن دبانے سے ہم نکل سکتی تھی اور دوسرا بٹن دبانے سے جن لیکن ایک ڈبہ اس میں بھی ہے جس کا نام مساج بوائے ہے یعنی ماشیا ہدایات پڑھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ڈبے میں ایک فرانک ڈالئے جو ہمارے روپے کے قریب قریب برابر ہے اور پلنگ پر لیٹ جائیے تو یہ آپ کی مالش کرتا ہے ہم نے ڈرتے ڈرتے ایک فرانک ڈالا اور پلنگ پر دراز ہو گئے یک لخت اس نے تھر تھرا نا شروع کر دیا پلنگ کے نیچے کوئی مشین چلنی شروع ہو گئی پندرہ منٹ تھر تھرانے کے بعد پیسہ ہضم تماشہ ختم لیجئے مالش گئی ہم نے دو تین فرانک گنوائیے کچھ مزانہ آیا مالش چیزے دیگر



است ہم نے خود کبھی نہیں کرائی لیکن لاہور میں ٹی ہاؤس کے سامنے اپنے ہم عصر ادیبوں کو کرسی پر بیٹھنے ماش کراتے دیکھا مالیشیا بدن کا جوڑ جوڑ اور بن بن دباتا ہے ملتا ہے گھستا ہے رگڑتا ہے توڑتا ہے جوڑتا ہے چپڑتا ہے اور گدگداتا ہے بات ہوئی نہ۔

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے بھلا وہ لہو کیا ہے

فرانسیسوں کو کھانے کا شوق مشہور ہے لیکن ہمیں اس کی داد دینے کا موقع زیادہ نہیں ملا کیونکہ ہمارے دوست مرزا نسیم بیگ ہمیں ہر روز نئی تو ہر دوسرے روز اپنے ہاں لے جاتے تھے اور پاکستانی کھانا کھلاتے تھے پاکستانیوں کی مدد و مدارات میں صاحب جوشائستگی اور ارضع داری جو مجسمہ ہے اتنی کاوش کرتے ہیں کہ عملاً انھیں پیرس میں کا آنا ری سفیر کہہ سکتے ہیں، البتہ باہر کہ ریستوران میں کھانے میں ایک روز غچہ کھا گئے۔ اور بیف، مچلی، مرغ کو گرائنسی میں کیا کہتے ہیں۔ اس کی کچھ شدید ہمیں ہے اور جانتے ہیں کہ بھنا مرغ ہے۔ لیکن ریستوران میں ہم گئے وہاں بلکہ مینو میں لکھا تھا سہی سہی یاد نہیں یہ یا اس سے کچھ ملتا جلتا نام تھا بھوک بہت لگ رہی تھی اور چوزے کی تکہ بوٹی کرنے پر آمادہ بیٹھے تھے کہ بیرے نے میز سجانے شروع کر دی اور ہمارے آگے بڑے شمشے لا کر رکھ دیئے مرغ کو چچے سے کھانے کا تجربہ نہیں ہمارے دوست کو جو ہمارے ہمراہ تھے کچھ شبہ بھی ہوا کہ آرڈر تو غلط نہیں ہو گیا پھر سوچا شوربے دار مرغ ہوگا اتنے میں ایک باقدحہ ہماری میز پر آیا اور اس میں کچھ کوئے کی چونچیں سی دکھائی دی اور سفید سفید شوربہ بیرے نے نہایت نزاکت سے ڈونیاں بھر بھر کر انھیں ہماری پلیٹوں میں ڈالا۔ اور کہا جان نوش فرمائیے ہم نے مری بو کہ کر دیکھنا شروع کیا کہ یہ کیا چیز ہے یہ سمجھی آیا کہ یہ سپیاں ہیں اور ان کے اندر للجلا سفید مادہ موتی نہیں تو گھونگے ہونگے جسے یورپ کے لوگ رغبت سے کھاتے ہیں ہمارا جی منغض ہوا پھر سوچا کہ تجربہ لکرنا چاہئے چچہ بھر کر منہ کے قریب لائے تو اس میں سے عجیب کھٹی کھٹی بو آئی۔ آخر اس کو وہی رکھا اور بیروں کو حیران چھوڑ کر دام دے کر چلے آئے پاس ہی دوسرا ریستوران تھا اس میں جا کر آلیٹ طلب کیا اب بھی خیال آتا ہے توجی میں جھر جھری سی اٹھتی ہے۔

کتابیں اپنے ابا کی ہم نے یورپ میں بہت دیکھی۔ انڈیا آفس لائبریری میں جو اب تک بلیک فرائز تروڈ پر ایک نئی شاندار بلڈنگ میں منتقل ہو گئی ہے۔ برٹش میوزیم میں اور اسکول فار اورٹھل اسٹڈیز کے کتاب خانے میں۔ لیکن ہمارا دل سی پارہ نہ ہوا۔ یہ سوچ کر کہ ہمارے یہاں یہ خزانے ہوتے بھی تو کبھی کے لوٹ جاتے کون ان کو سینت سینت کر رکھتا اور ان کی فہرست بندھی کرتا اور دوسروں کو دیکھنے دیتا۔ ان لوگوں نے کم از کم سلیقے سے محفوظ تو کر دیا۔ اور دوسروں کو دیکھنے دیا ہمارے پاس تو خیر یہ تاجدار تھے لیکن جاپان اور چین کی کتابیں، نیپال اور تبت اور کوریا کی کتابیں افریقی زبان کی کتابیں، مخطوطے تصاویر جو یورپ جا ان کو دیکھ سکتا ہے ورنہ اکثر صورتوں میں ان کی نقلیں اور عکس منگوا سکتا ہے یہی حال آثار کا جائے اب تو خیر ہم بھی اپنی چیزوں کی قدر حفاظت کرنے لگے ہیں اور اپنا میوزیم بھی مصری آثار سے اٹا پڑا ہے ورنہ ہم سے پہلے لوگوں کے لئے یہ چیزیں کنکر پتھر تھی مصر میں یہ لوگ اہرام میں نقب لگا کر مٹیوں کے کفن اور زیورات کھینچ لے گئے۔ پیرس میں کنکارڈ کے میدان میں ایک پرانا مصری نکیل مینار نصب ہے جو محمد علی پاشا نے نپولین کو یا جانے کس کو نظر کر دیا تھا لندن میں بھی ٹیمز کے کنارے پر کلو پیٹرا سوئی پڑی ہے جس کا بوجھ ایسا ہے کہ لانے والا بڑی مشکل سے نکالنے والا نکال کر لایا اور بھی کئی چیزیں دیکھی جس پر لکھا تھا محمد علی پاشا نے تحفہ دیا ہمارے خیال میں یہ کہ دیتا ہوگا کہ ارے میاں لے جاؤ کس کام کی ہیں یہ چیزیں کتابوں کے بارے میں بھی ہم ایسی ہی بے نیازی برتتے ہوں گے۔

Virtual Home  
for Real People

## یونیسکو کی گیلری سے

یونیسکو میں ہمارا اپنا کام ختم ہو جاتا تھا تو ہم یونیسکو کے ایکٹرز کٹو بورڈ کے جلسے میں جا بیٹھے تھے جہاں ایک کونے میں وزیٹرز کے لئے کرسیاں رکھی ہیں اور کانوں میں لگانے والے چوٹوں کا بھی انتظام ہے وہ اس کے لئے تقریریں کئی زبانوں میں ہوتی ہیں زیادہ تر انگریزی اور فرانسیسی ہیں لیکن پسپانوی اور روسی میں بھی جب کوئی انگریزی کے علاوہ

کسی اور زبان میں تقریر کرتا تھا تو ہم چونکا اٹھا لیتے تھے مترجم اور مترجمائیں کمال کی ہیں تقریر کے ساتھ ساتھ ایسا با محاورہ رواں اور بے تکاں ترجمہ نشر کرتی ہیں کہ اصل معلوم ہوتا ہے دو تین سال ہوئے جناب قدرت اللہ شہاب نے جو ۱۱۳ کے ایوان میں ۹۲ ووٹ حاصل کر کے چھ سال کے لئے ایگزیکٹو کے ممبر منتخب ہوئے یہ قرار دار پیش کی تھی کہ عربی بھی بین الاقوامی زبان ہے اسے سبھی انگریزی اور فرانسیسی وغیرہ کے برابر درجہ دیا جائے اور اس کے ترجمے کا بھی انتظام ہو مغربی ملکوں کی طرف سے بہت مخالفت ہوئی لیکن یہ عرب اور مسلمان ملکوں کی آواز تھی ایشیا اور افریقہ کے ملک بھی شہاب صاحب نے اپنے ساتھ ملائے اور یہ تجویز اصولی طور پر منظور ہو گئی اب وقت یہ آن پڑی ہے کہ ایسے مترجم کہاں سے آئیں جو روسی فرانسیسی ہسپانوی اور وغیرہ سے عربی سے ان زبانوں میں فر فر ترجمہ کر سکیں تلاش کر سکیں تلاش جاری ہے۔

اس تحریک کے بعد سے ملکوں کے نمائندے سے شہاب صاحب اور پاکستان کی اور زیادہ عزت کرنے لگے ہیں بلکہ غیر رسمی طور پر ان کو اپنا لیڈر سمجھتے ہیں افریقی ملکوں کے ممبر بچارے مرعوب رہا کرتے تھے شہاب صاحب نے انکولا جنوبی افریقہ، روڈیشیا وغیرہ کے معاملوں میں آزادی کی تحریر کی ڈٹ کے حمایت کی تو ان کو بھی حوصلہ ہوا چنانچہ ان کی ترجمانی بھی ان کو پڑھنے پڑی ہے یوٹسی کو میں ہمارے ایک دوست پیرو کے رہنے والے ہیں بہت بڑے ماہر معاشیات اور ماہر آثار قدیمہ ہے وہ ایک روز بتا رہے تھے کہ ہمارے لاطینی امریکہ کے نمائندے شہاب الدین صاحب پر جان چھڑکتے ہیں ہماری اکثر حکومتیں امریکہ کی کاسہ لیسے اور نمائندے بے حوصلہ ہیں شہاب الدین صاحب جرات کی بات کرتے ہیں تو یہ دل تو بہت خوش ہوتے ہیں اور خود بھی ہمت کر کے بول سکتے ہیں ایشیائی اور عرب ملکوں کے مسائل میں جہاں امریکہ کے ساتھ ہوا کرتے تھے یا بے تعلق ہوا کرتے تھے اب عموماً اب ان کے ساتھ ووٹ دیتے ہیں کئی بار تو یہ صورتحال ہوئی کہ امریکہ اور انگریز اور اسرائیل۔۔ یہی بس مخالف رہ جاتے ہیں ہندوستان کا عجب حال ہے پاکستان کی قرارداد کی ہمایت کرے تب خامی ہے کہ کریڈٹ پاکستان کو جاتا ہے۔۔ ناکرے تو عیشیائی اور افریقی

ملکوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے ایک دن ہم نے دیکھا کہ شہاب صاحب نے تجویز پیش کی کہ اور تقریر کی مسئلہ عربوں کا تھا شہاب صاحب نے اسرائیل کے حامیوں کو خبردار کیا کہ کل کہ ریفوجیوں کیمر کے خیرنچے ہی ہیں جو آج کے کمانڈر اور گوریلے ہیں جب تک فلسطین کے لوگوں کو بے وطن اور ریفوجیوں کیمر میں مجبور رکھا جائے گا گوریلے اور کمانڈر پیدا ہوتے رہیں گے پہلے سے زیادہ پیدا ہونگے پہلے سے زیادہ پرجوش ہونگے کیونکہ صبر کی بھی حد ہوتی ہے اس تقریر کی [پر زور حمایت مصر کے نمائندے نے کی اور شہاب صاحب کا نام لے کر ان کو خراج تحسین پیش کیا ہندوستان کے نمائندے نے یہ کہا کہ مصر کے تائیدی تقریر کی تائید اور تعریف کی پاکستان یعنی اصل محرک کا نام گول کر دیا شاہ صاحب جو اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر عربوں کے مقبوضہ علاقوں میں گئے تھے اور اسرائیل میں دراز دستیوں کی شہادتیں فراہم کر کے لائے تھے اس کا بڑا مفید پہلو یہ نکلتا ہے کہ مقبوضہ علاقوں اور ریفوجیوں کیمر یونیسکو اور اقوام متحدہ کے ادارہ کی طرف سے عرب بچوں کے بہت سے اسکول قائم ہیں ان میں جو ریڈریں وہ یونیسکو کی منظور شدہ ہیں ان کو ہٹا کر اپنی ریڈریں لگا دی جن میں ان کا اپنا پراپیگنڈا اور اسلام کے بارے میں آزار باتیں تھی یونیسکو میں شکایت کی گئی تو اسرائیلی یہ سب جھوٹ ہے اب شہاب صاحب نے ان کا پلندہ پیش کیا اسرائیلی نمائندے یہ آپ کو کہاں سے ملیں تب شہاب صاحب نے کہا کہ میں خود گیا تھا، کیسے گیا تھا؟ اس سے آپ کو کیا مطلب ہے؟ بھیس بدل کر گیا تھا اس سے بڑی سنسنی پھیلی لیکن بات ثابت ہوگی اور ڈاریکٹر جنرل خود اسرائیل جا کر تصدیق کر کے آئے کہ شہاب صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر ایک کمیشن کتابوں کو چھانٹنے کے لئے بیٹھا اور اسرائیل کی سو سے زیادہ کتابوں میں سے نوے میں سے زیادہ کورد کر دیا۔ ان کی جگہ مصر کی چھپی ہوئی کتابیں پڑھانے کی ہدایت کی گئی جس روز اب کے یہ مسئلہ یونیسکو بورڈ آیا اتفاق سے ہم بھی موجود تھے قرارداد پاکستان کی طرف سے تھی جس میں اسکے شریک سیلون افغانستان اور ہنگری بھی تھے اور جس میں اسرائیل کی مذمت کی گئی تھی کہ وہ بھی مصری زبانوں کی کتابوں میں رکاوٹ ڈال رہا ہے اس پر ترمیم اور اسرائیل کے نمائندے اور ڈاکٹر موشے او، وی دار تھی او وہ ترمیم یہ تھی کہ اسرائیل کے بجائے شام کی

مندمت کی جائے اس پر لوگ بہت ہنسے ترمیم بھی قرارداد کی صورت میں ہوتی ہے اور اس کی تائید کسی نہ کسی کو کرنی پڑتی ہے لیکن یہ ترمیم ایسی مزاحقہ خیز تھی کہ کوئی تائید میں ہاتھ اٹھانے والا نہ تھا صدر صاحب نے ایک بار دریافت کیا کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا دوسری بار دریافت کیا - سب چیپ - آخر صدر صاحب نے کہا کہ تیسری بار پوچھ رہا ہوں اس کی تائید نہ ہوئی تو یہ خود بخود مسترد سمجھی جائے گی آخر امریکی نمائندے نے بدلی سے ہاتھ کھڑا کیا - آخر اپنے حلیف کا اتنا تو خیال کرنا چاہئے تھا لیکن جب اس پر رائے شماری ہوئی تو وہ بھی غیر جانب دار ہو گیا اس کے مقابلے میں پاکستان اور سیلون وغیرہ کی قرارداد بھاری اکثریت سے منظوری برطانیہ ہالینڈ وغیرہ مخالفت تو نہ کر سکے غیر جانب دار ہو گئے شہاب صاحب خود تو اپنے بارے میں بہت کم بتاتے ہیں لیکن خارجی ذریعے سے معلوم ہوا کہ اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں کی مہم پر جاتے ہوئے جس میں بچنے کا امکان دس پندرہ فیصد زیادہ نہ تھا یہ ایک وصیت یونیسکو کے خزانچی کے پاس جمع کرا گئے تھے کہ میرا مکان بیچ کر پیسے الفتح کو بھیج دیئے جائیں اور میرے بیٹے کو مصر کے کسی اسکول میں داخل کر دیا جائے -

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے

Virtual Home  
for Real People



[www.HallaGulla.com](http://www.HallaGulla.com)



**Virtual Home  
for Real People**

[www.HallaGulla.com](http://www.HallaGulla.com)



**Virtual Home  
for Real People**

[www.HallaGulla.com](http://www.HallaGulla.com)



**Virtual Home  
for Real People**